انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

مؤلفہ
مؤرخ اسلام محمد یاسین قریشی بہاولپوری

○

جلد دوم

المکتبۃ الاشرفیہ
جامعہ اشرفیہ ○ فیروز پور روڈ لاہور ۵۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اللہ نے جو کچھ چاہا وہی ہوا، نہیں طاقت کسی کو سوائے اللہ کے

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

(حصہ دوم)

دین حقہ کی شریعت میں عبادات و اعمال صالحہ کا کیا مفہوم و مراد ہے، اس کو کیسے ادا کیا جائے کہ اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جائے اس لیے نہایت ہی آسان و سہل اردو زبان میں بیان کرنے کی حتی الامکان سعی کی گئی ہے اور اسی بنیاد پر اس موضوع کو ترجیح دی ہے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ اردو لٹریچر میں اس موضوع پر ایک عظیم اور اصلاحی ذخیرۂ معلومات ایسے کم پڑھے لکھے افراد کے لیے فراہم کر دیا جائے جن کے کان ان کی کم علمی کی وجہ سے ابھی تک ناآشنا ہیں۔

مؤلفہ

مورخ اسلام محمد یامین قریشی سہارنپوری

المکتبۃ الاشرفیۃ

جامعہ اشرفیہ، فیروزپور روڈ، لاہور

طبع في المطبعة العربية
۳۰- لیک روڈ، بالمقابل منشی چیمبر، پرانی انارکلی، لاہور- پاکستان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

"ہمیں خوشی ہے کہ ہندوستان میں ادارہ تاج کمپنی دہلی نے اپنے انعقاد سے اس وقت تک نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونِ ممالک کے لاکھوں عوام خصوصاً مسلمانوں کو اسلامی لٹریچر کا بہترین خزانہ پیش کرنے پر ایک امتیازی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ یہ عزت وشان اُس مالکِ دوجہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا صدقہ ہے جس نے ہمارے دلوں میں اسلامی مطبوعات کی بہتر سے بہتر ڈھنگ سے اشاعت وترویج کا جذبہ پیدا کیا ہے۔

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" اسی جذبہ کا ایک نمونہ ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں ایسی کتاب پہلی بار چھپ رہی ہے۔ جسے ہم تاج کمپنی دہلی کی ایک فخریہ پیش کش کے روپ میں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے اسلام کے بارے میں نہ صرف قارئین کی معلومات میں اضافہ ہوگا بلکہ دینی معلومات اور واقفیت اور اس کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ایمان محکم ہوگا اور شوقِ عبادت بھی پیدا ہوگا۔

"انسائیکلوپیڈیا آف اسلام"، کے مشہور مصنف جناب محمد یامین قریشی صاحب سہارنپوری نے اس کتاب میں توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ایک ایک رکن پر اور دیگر ارکانِ عبادت کے ضروری امور پر مستند وصحیح احادیث وتاریخی اسناد کے ساتھ معانی وتشریحات اور تفاصیل بیان کی ہیں۔

——— رفیق احمد

اِرشَادَاتِ عَالِیَہ

از:۔ حضرت مولانا محمد اللہ صاحب صاحب زادے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ
ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم شہر سہارنپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ نصلی علیٰ رسولہ النبی الکریم۔

مجھے اس امر کے اعتراف میں باک نہیں۔ کہ میری عادت نہیں ہے۔ اور نہ میں حقیقۃً اس قابل ہوں کہ مصنفین کی محنت سے تصنیف کی ہوئی تخلیقات اور ان کی فکری کاوشوں پر کچھ لکھ سکوں۔ یا نقد و تبصرہ ہی کر سکوں یا اُن کی تشخص و امتیاز کو واضح کر سکوں۔ یا اُن میں ظاہر یا چھپی ہوئی خوبیوں کو کسی علمی تجزیہ سے نکھار کر ناظرین و قارئین کو اُن کی جانب متوجہ کر سکوں۔

لیکن بادل ناخواستہ اپنی مرضی کے خلاف اس دُنیا میں کچھ کام کرنے پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس سے قبل اوائل سرما میں جناب مورخِ اسلام مولانا منشی محمد یامین صاحب قریشی کی تصنیف "انسائیکلو پیڈیا آف اسلام" کی جلد اوّل کے مسودہ کو میں نے اپنے تبیح و تحمید اُوقات مقررہ سے کچھ فاضل وقت نکال کر دیکھا تھا۔ اور اس پر بھی کچھ لکھا تھا۔ جو کتاب کے شروع میں چھپ چکا ہے۔ اور اس کتاب کا ایک نسخہ آپ نے مجھے عنایت

فرمایا تھا۔ مگر اس بار جب کتاب مذکورہ بالا کے حصہ دوم کا مسودہ میرے سامنے آیا تو میرے لگے بندھے اوقات میں گنجائش نہیں معلوم ہوئی کہ میں اس مسودہ کو دیکھ سکوں گا۔

مگر حضرت مورخِ اسلام موصوف نے اپنے خاص مخلصانہ انداز اور اسلوب میں مجھے اس مسودہ ثانی پر نظر ڈالنے کے لیے خواہش ظاہر فرمائی تو میں اپنی فطری کمزوری کے تحت معذرت نہ کر سکا اور مجھے وعدہ کرتے ہی بنی کہ اچھا صاحب میں انشاء اللہ دیکھوں گا۔ اس وقت تو میرے کرم فرما تشریف لے گئے۔ لیکن پھر بعد میں جب حضرت ناشر نے حضرت مصنف پر تقاضوں کی بھرمار کر دی تو آپ نے مجھ سے کہا۔ اور اس طرح گویا مجھ پر حضرت مصنف کا تقاضہ بلاواسطہ تھا۔ اور حضرت ناشر کا بلواسطہ تھا۔ اور میں مظاہر علوم کا ایک معمولی خادم جس کی ہزاروں ذمہ داریاں اور کچھ معمولات کی پابندی کو بھی میں نے اپنے اوپر لازم رکھا ہے۔ غرض اس کے لیے نماز فجر کے بعد کے اپنے سالہا سال کے معمول دوازدہ تسبیح ترک کر کے مسودہ ھٰذا کو دیکھا اور بالاستیعاب دیکھا جیسا کہ میری عادت ہے۔ مِن اَوّلِہٖ اِلیٰ آخرِہٖ۔

سلاست الفاظ و روانی بیان کے باوجود کتاب ھذا معنوی، باطنی، فقہی، اسلامی اور مسلم جذبات و حمیت کے اعتبار سے نہ صرف قابل مطالعہ ہے۔ بلکہ ناظرین کی معلومات میں اضافہ اور دینی ذوق و شوق پیدا کرے گی۔

اب تک مضمون در مدح تھا۔ اب کچھ حضرت مصنف کے متعلق بھی لکھ دوں کہ مجھے یہ خود ستائی کا موقع ان کی قابل قدر تعریف تصنیف کو دیکھ کر ہی ملا ہے۔

پہلے مصنف موصوف تاریخی ناول لکھتے تھے۔ یعنی فنِ تاریخ کے صرف ایک جزو جنگ اور اس کے متعلقات کو اپنی سادہ مگر افسانوی رنگ میں لکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ در حدیث دیگراں، ناظرین کے ذہنوں تک سرِ دیگراں پہنچے۔ چنانچہ حضرت مصنف کشاں کشاں سنجیدہ نویسی کی طرف لوٹ آئے اور اب انھوں نے اپنے لیے پہلی راہ کے بالکل برعکس سخت مشکل راہ تجویز کی کہ تاریخ کو جو اقدار، روایات، واقعات، کیفیات، داخلی اور خارجی واردات، سانحات اور حادثات، نیز انسانی زندگی اور کائنات سے متعلق

تمام علوم وفنون پر مشتمل ہوتی ہے، نہایت متین وسنجیدہ عناوین کے تحت اسلامی روشنی میں اپنے لیے منتخب فرمایا اور اس کے لیے سخت عرق ریزی بلکہ دیدہ ریزی اور ژرف نگاری سے کام لے کر تمام علمی معلومات کے احاطہ کا ارادہ فرمایا۔ نیز بکھری ہوئی معلومات کے یکتا موتیوں کو یک جا اور مرتب و مربوط کر دیا۔ اور پھر بحمدہ تعالیٰ وہ اس راہ پر مکمل احتیاط کے ساتھ قدم بقدم نہ صرف گامزن اور رواں ہیں، بلکہ دواں اور پراں ہیں .... سہ
اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

الغرض ان امور بالا کی روشنی میں میرا خیال ہے کہ وہ اشخاص اور مسائل بھی قابلِ تعریف ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مصنف موصوف کو مورخِ اسلام کے لقب سے یاد کیا اور پھر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی جلد اوّل کے ناشر نے اس حقیقت سے سب کو واقف کرایا، تو وہ اور بھی مستحقِ تشکر ہوئے اور پھر میں نے بھی ضروری سمجھا کہ محاسن اور خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے مصنّف اور تصنیف کی تاریخی خوبیوں اور اُن کی وجہ سے حضرت مصنّف کے بجا طور پر مورخِ اسلام کہلائے جانے کے متعلق کچھ احوال واقعی لکھ دوں کہ اظہارِ حقیقت فرض ہے اور کتمان عیب ہے۔

آخر میں ناظرین سے اپنے لیے دُعا کا طالب ہوں اور خود دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے فیض سے ناظرین کو بہرہ اندوز ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ مصنف کی کوششوں کو پسند و قبول فرمائے۔ آمین۔

فقط
فقیر محمد اللہ
مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ امابعد

حق تعالےٰ شانہٗ کا لاکھ بار شکر ہے کہ کتاب ھذا کا حصّہ دوم اللہ تبارک تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت کاملہ وبرکتِ عظیم سے مجھ جیسے کم فہم، بے بضاعت اور کم علم کو اپنی مہربانی وعنایت سے نوازتے ہوئے اُسے مکمل وپورا کرادیا جو آج آپ کے زیرِ مطالعہ ہے۔

دین حق کی شریعت میں عبادات واعمال صالحہ کا کیا مفہوم ومراد ہے، اس کو کیسے ادا کیا جائے کہ اس پر عمل کرنے کا شوق وجذبہ پیدا ہوجائے اس لیے نہایت ہی آسان وسہل اردو زبان میں بیان کرنے کی حتی الامکان سعی کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ومقدس زندگی میں ایسا خوبصورت گلستان ہے جس کے پھولوں کی مہک، فضاؤں کی نکہت اور ہواؤں کی تازگی سے آج تک دنیا مسحور ہے، یہ چمن ہر ایک کو دعوتِ دید دے رہا ہے۔ اب یہ نظارہ کرنے والے کی صلاحیت اور اس کے دامن کی وسعت وظرف پر موقوف ہے کہ وہ اس گلستان سے کتنے پھول چنتا ہے۔ ہم نے اسی بنیاد پر اس موضوع کو ترجیح دی ہے۔ ہماری یہ کوشش ہے کہ اردو لٹریچر میں اس موضوع پر ایک عظیم اور اصلاحی ذخیرۂ معلومات ایسے کم پڑھے لکھے افراد کے لیے فراہم کردیا جائے جن کے کان اُن کی کم علمی کی وجہ سے ابھی تک ناآشنا ہیں۔

کتاب ھذا میں واقعات وعبادات اور اعمال کی اَساس قرآن کریم کو بنایا گیا ہے اور

صحیح احادیث اور مستند تاریخی واقعات سے ان کی توضیح و تشریح کی گئی ہے اور تمام تر تشریحات کو جن کا تعلق براہِ راست اصل واقعات اور معانی و مطالب سے ہے آسان اردو میں قوسین یعنی بریکٹ میں پیش کیا ہے تاکہ کتاب کے مطالعہ کا تسلسل نہ ٹوٹے اور ضروری تشریحات اور اُن کے معنی ساتھ ساتھ نظر سے گذرتے رہیں۔ امید ہے کہ ہمارے محترم ناظرین اس سلسلہ میں اپنے ضروری مشوروں سے ضرور مطلع فرمائیں گے اور ہماری حُسن نیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے غلطیوں کو نظر انداز فرمائیں گے۔

کتاب ھذا کا حصہ سوم اس وقت زیرِ قلم ہے دعا فرمایئے اللہ جَلَّ شانہٗ اس کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ اسی طرح مکمل کرنے کی طاقت و ہمت عطا فرمائے آمین۔

فہرست کتب دینی و تاریخی :۔ کتاب ہذا کی تالیف میں جن مستند کتب اور احادیث شریفہ و تواریخ کے حوالہ جات اور ماخذ سے کام لیا گیا ہے ان کی فہرست ذیل میں درج کرتے ہیں۔

(۱) قرآن الحکیم مترجم (۲) صحیح بخاری شریف اردو (۳) ابن خلدون رح (۴) رحمۃ اللعالمین (۵) قصص القرآن (۶) وحی الٰہی (۷) سیرت حلبیہ۔ (۸) مشکوٰۃ الانوار شرح نور الانوار (۹) آئینۂ نماز (۱۰) صحت الفاظ (۱۱) معمولات نبوی ص (۱۲) جواہرات نثر (۱۳) اُسوۂ حسنہ (۱۴) اسلام کیا ہے؟ (۱۵) عقائد الاسلام قاسمی (۱۶) انتخابِ صحاح ستہ (۱۷) فہم قرآن (۱۸) فضائل نماز (۱۹) فضائل قرآن (۲۰) حسن معاشرت (۲۱) تعلیم الدین (۲۲) مذاہبِ ائمہ اربعہ رح (۲۳) تفسیر حقانی رح (۲۴) تبلیغ دین محشی از حضرت امام غزالی رح (۲۵) اسلاف کا ذوق مطالعہ (۲۶) اسلامی عدل و سیاست (۲۷) اسلام کا نظام حیات (۲۸) ہاشمی بہشتی زیور (۲۹) الفوز الکبیر وغیرہ وغیرہ۔

شکریہ :۔ آخر میں ہم ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں ہماری کسی قسم کی مدد یا ہمت افزائی فرمائی۔ خاص طور پر حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہٗ ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت مولانا محمد اللہ صاحب مدظلہٗ کا نہایت ہی شکر گذار ہوں کہ ان حضرات نے کتاب ھذ کے مسودے کی نظر ثانی فرمائی۔ اگر یہ حضرات نظر ثانی نہ فرماتے تو مجھے اپنی کم مائیگی کی بنا پر

تردد رہتا۔ نیز حضرت مولانا اسلام الحق صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ شاہ بہلول سہارنپور اور جناب بھائی امیر قریشی صاحب کا جتنا بھی شکر ادا کر سکوں وہ کم ہے کیوں کہ آپ صاحبان نے اس سلسلہ میں جتنی کتابیں فراہم کیں وہ میری استطاعت سے باہر تھیں۔ بہر صورت دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب ہی حضرات کو اس کار خیر کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ فقط والسلام۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العٰلمین۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَلَکَ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

طالب دُعا

احقر محمد یامین قریشی سہارنپوری غفرلہٗ

حبیب منزل۔ قدسیہ مسکن۔ پل زنجی۔ قطب شیر

سہارنپور۔ (یو۔ پی)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَضَائِل جمع ہے فضیلت کی۔ بلند درجہ۔

۱۔ فضائِل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :- اور بعضوں نے کہا ہے کہ فضائل باطنی نعمتیں اور فَواضِل ظاہری نعمتیں۔ فَواضِل کے معنی ہیں بخشش۔ بڑے انعام۔ جمع ہے فاضلہ کی۔ واضح ہو کہ فَواضِل وہ نعمتیں ہیں جو دوسروں کی طرف بھی جاسکیں اور یہ شخص دے سکے مثلاً علم و ہنر وغیرہ اور فضائل وہ نعمتیں ہیں جو اس شخص کی ذات میں ہوں جن کو نہ یہ دے سکے اور نہ دوسرا لے سکے مثلاً خوبصورتی، عقل، طاقت، حیاء، شرم وغیرہ۔ فضائلِ اَربعہ یعنی چار فضیلتیں ہیں۔ حکمت، شجاعت، عِفت عدالت۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :- ترجمہ : شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔" جن کلمات کا عَالَمِ بَرزخ یا عالم مثالی میں کوئی نہ کوئی اثرِ خاص ہوتا ہے کہ جس طرح عالم عنصری میں دواؤں کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ منجملہ اُن کے یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی ہے جس سے برکت کا نازل ہونا اور شیطان وخبیث کا اثر نہ ہونا وغیرہ۔ ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ایک شخص نے بغیر بسم اللہ پڑھے کھانا کھایا۔ پس جب ایک لقمہ باقی رہ گیا تو بسم اللہ من اولہٗ و آخرہٗ کہہ کر اس کو منہ میں رکھ لیا۔ اس بات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور فرمایا کہ اس کے ساتھ شیطان کھاتا تھا۔ جب اُس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جو کچھ کھایا تھا کھڑے ہو کر قے کر دیا۔ اور مسلمؒ نے یہی روایت کیا ہے کہ جس کھانے پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی اُس میں شیطان کا حصہ ہو جاتا

ہے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید سے مقابل لوگوں نے کہا کہ تم جو اسلام کے مدعی ہو تو کوئی کرامت تو دکھاؤ تاکہ تمھارے دین کی صداقت معلوم ہو، اور اس زہر قاتل کی شیشی کو پی جایئے۔ اگر کچھ اثر نہ کیا تو یہ دین حق ہے۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے اُن کے ہاتھ سے وہ زہر لے کر ان ہی کے روبرو بسم اللہ کہہ کر پی لیا اور پھر وہیں کھڑے رہے۔ کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ اسی قسم کے صدہا واقعات ہیں۔" (تفسیر حقانیؒ صہ ۱۳ ج دوم)

آنحضرت صلعم کا ایک مختصر اور جامع وعظ یعنی نبی صلعم کا خطبہ

(ماخوذ از رحمۃ اللعالمین ج ا صہ ۱۵۷)

مقام تبوک میں ایک نماز کے بعد آنحضرت صلعم نے ایک مختصر اور نہایت جامع وعظ فرمایا تھا۔ ذیل میں اسے مع ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔ ہم نے اس میں صرف اس قدر تصرّف کیا (دخل دیا) ہے کہ ہر فقرہ کا عنوان قائم کر دیا ہے اور معانی بیان کیے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی بہترین حمد و ثنا کے بعد فرمایا :- امابعد :

۲۔ کتاب اللہ : معنے اللہ کا کلام۔ اللہ کی بات۔ آپؐ نے فرمایا۔" فان اصدق الحدیث کتاب اللہ"۔ ترجمہ :- ہر ایک کلام سے صدق میں بڑھ کر اللہ کی بات ہے۔

۳۔ تقویٰ کا کلمہ : معنے پرہیزگاری کی بات۔ آپؐ نے فرمایا۔" واوثق العری کلمۃ التقویٰ" ترجمہ :۔ سب سے بڑھ کر بھروسہ کی بات تقویٰ کا کلمہ ہے۔

۴۔ بہتر مِلت : معنے اچھا دین۔ اچھا مذہب، اچھی شریعت۔ آپؐ نے فرمایا۔ "وخیر الملل ملۃ ابراھیم" ترجمہ : سب مِلتوں سے بہتر ملت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔

۵۔ سُنّتِ محمّد صلعم: معنے طریقہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ آپؐ نے فرمایا: "وخیر السنن سُنة محمّدؐ" ترجمہ: سب طریقوں سے بہتر طریقہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

۶۔ اللہ کا ذِکر: ذِکر معنے یاد کرنا، دل یا زبان سے۔ آپؐ نے فرمایا: "واشرف الحدیث ذکر اللہ" ترجمہ: سب باتوں پر اللہ کے ذِکر کو شرف ہے۔

۷۔ پاکیزہ بیان: معنے پاک صاف بیان۔ تمام وکمال والا بیان۔ آپؐ نے فرمایا۔ "واحسن القصص ھذا القرآن"۔ ترجمہ: سب بیانات سے پاکیزہ تر یہ قرآن ہے۔

۸۔ اولوالعزمی: معنے بہتر، سب سے اچھا ارادہ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "وَخیر الامور عوازمھا۔" ترجمہ: بہترین کام اولوالعزمی کے کام ہیں۔ (یعنی بلند ہمت کے ساتھ اونچے کام)۔

۹۔ بَدترین اَمر: معنے سب سے بُرا کام۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "وشر الامور محدثاتھا۔" ترجمہ: امور میں بدترین امر وہ ہے جو نیا نکالا گیا ہے۔

۱۰۔ انبیاء کی رَوِش: انبیاء جمع ہے نبی کی۔ رَوِش معنے طرز، طریقہ۔ آپؐ نے فرمایا۔ "واحسن الھدیٰ ھدی الانبیاء"۔ ترجمہ: انبیاء کی روش سب روشوں سے خوب تر ہے۔

۱۱۔ شہید کی موت: معنے راہِ خدا میں بے گناہ قتل ہونے والا۔ "واشرف الموت قتل الشھدآء"۔ شہیدوں کی موت، موت کی سب قسموں سے بزرگ تر ہے۔

۱۲۔ گمراہی: معنے راہ بھولنا۔ حضور صلعم نے فرمایا۔ "واعمی العمیٰ الضلالة بعد الھدیٰ۔" ترجمہ: سب سے بڑھ کر اندھاپن وہ

گمراہی ہے جو ہدایت کے بعد ہو جائے۔

۱۳۔ اچھا عمل : معنے اچھا کام۔ اچھا فعل۔ آپؐ نے فرمایا۔" خیر الاعمال ما نفع۔" ترجمہ: عملوں میں وہ عمل اچھا ہے جو نفع دہ ہو۔

۱۴۔ بہترین روش : معنے اچھا ترین طریقہ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" خیر الھدیٰ ما اتبع۔" ترجمہ: بہترین روش وہ ہے جس پر لوگ چل سکیں۔

۱۵۔ بدترین کوری : معنے سب سے برا اندھاپن۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" وشر العمی عمی القلب۔" ترجمہ: بدترین کوری دل کی کوری ہے۔ (یعنی سب سے برا دل کا اندھا ہونا ہے)

۱۶۔ بلند ہاتھ : معنے اونچا ہاتھ۔ یعنی اوپر والا ہاتھ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" والید العلیا خیر من الید السفلی۔" ترجمہ: بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ (یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے)

۱۷۔ غفلت : معنے بھول، چوک، چوک جانا۔ حضور صلعم نے فرمایا۔" وما قل وکفیٰ خیر مما کثر والھیٰ۔" ترجمہ: تھوڑا اور کافی مال اس بہتات سے اچھا ہے جو غفلت میں ڈال دے۔

۱۸۔ بدترین معذرت : معنے سب سے بری معافی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" شر المعذرت حین یحضر الموت۔" ترجمہ: بدترین معذرت وہ ہے جو جان کنی کے وقت کی جائے۔

۱۹۔ بدترین ندامت : معنے سب سے بری شرمندگی۔ پشیمانی۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" وشر الندامۃ یوم القیٰمۃ۔" ترجمہ: بدترین ندامت وہ ہے جو قیامت میں ہو گی۔

۲۰۔ دِل کا پیچھے لگنا : (یعنی دل کا خدا سے غافل اور دوسری طرف لگا ہونا) معنے دُنیوی کاموں کی طرف دل کا رُجحان ہونا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" ومن النّاس لایاتی الجمعۃ الادبرًا۔" ترجمہ: بعض لوگ جمعہ کو آتے ہیں مگر دل پیچھے لگے ہوتے ہیں۔

۲۱۔ بَعْض لوگ : معنے کچھ لوگ۔ آپؐ نے فرمایا۔" ومن لایذکر اللہ الا ھجرا۔" ترجمہ: ان میں بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کا ذکر کبھی کبھی کیا کرتے ہیں۔

۲۲۔ جھوٹی زبان : معنے جھوٹ بولنا۔ لغو گوئی کرنا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" ومن اعظم الخطاء اللسان الکذب۔" ترجمہ: سب گناہوں سے عظیم تر جھوٹی زبان ہے۔

۲۳۔ دِل کی تونگری : تونگری معنے صاحبِ ثروت ہونا، مال داری، دل کی تونگری معنے دل کا غنی ہونا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" وخیر الغنی غنی النفس۔" ترجمہ: سب سے بڑی تونگری دل کی تونگری ہے۔

۲۴۔ عمدہ توشہ : عُمدہ معنے وہ جس پر اعتماد کیا جائے۔ تحفہ.....توشہ معنے زادِ راہ۔ یعنی سب سے بہتر آخرت کا تحفہ حضور صلعم نے فرمایا۔" وخیر الزاد التقویٰ۔" ترجمہ: سب سے عمدہ توشہ تقویٰ ہے۔

۲۵۔ دانائی کا سر : معنے عقل مندی کا خیال، عقل کا خلاصہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" وراس الحکمۃ مخافۃ اللہ عزّوجل۔" ترجمہ: دانائی کا سر یہ ہے کہ خدا کا خوف دل میں ہو۔

۲۶۔ بہترین چیز :۔ معنے سب سے عمدہ شے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "وخیر ما وقر فی القلوب الیقین۔" ترجمہ: دلنشین ہونے کے لیے بہترین چیز یقین ہے۔

۲۷۔ شک :۔ معنے گمان، گمان کرنا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" و الارتیاب من الکفر۔" ترجمہ: شک پیدا کرنا کفر (کی شاخ) ہے۔

۲۸۔ بَین سے رونا :۔ معنے بیان کر کے رونا۔ یعنی مُردہ کی خوبیاں بیان کر کے رونا۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔" والنیاحۃ من عمل الجاھلیۃ۔" ترجمہ: بَین سے رونا جاہلیت کا کام ہے۔

۲۹۔ چوری کرنا :۔ معنے آنکھ بچا کر کسی کا مال و دولت اٹھانا یا قبضہ کرنا۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔" والغلول من حر جھنّم۔" ترجمہ: چوری کرنا عذاب جہنم کا سامان ہے۔

۳۰۔ بدمست ہونا :۔ معنے نشہ کی حالت میں ہونا۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" والسکر کیٌّ من النّار۔" ترجمہ: بدمست ہونا آگ میں پڑنا ہے۔

۳۱۔ ابلیس کا حصّہ :۔ معنے شیطان کا اثر۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ " والشعر من ابلیس۔" ترجمہ: شعر ابلیس کا (حصّہ) ہے۔

۳۲۔ بدترین رُوزی :۔ معنے خراب تر رِزق۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" وشر الماکل مال الیتیم۔" ترجمہ: بدترین رُوزی یتیم کا مال کھانا ہے۔

۳۳۔ شراب :۔ معنے ہر چیز رقیق جو مثل پانی کے پی جائے مگر اکثر اس کا اطلاق بمعنی شراب مشہور کے ہے جس میں نشہ ہوتا ہے۔

آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ "والخمر جماع الاثم۔" ترجمہ: شراب تمام گناہوں کا مجموعہ ہے۔

۳۴۔ سعادت مند :- معنے نیک بخت ہونا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "والسعید من وعظ بغیرہٖ۔" ترجمہ: سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑتا ہے۔

۳۵۔ بدبخت : معنے بدقسمت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "الشقی من شقی فی بطن امہٖ۔" ترجمہ: اصل بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ ہی میں بدبخت ہو۔

۳۶۔ بہترین انجام :- انجام معنے آخر، انتہا۔ اصطلاحاً نتیجہ۔ بہترین انجام معنے سب سے اچھا نتیجہ۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ "وملاکِ العمل خواتمہ۔" ترجمہ: عمل کا سرمایا اس کا بہترین انجام ہے۔

۳۷۔ بدترین خواب : معنے سب سے بُری نیند یا سب سے بُری شے جو نیند میں دکھائی دے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "وشر الرؤیا رویا الکذب۔" ترجمہ: بدترین خواب وہ ہے جو جھوٹا ہے۔

۳۸۔ ہونے والی بات :- معنے مراد قیامت سے ہے۔ (واللہ اعلم) آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "وکل ما ھواٰت قریب۔" ترجمہ: جو بات ہونے والی ہے وہ بہت قریب ہے۔

۳۹۔ گالی دینا : معنے گندے الفاظ استعمال کرنا...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "وسباب المومن فسق۔" ترجمہ: مومن کو گالی دینا فسق ہے۔

۴۰۔ قتل کرنا :- معنے تلوار وغیرہ ہتھیار سے مار ڈالنا۔ نبی صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا۔" وقتالہ کفرًا۔" ترجمہ: مومن کو قتل کرنا کفر ہے۔

۴۱۔ **غیبت کرنا:** معنے کسی کے پیچھے اس کو بُرا کہنا اور اس کا عیب بیان کرنا۔ آنخضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" واکل لحمہ معصیۃ اللہ۔" ترجمہ: مومن کا گوشت کھانا (اس کی غیبت کرنا) اللہ کی معصیت ہے۔

۴۲۔ **مومن کا مال:** معنے ایماندار کا مال یعنی مسلمان کا مال۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" وحرمۃ مالہ کحرمۃ دمہ۔" ترجمہ: مومن کا مال دوسرے پر ایسا ہی حرام ہے جیسا کہ اس کا خون۔

۴۳۔ **استغنا کرنا:** معنے بے پروائی کرنا۔ آنخضرت صلعم نے فرمایا۔" ومن یتالی علی اللہ یکذبہ۔" ترجمہ: جو خدا سے استغنا کرتا ہے خدا اُسے جھٹلاتا ہے۔

۴۴۔ **عیب چھپانا:** معنے بُرائی یا کمی کو چھپانا۔ آنخضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" وَمَنْ یَسْتُرْ یَسْتُرْ لَہٗ۔" ترجمہ: جو کسی کا عیب چھپاتا ہے۔ خدا اُس کے عیوب چھپاتا ہے۔

۴۵۔ **معافی دینا:** معنے بخش دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" ومن یعف یعف اللہ عنہ۔" ترجمہ: جو معافی دیتا ہے۔ اُسے معافی دی جاتی ہے۔

۴۶۔ **غصہ پی جانا:** معنے خفگی کو ضبط کرنا۔ آنخضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" ومن یکظم الغیظ یاجرہ اللہ۔" ترجمہ: جو غصہ کو پی جاتا ہے۔ خدا اُسے اجر دیتا ہے۔

۴۷۔ **نقصان:** معنے کمی۔ آنخضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" ومن یصبر علی الرزیۃ یعوضہ اللہ۔" ترجمہ: جو نقصان پر صبر کرتا ہے۔ خدا اُسے اجر دیتا ہے۔

۴۸۔ چغلی کو پھیلانا: معنے جگہ جگہ ہر کسی سے ایک کی دو بنا کر بات کرنا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔" ومن یتبع السمعۃ یسمعہ اللّٰہ۔" ترجمہ: جو چغلی کو پھیلاتا ہے خدا اس کی رسوائی عام کر دیتا ہے۔

۴۹۔ صبر کرنا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔" ومن یصبر یضعف اللّٰہ لہٗ۔" ترجمہ: جو صبر کرتا ہے خدا اُسے بڑھاتا ہے۔

۵۰۔ نافرمانی کرنا: معنے حکم عدولی کرنا۔ حکم نہ ماننا۔ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔" ومن یعصی اللّٰہ یعذبہ اللّٰہ۔" ترجمہ: جو خدا کی نافرمانی کرتا ہے خدا اُسے عذاب دیتا ہے۔

۵۱۔ استغفار: معنے طلب بخشش۔ گناہ بخشوانے کی خواہش کرنا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار پڑھا۔" ثم استغفر ثلٰثاً۔" ترجمہ: پھر تین دفعہ استغفار پڑھ کر .... آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ کو ختم فرمایا۔

اب ہم ترتیب عنوانات باعتبار حروف تہجی شروع کرتے ہیں۔

"الف" "ا"

۵۲۔ ابوالبشر ثانی یا آدم ثانیؑ: (حضرت نوح علیہ السّلام) معنے انسانوں کے دوسرے باپ۔ "جب حکم الٰہی سے طوفانِ نوحؑ کا عذاب ختم ہوا تو سفینۂ نوحؑ "جودی" پہاڑ پر جا کر ٹھہر گیا۔" سورۂ ہود میں باری تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ ترجمہ: اور حکم پورا ہوا اور کشتی جودی پر جا ٹھہری اور اعلان کر دیا گیا کہ قومِ ظالمین کے لیے ہلاکت ہے۔"

توراۃ میں جودی کو ارارط کے پہاڑوں میں سے بتایا گیا ہے۔ ارارط درحقیقت جزیرہ کا نام ہے۔ یعنی اُس علاقہ کا نام جو فرات و دجلہ کے درمیان دیارِ بکر سے بغداد تک مسلسل چلا گیا ہے۔

پانی آہستہ آہستہ خشک ہونا شروع ہو گیا اور ساکنانِ کشتی نے دوسری بار امن و سلامتی کے ساتھ خدا کی سرزمین پر قدم رکھا، اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام کا لقب "ابو البشر ثانی" یا "آدم ثانی" یعنی (انسانوں کا دوسرا باپ) مشہور ہوا۔ اور غالباً اسی اعتبار سے حدیث میں ان کو "اول الرسل" کہا گیا۔

۵۳۔ ایامِ بیض کے روزے: یعنے تیرھویں[۱۳]، چودھویں[۱۴]، پندرھویں[۱۵] تاریخ ہر ماہ قمری کی۔ حضرت ادریس علیہ السلام (قصص القرآن ج ۱) نے اپنی قوم کو تعلیم دی تھی کہ "خدا کی ہستی اور اس کی توحید پر ایمان لانا صرف خالقِ کائنات کی پرستش کرنا آخرت کے عذاب سے رستگاری کے لیے اعمال صالحہ کو ڈھال بنانا، دنیا سے بے التفاتی اور تمام امور میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھنا اور مقررہ طریقہ پر عبادت الٰہی ادا کرنا اور ایام بیض (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ ہر ماہ قمری) کے روزے رکھنا، دشمنِ اسلام سے جہاد کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، طہارت و نظافت سے رہنا، خصوصیت کے ساتھ جنابت (گناہ سے) کتے اور سور سے اجتناب کرنا، ہر نشہ آور شے سے پرہیز کرنا، ان کی تعلیم کا لُبِ لباب ہے۔" (قصص القرآن ج ۱)

۵۴۔ آگ کا سرد ہو جانا:۔ معنے آگ ٹھنڈی پڑ گئی۔ جب بادشاہ نمرود سے لے کر رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کر دیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیم (علیہ السلام) کو دہکتی آگ میں جلا دینا چاہیئے تو اس مرحلہ پر پہنچ کر ابراہیم علیہ السلام کی جدوجہد کا معاملہ ختم ہو گیا اور اب دلائل و براہین کی قوت کے مقابلہ میں مادی طاقت و سطوت نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ باپ اس کا دشمن، جمہور اس کے مخالف، اور بادشاہِ وقت (نمرود)

اس کے درپے آزار، ایک ہستی اور چہار جانب سے مخالفت کی آواز، دشمنی کے نعرے اور نفرت وحقارت کے ساتھ سخت انتقام اور خوفناک سزا کے ارادے تھے۔ ایسے وقت میں اس کی مدد کون کرے اور اس کی حمایت کا سامان کس طرح مہیا ہو؟

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو نہ اس کی پرواہ تھی اور نہ خوف، وہ اُسی طرح بے خوف و خطر، پرواہ کیے بغیر اعلانِ حق میں سرشار اور دعوتِ رشد وہدایت میں مشغول تھے۔ البتہ ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم، دنیوی اسباب ناپید، اور حمایت ونصرت کے ظاہری اسباب مفقود ہو چکے تھے۔ ابراہیم علیہ السّلام کو اس وقت ایک ایسا بڑا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدائے واحد کا سہارا تھا۔ اُس (خدا) نے اپنے جلیل القدر پیغمبر، قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور رہنما کو بے یار ومددگار نہ رہنے دیا۔ اور دشمنوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ ہوا یہ کہ نمرود اور قوم نے ابراہیم علیہ السّلام کی سزا کے لیے ایک مخصوص جگہ بنوائی اور اس میں کئی روز مسلسل آگ دہکائی گئی، حتیٰ کہ اس کے شعلوں سے قرب وجوار کی اشیا تک جھلسنے لگیں۔ جب اس طرح بادشاہ (نمرود) اور قوم کو کامل یقین واطمینان ہو گیا کہ اب ابراہیم (علیہ السّلام) کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ تب ایک گوپھن میں ابراہیمؑ کو بٹھا کر دہکتی آگ میں پھینک دیا گیا۔

اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیمؑ پر اپنی سوزش کا اثر نہ کرے اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے ہوئے اُس کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد پڑ جائے۔ آگ اُسی وقت حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے حق میں "بردوسلام" بن گئی اور دشمن ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے اور ابراہیم علیہ السّلام دہکتی آگ سے سالم ومحفوظ دشمنوں کے نرغہ سے نکل گئے ؎

دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر ست۔ (قصص القرآن ج ۱)

۵۵۔ اکلوتے بیٹے کی قربانی: قربان معنے وہ چیز جو خدا کی راہ میں تصدق

کریں تاکہ خدا سے نزدیکی حاصل ہو۔ اسی سے قربانی بنایا گیا ہے۔ یعنی اکلوتے بیٹے کو خدا کی راہ میں تصدّق (وسیلہ کرنا۔ صدقہ) کرنا۔

"حضرت ابراہیم علیہ السّلام تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابراہیم تو ہماری راہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دے۔"

انبیاء علیہم السلام کا خواب "رویاءِ صادقہ" اور وحی الہٰی ہوتا ہے اس لیے ابراہیم علیہ السّلام رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ خدا کے حکم کی جلد سے جلد تعمیل کریں۔ مگر چونکہ یہ معاملہ تنہا اپنی ذات سے وابستہ نہ تھا بلکہ اس آزمائش کا دوسرا جزء وہ "بیٹا" تھا جس کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیئے باپ نے بیٹے کو اپنا خواب اور خدا کا حکم سنایا۔ بیٹا ابراہیمؑ جیسے مجددِ انبیاء و رسل کا بیٹا تھا فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور کہنے لگا کہ اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔ اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لیے جنگل روانہ ہو گئے۔ باپ نے بیٹے کی مرضی پا کر مذبوح جانور کی طرح ہاتھ پیر باندھے۔ چھری کو تیز کیا اور بیٹے کو پیشانی کے بل پچھاڑ کر ذبح کرنے لگے۔ فوراً خدا کی وحی ابراہیمؑ پر نازل ہوئی اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بیشک یہ بہت سخت اور کٹھن آزمائش تھی۔ اب لڑکے کو چھوڑ اور تیرے پاس جو یہ مینڈھا کھڑا ہے اُس کو بیٹے کے بدلے میں ذبح کر۔ ہم نیکو کاروں کو اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ ابراہیمؑ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس مینڈھے کو ذبح کیا۔

یہی وہ "قربانی" ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی مقبول ہوئی کہ بطورِ یادگار کے ہمیشہ کے لئے مِلّتِ ابراہیمی کا شعار قرار پائی اور آج بھی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو تمام دنیاءِ اسلام میں یہ "شعار" اسی طرح منایا جاتا ہے۔"

(قصص القرآن ج ۱)

۵۶۔ اِجتہاد :- معنے کوشش کرنا۔ دل سے سوچ کر کوئی بات عمدہ نکالنا۔ اجتہاد کا اصل مادہ ج۔ ہ۔ د ہے جس

کے معنیٰ لغوی اعتبار سے کوشش کرنا۔ محنت، مشقت کرنا" فقیہ کا شرعی احکام کو معلوم کرنے کے لیے نصوصِ شرعیہ میں انتہائی کوشش کرنا کہ اس کوشش کے علاوہ اور مزید کوشش کرنا حدِ امکان سے باہر ہو۔ اجتہاد ہر اُس حکم شرعی میں ہو سکتا ہے جس کی کوئی قطعی دلیل نہ ہو۔ لہٰذا ان متفقہ مسائل میں اجتہاد نہیں ہو سکتا جو قطعی دلائل سے ثابت ہو چکے ہوں۔ جیسے پنج گانہ نماز، زکوٰۃ وغیرہ۔

۵۷۔ ایک ہی امام کی تقلید کرنا: امام معنے پیشوا۔ ہادی = تقلید معنے کسی کی پیروی کرنا۔ یعنی ایک ہی پیشوا یا ہادی کی پیروی کرنا۔ "مجتہد تو بہت سے ہوئے صحابہ میں بھی تابعین میں بھی، پھر ائمہ اربعہ رح۔ امام ابو حنیفہ رح، امام مالک رح، امام شافعی رح، امام احمد رحمہم اللہ ہی کی تقلید کیوں کی جاتی ہے، کسی اور کی تقلید میں کیا مضائقہ ہے۔ حقیقت میں صحابہ کرام رض یقیناً ائمہ اربعہ سے بدرجہا افضل ہیں۔ ائمہ اربعہ کی تقلید کی وجہ یہ نہیں کہ اُن کو صحابہ کرام رض سے افضل تصور کیا جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقلید کے لیے ان مسائل کا معلوم ہونا ضروری ہے جن میں تقلید کی جاتی ہے اور آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر باب اور ہر فصل کے مسائل ائمہ اربعہ کے مذاہب میں مدوّن اور مجتمع ہیں اس طرح تفصیل کے ساتھ نہ صحابہ کرام رض میں سے کسی کا مذہب مدوّن ملتا ہے نہ تابعین میں سے نہ تبع تابعین میں سے اس لیے ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کو اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان چاروں کو قرآن وحدیث کا تفصیلی علم اور درایت و استنباط کی مہارت تامہ عطا فرمائی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رح نے شرح مؤطا ص۶ میں احادیث کی نشر واشاعت اور مدینہ طیبہ کی علمی مرکزیت کا حال تحریر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ "یہ چار امام ایسے ہیں کہ ان کا علم سارے علم کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ چار امام۔ امام ابو حنیفہ رح، امام مالک رح، امام شافعی رح، امام احمد رح ہیں۔"

قرونِ اولیٰ میں خیر کا غلبہ تھا۔ نفسانی خواہشوں کا عامۃ دین میں دخل نہیں

تھا۔ اس لئے جو شخص بھی اپنے جس بڑے سے مسئلہ دریافت کرتا نیک نیتی سے دریافت کرتا اور اس پر عمل کر لیتا تھا۔ چاہے نفس کے موافق ہو یا نہ ہو۔ مگر بعد کے دور میں یہ بات نہیں رہی بلکہ لوگوں میں ایسا داعیہ (خواہش کا طریقہ) پیدا ہونے لگا کہ ایک مسئلہ ایک عالم سے دریافت کیا۔ اس میں نفس کی تنگی محسوس ہوئی تو دوسرے سے دریافت کر لیا اس میں سہولت محسوس ہوئی تو بس اسی کو اختیار کر لیا۔"

(مذاہب ائمہ اربعہ رح)

۵۸۔ اعمال اور حکم رسول صلعم :-

اعمال جمع ہے عمل کی۔ حکم معنے فرمان۔ یعنی کام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو کوئی ایسا کام کرنے یا دین کی کوئی ایسی عبادت کرنے کا کبھی ایسا حکم نہیں دیا کرتے تھے جو وہ نہ کر سکیں یا اُن سے نہ ہو سکتا ہو۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے۔ "حضرت عائشہ رضہ کہتی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو (اعمال کا) حکم دیتے تو ایسے اعمال کا حکم دیتے جن کو وہ (ہمیشہ) کر سکیں (عبادات شاقہ کی ترغیب کبھی اُن کو نہ دیتے تھے تو ایک مرتبہ) صحابہ رضہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم آپ کے مثل نہیں ہیں۔ بے شک اللہ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں (لہذا ہم کو آپ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیئے) اس پر آپ غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرۂ مبارک میں غضب (کا اثر) ظاہر ہونے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا جاننے والا ہوں۔

۵۹۔ اہل مدینہ سے فریب کرنا :

معنے مدینہ والوں کے ساتھ دغا و مکر کرنا۔ مدینہ والوں کو دھوکا دینا۔ مدینۂ منورہ کی بزرگی اور حرمت کی بہت تاکید آئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو طابہ (پاک مقام) فرمایا ہے۔ حضرت ابو حمید رضہ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تبوک سے لوٹے اور جب مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ یہ "طابہ" ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت سے پہلے) فرمایا کہ مجھے ایک ایسی بستی میں جانے کا حکم ہوا ہے جو تمام بستیوں پر غالب ہے۔ اُس کو "یثرب" کہتے ہیں۔ وہ مدینہ ہے (بُرے) آدمیوں کو اس طرح نکال دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو نکال دیتی ہے۔ (بخاری اُردو ج ۱) ذرا غور کیجئے جب مدینہ منورہ کے متعلق اس قسم کی احادیث اُس کی حرمت کے بارے میں وارد ہیں تو اہلِ مدینہ کے ساتھ فریب یا برائی کرنا کس قدر بُرا ہوگا۔

ایک اور حدیث میں منقول ہے۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اہلِ مدینہ کے ساتھ برائی کرے گا وہ اس طرح گھُل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھُل جاتا ہے۔

۶۰۔ آنحضرت صلعم کا منبر شریف:

منبر معنے وہ جگہ جو مسجد میں داخل ہوتے وقت محراب کی داہنی جانب بنی ہوتی ہے۔ اس میں ایک اُوپر کا حصہ بیٹھنے کا بنا ہوتا ہے جس پر خطیب (خطبہ دینے والا) بیٹھتا ہے اور اس کے نیچے دو مزید سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں۔ جمعہ کی نماز سے پیشتر خطیب اس پر بیٹھ جاتا ہے اور اذان ہوتی ہے۔ جب مؤذن اذان کہہ لیتا ہے تو خطیب دوسری سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتا ہے اسی منبر کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا میرے مکان اور میرے منبر کے درمیان میں ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے، اور میرا منبر (قیامت کے دن) میرے حوض پر ہوگا۔" (صحیح بخاری اردو ج ۱)

۶۱۔ ایک جنّتی کا جنّت میں کھیتی کرنے کی اجازت طلب کرنا:

انسان اس دنیا میں کسی چیز سے سیر نہیں ہوتا۔ یہ اس کی فطرت ہے۔ اب

اسے شوق کہیئے یا انسان کی ہوس ۔ یہ خواہش نہ صرف اس فانی دنیا میں انسان کرتا ہے بلکہ جنت جیسی بے بہا اور بے مثل جگہ میں رہتے ہوئے بھی انسان ایسی ہی خواہش کرے گا اور اللہ تبارک و تعالےٰ جنت میں بھی ان جنتیوں کی طلب کو پورا فرمائیں گے جو نیک ہوں گی ۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یہ بیان فرما رہے تھے اور (اُس وقت) آپؐ کے پاس ایک گاؤں کا آدمی بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص اہلِ جنت میں سے اپنے پروردگار سے کھیتی کرنے کی اجازت طلب کرے گا تو اللہ تعالےٰ اُس سے فرمائے گا کہ کیا تو جس حالت میں ہے اس میں خوش نہیں ہے ؟ وہ عرض کرے گا کہ ہاں خوش تو ہوں لیکن میں چاہتا ہوں کہ کھیتی کروں ۔ آپ نے فرمایا کہ، پھر وہ بیج بوئے گا تو اُس کا اُگنا اور بڑھنا اور کٹنا ایک جھپکنے سے پہلے ہو جائے گا اور اُس کی پیداوار کے ڈھیر پہاڑوں کے برابر ہو جائیں گے ۔ تب اللہ فرمائے گا کہ اے ابنِ آدم تجھے کسی چیز سے سیری نہیں ہوتی ۔ تو وہ اعرابی کہنے لگا کہ یا رسول اللہؐ آپؐ ایسا شخص کسی قریشی یا انصاری کو پائیں گے ۔ اس لیے کہ وہی لوگ کاشتکار ہیں اور ہم تو کاشتکار نہیں ہیں ۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے ۔" (صحیح بخاری اُردو)

۶۲ ۔ ابتلاء و آزمائش :-

اِبتلاء معنے آزمانا ۔ آزمائش میں مبتلا ہونا ۔
آزمائش معنے پرکھنا ۔ امتحان ۔ یعنی آزمانا اور امتحان لینا ۔ امتحان تو ایک بہت بڑی آزمائش ہے جو نبیوںؑ کے ساتھ وابستہ ہے عام انسان اس کے قابل نہیں ہے ۔ یہ تو آزمائش کے بھی لائق نہیں ہے ۔ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اپنے نبیوں کا امتحان لیا ہے ۔ وہ (خدا) اپنے نیک بندوں کی بھی آزمائش کرتا ہے ۔ بہر صورت ابتلاء و آزمائش ۔ مصیبت و ہلاکت کی شکل میں ہو یا دولت و ثروت اور خواہشات نفسانی کے خوبصورت اسباب کی صورت میں، ہر حالت میں انسان کو خدائے تعالیٰ کی جانب ہی رجوع

رہنا چاہیئے۔ اور اسی سے التجا کرنی چاہیئے کہ وہ امرِ حق پر ثابت قدم رکھے، اور استقامت بخشے۔" اللہ جلّ شانہٗ ہمیں اور آپ سب کو امرِ حق پر ثابت قدم رکھے۔ آمین۔ (قصص القرآن ج ۱)

۶۳۔ اخلاق حسنہ یا شکر:- اَخلاقِ حسنہ معنے بھلائی کے طریقے، آداب۔ شُکر معنے دینے والے کی تعریف کرنا۔

اسلام نے جتنے بھی طریقے بتائے ہیں اور تعلیم دی ہے وہ سب بھلائی اور آداب کے طریقے ہیں۔ اصل میں انسان وہی کہلانے کا مستحق ہے جو اچھے اور بھلائی والے طریقوں سے ایک دوسرے کے ساتھ پیش آوے۔

"اخلاقِ حسنہ میں "شُکر" بھی بہترین خُلق ہے اس لیئے کہ یہ اخلاق الٰہیہ میں سے بہت بلند خلق ہے۔ قرآن عزیز میں ہے " واللہ شکورٌ حلیمٌ " انسانی اوصاف میں "شکر" ایسی عفت کا نام ہے جس کے ذریعہ منعمِ حقیقی کی نعمت کا اعتراف کیا جائے، اور اس پر مسرت و شادمانی کا اظہار ہو۔ اور اس کو محسن و منعم کے مرغوب اور پسندیدہ طریقہ پر استعمال کیا جائے۔ قرآن عزیز میں ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝ (البقرہ)

ترجمہ: پس تم مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرو، اور ناشکری نہ کرو۔

مَا يَفْعَلُ اللهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ۔ (النساء) ترجمہ:۔ اللہ تم پر عذاب نہ لائے گا، اگر تم اُس کے شکر گزار اور اُس پر ایمان والے رہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ (ابراہیم) ترجمہ:۔ اگر تم شکر گذار ہو تو ہم (تمھاری نعمتوں میں) اضافہ کرتے رہیں گے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ انسان دنیا میں حقیقی شکر گذار اور سپاس گذار بہت ہی کم ہیں۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔ (سبا) ترجمہ۔ اور میرے بندوں میں حقیقی شکر گذار بہت کم ہیں۔" (قصص القرآن ج ۱)

امّت معنے ایک گروہ

۶۴۔ اُمّتِ اجابت اور اُمّتِ دعوت :۔

جو تابع کسی کا ہو جیسے مسلمان، نصاریٰ، یہود ...... اِجابت معنے ماننا، دَعْوَتْ معنے کسی شخص کو بلانا۔ کھانے پر یا کسی کام پر۔ یعنی وہ لوگ جو کسی نبیؑ کے تابع ہو چکے ہوں۔ اُس کے لائے ہوئے دین کو قبول کر چکے ہوں اور وہ لوگ جن کو کوئی نبی اپنے دین کی طرف اُس پر ایمان لانے کو بلا رہا ہو۔ "ہر ایک نبی اپنی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ قوم مسلمان ہو کر اس کی اطاعت گذار ثابت ہو یا انکار کر کے متمرّد و منحرف (نا فرمان و پھرا ہوا) دونوں صورتوں میں وہ اس کی "امت" میں داخل ہے۔ اگرچہ پہلی اُمّت "اُمّتِ اجابت" ہے اور دوسری "اُمّتِ دعوت" اور اس لیے تمام اُمّت اس کی اولاد ہوتی ہے اور نبی اور رسول اس کا روحانی باپ۔" (قصص القرآن ج ۱)

۶۵۔ اسلامی فقہ کا بُنیادی اُصُول :۔

فقہ معنی احکام شریعت + اُصول جمع ہے اصل کی بمعنی قاعدے۔ قانون۔

قرآن کریم نے انسانی اعمال کو دو اصطلاحوں سے تعبیر فرمایا ہے۔ پہلی اصطلاح معروف اور دوسری اصطلاح منکر ہے۔ اگر وہ اعمال قرآن و سنّت کی ہدایت کے مطابق ہیں تو یہ معروف اور اگر وہ اس ہدایت کے خلاف ہوں گے تو منکر کی فہرست میں آئیں گے۔

قرآن کریم نے اس اصول کی رہنمائی کی ہے : یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحلّ لھم الطیّبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث۔ ترجمہ :۔ وہ ان کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں اور ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان کے لیے ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

اس امت کی ذمّہ داری اور فریضہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے :۔

کنتم خیر امّۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون

عن المنکر۔ الآیۃ ترجمہ:۔ تم بہترین جماعت ہو جو کہ انسان کی بھلائی کے لیے مامور کی گئی کہ معروف کا حکم کرو اور منکر سے باز رکھو۔

قرآن کی یہ اصطلاح "معروف و منکر" بہت وسیع ہے۔ جو کہ ہر خیر، مفید، کار آمد اور پسندیدہ چیز خیر کے مفہوم اور اس کے بالمقابل ہر شر، ناپسندیدہ چیز منکر میں داخل ہے۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:۔ والمعروف ماحسنۃ الشرع والعقل (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۸) ترجمہ:۔ یعنی معروف ہر وہ شے ہے کہ جس کو شریعت اور عقل نے حَسَن (یعنی عمدہ) کہا ہو۔ (مشکوٰۃ الانوار شرح نور الانوار)

۶۶۔ اِسرائیل:۔ معنے نام ہے پیغمبر یعقوب علیہ السّلام کا۔ اصلی معنی اس کے مقبولِ خدا، بندۂ خدا۔

"حضرت یعقوب کا نام عبرانی زبان میں اسرائیل ہے، یہ اِسْرا (عبد) اور اِیل (اللہ) دو لفظوں سے مرکب ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ "عبداللہ" کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا وہ اسحاقی خاندان جو ان کی نسل سے ہے اسی لیے بنی اسرائیل کہلاتا ہے اور آج بھی یہود و نصارٰی کے قدیم خاندان اُسی نسبت کے ساتھ منسوب ہیں"۔

۶۷۔ ایمان باللہ:۔ معنے اللہ اور صرف اللہ کو واحد و لاشریک جان کر اُس پر ایمان لانا + مذہب اسلام نے ایمان کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ "جس نے اپنا قلب پاک بنا لیا ہے وہی فلاح کو پہنچا" اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "طہارتِ نفس ایمان ہے۔" کیونکہ ایمان کے دو جزو ہیں یعنی قلب کا ان نجاستوں سے پاک کرنا جو حق تعالٰی کو ناپسند ہیں اور اُن خوبیوں سے آراستہ کرنا جو اللہ پاک کو پسند اور محبوب ہیں۔ (۱) گویا نجاست سے طہارت کرنا ایمان کا ایک جزو ہے۔ (۲) اور طاعت سے زینت و آرائش اس کا دوسرا ٹکڑا ہے۔

"اگر کسی شخص میں ایمانِ باللہ مستقیم و مستحکم (راست و مضبوط) ہو، اور اُس پر اس کا یقین راسخ (اُستوار، محکم) اور مضبوط ہو تو پھر اس راہ کی تمام

صعُوبتیں (سختیاں، دشواریاں) اور مشکلات اس پر آسان بلکہ آسان تر ہو جاتی ہیں اور رُوئیتِ حق (یعنی حق کو جاننے) کے بعد تمام خطرات اور مصائب ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں۔"

۶۸۔ **آیات اللہ :۔** معنے اللہ تعالےٰ کے وہ نشانات یعنی معجزات جو اُس نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے۔

ہم یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تسع آیات (یعنی نَو نشانات) کا ذکر کر رہے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی صداقت کے لیے عطا فرمائے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول ہے کہ تسع آیات سے "آیات اللہ" مراد ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

عصا[1]۔ ید بیضا[2]۔ سنین[3] (قحط)، نقصِ ثمرات[4] (پھلوں کا نقصان) طوفان[5]۔ جراد[6] (ٹڈی دل)، قُمّل[7] (جوں)، ضفادع[8] (مینڈک) دم[9] (خون)۔ (مفسرین کہتے ہیں کہ جوں اور مینڈک کے عذاب کی صورت یہ تھی کہ برتنے، کھانے پینے اور رہنے سہنے کی کوئی شے اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جس کو ان دونوں نے فاسد اور خراب نہ کر دیا ہو۔ اور زندگی تلخ نہ کر دی ہو اور خون کے عذاب کی شکل یہ تھی کہ قلزم اور کنوؤں کا تمام پانی خون آلود ہو گیا تھا جس کو کسی حالت میں پیا نہ جا سکتا تھا۔)

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کی اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس قدر بھی آیات (معجزات) عطا کیے گئے۔ ایک حصہ بحرِ قلزم کے عبور سے قبل اور دوسرا حصہ عبور کے بعد سے متعلق ہے۔ اور پہلے حصہ کا تعلق اُن تمام واقعات سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان پیش آئے۔ اور معرکۂ حق و باطل کا باعث بنے اور یہ نَو ہیں، ان میں سے عصا، اور یدِ بیضا آیاتِ کبریٰ ہیں اور باقی سات "آیاتِ عذاب" ہیں جس نے فرعون اور اہلِ مصر (قبطیوں) کی زندگی تنگ کر دی تھی۔"

(قصص القرآن ج ۱۔ اختصار کے ساتھ ماخوذ)

۶۹- اسرائیلیات :- معنے قابلِ انکار باتیں اور واقعی و غیر واقعی اور تحریف شدہ و مسخ شدہ ہر قسم کے واقعات۔

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موسومہ "قصص القرآن" حصہ دوم ص۱۵۲ پر رقم طراز ہیں کہ "قصص القرآن میں واقعات کی تحقیق کے سلسلہ میں بار بار یہ کہا جاتا رہا ہے کہ فلاں روایت صحیح ہے اور فلاں اسرائیلی روایت ہے تو اسرائیلیات سے کیا مراد ہے یہ بات قابلِ وضاحت ہے۔

بنی اسرائیل کی روایات کا مدار بیشتر توراۃ پر ہے۔ عبرانی زبان میں توراۃ کے معنی "شریعت" کے ہیں۔ اس لیے اس کا عمومی اطلاق سِفرِ تکوین (پیدائش) سِفرِ خروج، سِفرِ احبار، سِفرِ عدد، سِفرِ استثنا پر ہوتا ہے۔ توراۃ کے علاوہ دوسرا سلسلہ نبیّیم ہے۔ یہ عبرانی قاعدۂ لغت کے اعتبار سے "نبی" کی جمع ہے۔ عبرانی میں "ی" اور "م" اضافہ کرکے جمع بناتے ہیں۔ یہ بنی اسرائیل کے انبیاء کے مواعظ، مراثی اور بنی اسرائیل کے کلام اور مختصر تاریخ کا ذخیرہ ہے۔ جن میں سِفرِ یوشع۔ سِفرِ القضاۃ، سِفرِ سموئیل، سِفرِ ایام۔ سِفرِ ملوک خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ آج کل نبیّیم بھی توراۃ کا ہی حصہ شمار ہوتا ہے۔ تیسرا حصہ ترگوم ہے۔ عبرانی زبان میں "ترجمہ" کو کہتے ہیں۔ یہودی علماء نے توراۃ اور نبیّیم کی آرامی زبان میں تفسیر کی ہے۔ جس کے متعلق اُن کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے یہ تفسیر انبیاء علیہم السلام سے سُنی ہے۔ چوتھا حصہ مدراشن ہے۔ اس کی حیثیت یہود کے یہاں وہ ہے جو اسلام میں حدیث کا درجہ ہے۔ پانچواں حصہ تالمود ہے یہ بنی اسرائیل کا فقہ ہے اور ان سب کے علاوہ بعض وہ قصص و حکایات ہیں جن کو یہود سینہ بہ سینہ اپنی یادداشت سے مذہبی نقول کی طرح نقل اور بیان کرتے چلے آتے ہیں۔

یہود کے سلسلۂ روایات کی یہ تمام اقسام وہ ہیں جو اسرائیلیات کہلاتی ہیں اور ان میں سے بعض روایات اُن علماء یہود کے ذریعہ جو مشرف باسلام

ہو گئے، تھے مسلمانوں میں بھی نقل ہو کر مشہور ہو گئیں اور اس لیے ہمیشہ علمار محققین کا مقدس گروہ ان پر تنبیہہ کرتا اور ان سے اسلامی روایات کو پاک کرتا چلا آتا ہے اور صرف اُن ہی روایات کے ذکر سے چشم پوشی کرتا ہے جو قرآنِ عزیز اور صحیح احادیث کے مضامین کی تائید کرتی ہیں۔" لہٰذا سمجھ لینا چاہیے کہ یہودیوں کی مسخ شدہ روایات کو اسرائیلیات کہتے ہیں

۷۰۔ اُنس:- معنے محبت، پیار + قال اللہ تعالیٰ۔ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الآیہ) ترجمہ: فرمایا اللہ تعالیٰ نے وہ ایسا ایسا ہے کہ اُتارا تسکین اور اطمینان کو مومنین کے دلوں میں +

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لا یقعد قوم یذکرون اللہ الاحفتهم الملائکۃ وغشیتهم الرحمۃ ونزلت علیهم السکینۃ وذکرهم اللہ فیمن عندہ۔ (رواہ مسلم) ترجمہ:۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ نہیں بیٹھتے ہیں لوگ کہ ذکر کرتے ہیں اللہ کا مگر گھیر لیتے ہیں اُن کو ملائکہ، رحمت اور ڈھانپ لیتے ہیں اُن کو رحمت خداوندی اور اُترتی ہے اُن پر تسکین اور اطمینان اور یاد کرتا ہے اُن کو اِن میں جو اُس کے پاس ہیں یعنی ملائکہ کی جماعت میں۔

اُنس کیونکہ یہ آثار محبت سے ہے اگر وجوہ معلومہ پر نظر واقع ہو کر اس پر فرح و سرور (خوشی و شادمانی) ہو اس کو اُنس کہتے ہیں۔ یہ فرحت کبھی یہاں تک غلبہ کرتی ہے کہ مطلوب کے صفات جلال پیشِ نظر رہتے ہیں اور اس وجہ سے اس کے اقوال و افعال میں کسی قدر بے تکلفی ہونے لگتی ہے اس کو انبساط اور اِدلال کہتے ہیں۔ اِدلال یعنی ناز کرنا۔ (تعلیم الدین)

۷۱۔ اقسامِ اَولیاء:- اقسام جمع ہے قسم کی۔ اَولیاء جمع ہے ولی کی۔ یعنی ولیوں کی قسمیں۔

اقسام اولیاء میں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں خلاصہ یہ کہ وہ سب بارہ ۱۲ گروہ ہیں۔ اقطاب ۱، غوث ۲، امامین ۳، اوتاد ۴، ابدال ۵، اخیار ۶، ابرار ۷، نقباء ۸، نجباء ۹، عمد ۱۰،

مکتوماں، مفرداں + قطب عالم ایک ہوتا ہے۔ اس کو قطب عالم و قطب اکبر و قطب الارشاد و قطب الاقطاب و قطب المدار بھی کہتے ہیں اور عالم غیب میں اس کا نام عبداللہ ہوتا ہے۔ اس کے دو وزیر ہوتے ہیں جو امامین کہلاتے ہیں۔ وزیر یمین (داہنا)، کا نام عبدالملک وزیر یسار (بائیں)، کا نام عبدالرب ہوتا ہے اور بارہ قطب اور ہوتے ہیں۔ سات تو سات اقلیم میں رہتے ہیں ان کو قطب اقلیم کہتے ہیں اور پانچ یمن میں ان کو قطب ولایت کہتے ہیں یہ عدد تو اقطاب معیّنہ کا ہے اور غیر معیّن ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک قطب ہوتا ہے، غوث ایک ہوتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ وہ اور ہوتا ہے اور وہ مکہ میں رہتا ہے۔ بعض نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ اوتاد چار ہوتے ہیں۔ عالم کے چار رکن میں رہتے ہیں۔ ابدال چالیس ہوتے ہیں۔ بائیس یا بارہ شام میں اور اٹھارہ یا اٹھائیس عراق میں رہتے ہیں۔ اخیار پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں اور ان کو ایک جگہ قرار نہیں سیاح ہوتے ہیں ان کا نام حسین ہوتا ہے اور ابرار اور اکثر نے انھیں کو ابدال کہا ہے۔ نقباء تین سو ہوتے ہیں ملک عرب میں رہتے ہیں سب کا نام علی ہوتا ہے۔ نجباء ستر ہوتے ہیں اور مصر میں رہتے ہیں سب کا نام حسن ہوتا ہے۔ عمد چار ہوتے ہیں زمین کے چاروں گوشوں میں رہتے ہیں سب کا نام محمد ہوتا ہے اور غوث ترقی کر کے فرد ہو جاتا ہے اور فرد ترقی کر کے قطب وحدت ہو جاتا ہے اور مکتوم تو مکتوم ہی ہیں۔"

(تعلیم الدین۔ از حضرت تھانویؒ)

۷۔ اندھا وہ ہے جس کا دل اندھا ہے:۔

معنے آنکھیں ہوتے ہوئے حقیقت کو چھپانا دل کا اندھا پن ہے۔ اس عنوان سے یہی مراد ہے کہ جو آنکھوں والے ہیں اور ان کی آنکھوں کی بینائی تندرست ہے تو وہ اپنی تندرست آنکھوں سے جو حقیقتِ حال دیکھتے ہیں اس کی سچائی کو دل میں چھپا لیتے ہیں حق کو حق نہیں جانتے بلکہ غلط سلط تاویلات یعنی کسی چیز کو ظاہر سے پھیرنا اور اس کے اور ہی معنی بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کی

آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل کے اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔ باری تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ (رج ۶) ترجمہ: بات یہ ہے کہ (نہ سمجھنے والوں کی کچھ) آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔

۴۳۔ ایمان ہی ہر اعلیٰ منزل کا ذریعہ ہے:-

ایمان معنے دل سے خدا پر یقین لانا۔ اعلیٰ معنے بہت بلند۔ ذریعہ معنے واسطہ، وسیلہ۔ یعنی خدا کو واحد ولاشریک مان کر، دل سے یقین کر کے ہی ہر بلند درجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ دنیا و آخرت کی بھلائی ایمان دار ہی کے پیشِ نظر رہتی ہے۔ وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرتا ہے کہ جو مخلوقِ خدا کے لیے تکلیف دہ ہو۔ دنیا کی ہر چیز اس کی نظر میں ہیچ ہوتی ہے، آخرت کا طلب گار رہتا ہے۔ اسی لیے ہر مظلوم کی مدد کرنا اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکنے کی سعی کرتا ہے۔ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے اعمالِ صالحہ پر عمل کرتا رہتا ہے۔ اپنے کو سب سے کم تر اور دوسروں کو ذی عزت سمجھتا ہے۔ کسی سے کوئی حقارت نہیں کرتا ہے۔ عبادات و ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے، لایعنی باتوں سے پرہیز کرتا ہے۔ حلال کمائی کی طرف رغبت رہتی ہے اور اسی پر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ حرام یافت سے بچتا ہے اور اسے بُرا سمجھتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالےٰ ایمانداروں کے متعلق اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے جو رحمۃ اللعالمین جلد اول ص ۳۲۴ پر نقل کیا گیا ہے۔ "وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝" (آل عمران ع ۱۴)

ترجمہ: اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھو، اور رنجیدہ نہ ہو، تم ہی سب سے برتر ہو گے اگر تم ایمان دار ہو۔

۴۴۔ اللہ کے ہاں بہتر اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں کن لوگوں کیلیے ہیں:-

بہتر معنے بہت اچھی

چیز + نعمتیں جمع ہے نِعْمَتْ کی معنے بخشش، عطا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت اچھی اور ہمیشگی والی بخششیں کون لوگ پائیں گے۔

وَمَاعِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ (الشوریٰ ۴۲) ترجمہ:۔ بہتر اور باقی رہنے والا اجر اُن لوگوں کے لیے ہے (۱) جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔ (۲) جو لوگ بڑے بڑے گناہوں بے حیائی اور فحش سے پرہیز کرتے ہیں۔ (۳) اور جب انھیں غصہ آتا ہے تو درگذر کیا کرتے ہیں (۴) اور جو اپنے پروردگار کے حکموں کو قبول کر لیتے ہیں (۵) اور جو نماز کو قائم رکھتے ہیں (۶) اور جن کا کام باہمی شوریٰ پر ہے۔ (۷) اور جو اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں، (۸) اور جو دوسرے کی طرف سے زیادہ (حملہ) ہونے پر (صرف) اپنا بدلہ لیتے ہیں، اور بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے (۹) "اجو (دوسروں کی زیادتی) معاف کرے اور اس سے نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کی قدرت میں ہے۔ اللہ تو ظلم کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (۱۰) (تاہم) جو کوئی (دوسرے سے) ظلم کا بدلہ لیتا ہے اس پر کچھ الزام نہیں (۱۱) الزام تو ان لوگوں پر ہے جو نسل انسانی پر ظلم کرتے اور ملک میں ناروا بغاوت پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے (۱۲) جو شخص (دوسرے کی زیادتی پر صبر کرتا، اُسے معاف کر دیتا ہے) تو یہ بات بڑی بلند ہمتی کی ہے (رحمۃ اللعالمین ج ۱)

۷۵۔ اِختلاف:۔

لغوی مفہوم (اختلاف) معاملہ یا گفتگو میں وہ طریق کار اختیار کرنا جو دوسرے کا نہ ہو۔ مخالفت کرنا۔ ہر یکساں حالت کے بعد جب اس کے خلاف کوئی دوسری حالت رونما ہوتی ہے تو اس کا نام ہم اختلاف رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مثلاً:

(۱) ولہٗ اختلاف اللیل والنّھار.... شب و روز کا یہ اختلاف اللہ تعالیٰ ہی کا تصرف ہے۔

(۲) اختلاف السنتکم والوانکم.... تمہاری زبان اور رنگوں کا اختلاف۔

آفاق وانفس (آفاق جمع ہے افق کی ۔کنارے آسمان کے۔ اصطلاح میں دنیا کے لیے بھی بولا جاتا ہے)، کا یہ اختلاف دیکھ کر صاف طور پر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ افتراق واختلاف اس جہاں کی فطرت ہے اور اسی پر اس کی آبادی کا مدار ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ہمارا مقصد مذکورہ شواہد کے بیان کرنے سے لفظ اختلاف کا استعمال (اپنے معنیٰ اور مفہوم لغوی میں) کیا مفہوم لیے ہوئے ہے؟ اس کو واضح کرنا ہے۔

اختلاف کا شرعی مفہوم:۔ جس اختلاف کو ہم نے موضوع بحث بنایا ہے (یعنی عنوان قائم کیا ہے) اس سے مراد، وہ اختلاف ہے، جس کے نتیجے میں فقہی مذاہب وجود میں آئے۔ جس کا شرعی مفہوم یہ ہے۔ اہل اجتہاد کا دلائل شرعیہ میں سے کسی دلیل کی بنیاد پر اختلاف رائے کرنا۔ اور یہ اختلاف جزئیات اور فروعات (فقہ)، میں ہوگا۔ اور فروعی اختلاف درحقیقت اختلاف نہیں ہوتا۔ جس پر یہ آیت شاہد ہے۔ سورۂ شوریٰ میں ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۔ ترجمہ: اللہ تعالےٰ نے تمھارے لیے دین میں ان ہی باتوں کی راہ ڈالی ہے جن کا حضرت نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جو حکم کہ ہم نے آپؐ پر بھیجا اور حضرت ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا۔ یعنی یہ کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں اختلاف نہ ڈالو۔

باوجودیکہ ان انبیاء کرام کی شریعتوں میں کافی اختلاف رہا۔ مگر اس کے باوجود قرآن کریم نے اس کو ایک ہی دین قرار دیا ہے اور شرائع کے باہمی فروعی اختلافات کو "وحدتِ دین" کے خلاف نہیں سمجھا۔ قرآن کریم میں اس نوع (قسم) کی متعدد آیات ہیں جن میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ "انبیاء کرام کی شرائع میں فروعی اختلاف وحدتِ اُمّت اور وحدتِ دین کے منافی نہیں۔" (مذاہب ائمہ اربعہ ج جلد ۱)

۷۶۔ اجماع:۔ معنے اکٹھے ہونا۔ سب کی رائے ایک بات پر ہو جانا۔
"اسلامی فقہ" کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کی حقیقت اور تعریف۔ لغتِ عرب میں ہے۔ الاجماع۔ "یعنی العزم والاتفاق"۔ عزم کرنا۔ اتفاق کرنا۔ قرآنِ کریم میں ہے:۔ قال تعالیٰ۔ فَاجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ ...... ای اعزموا یعنی تم اپنی بات پر عزم کر لو (کہ طے کر لو)

فقہاء کرام کی اصطلاح میں "اجماع" کی تعریف یہ ہے ــــ وھو اتفاق اھل الحل والعقد من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ امرٍ من الامور = رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ارباب حل و عقد کا کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا اجماع ہے۔

تعریف کے مختصر الفاظ یہ بھی منقول ہیں......

اتفاق جمیع المجتہدین الصالحین من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عصرٍ علی واقعۃٍ....... تمام صاحب اجتہاد علماء کا (جو کہ صالح اور متقی ہوں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کسی زمانہ پر کسی واقعہ پر اتفاق کر لینا۔

ان عبارات کا حاصل یہی ہوا کہ کسی حکم یا واقعہ پر تمام مجتہدین کا تحقیق کے بعد اتفاق ہو جائے۔ یہ اتفاق ارادۃً ہوا ہو یا بلا ارادہ۔ کہ ہر مجتہد اپنی نظر و فکر کے بعد وہی رائے قائم کرتا ہے جس کو دوسروں نے بیان کیا۔

اہلِ سنت والجماعت اور عامۃ الامت کا اس پر اتفاق ہے کہ "اجماع" شرعی حجت۔ اور قانونِ "اسلام" کے لیے ماخذ ہے۔" (ماخوذ از مشکوٰۃ الانوار اختصار کیا تھ)

۷۷۔ احقافِ عرب:۔ یعنی عرب کا لامتناہی ریگستان۔
ارض القرآن میں ایک ایسے ریگستان کا ذکر کیا گیا ہے جو نہایت عظیم الشان ہے۔ ہم اپنے معزز ناظرین کے لیے حسبِ ذیل اُسی ریگستان موسومہ "احقافِ عرب" کا ذکر کریں گے۔ مطالعہ فرمائیے۔ پیش نظر ہے:

"دوسرے ملکوں میں پانی کا دریا ہے۔ جس میں کبھی کبھی طوفان آتا ہے۔ عرب اور افریقہ میں ریگستان کا دریا ہے۔ کوسوں تک ریگستان ہے۔ "احقاف" وہ عظیم الشان ریگستان ہے جو سینکڑوں میل تک وسیع ہے۔ اور اب اس کو الربع الخالی کہتے ہیں۔ اس میں جب تیز ہوا چلتی ہے زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ ریگ کے پہاڑ کے پہاڑ ہوا پر اڑتے پھرتے ہیں۔ اور جہاں وہ تھمتے ہیں اُس کو دبا کر دفن کر دیتے ہیں۔ قافلہ کا قافلہ، گاؤں کے گاؤں اس کے نیچے دب کر موت سے پہلے مدفون ہو جاتے ہیں۔ پھر اتفاق سے جب یہاں سے ریگ ہٹتی ہے تو ہڈیوں کا قلعہ نظر آتا ہے۔ انگریز سیاح نامی پالگریو اپنے سیاحت نامۂ عرب میں یوں بیان کرتا ہے کہ "دوپہر تھی۔ جنوب کی طرف سے دفعتاً لُو کے جھونکے آنے لگے۔ ہوا کی تیزی رفتہ رفتہ بڑھتی گئی۔...... میرے عرب رفیق نے اپنے چہرہ کو کپڑے سے لپیٹ لیا اور اونٹوں کو مار مار کر تیز کرنے لگے، لیکن اونٹ بار بار بیٹھ جانے کی کوشش کرتے تھے۔ میں نے رفیقوں سے واقعہ دریافت کیا۔ لیکن نہایت گھبراہٹ کے ساتھ صرف یہ کہا کہ "سامنے کے خیمے میں اگر ہم پہنچ گئے تو جان بچ جائے گی"۔ اس اثنا میں ہوا اور زیادہ تند و تیز ہو گئی۔ گرمی کی یہ شدت ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان سے دوزخ اُتر آئی ہے۔ بالآخر کوشش کر کے ہم خیمے تک پہنچے۔ وہاں ایک عورت منہ لپیٹے اوندھی پڑی تھی۔ ہمارے اونٹ ہوا کے رُخ سے منہ پھیر کر ناک کو ریت میں گاڑ کر مُردے کی طرح پڑ گئے۔

ہم بھی خیمہ میں جا کر منہ لپیٹ کر اوندھے پڑ گئے۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ رات معلوم ہوتی تھی۔ دس منٹ تک تقریباً یہی حالت رہی۔ پھر ہوا اور گرمی میں تخفیف ہوئی۔ جب ہم اٹھے تو ہمارے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ یہ ملک عرب کی باد سموم ہے۔" ہمیں اس واقعہ کو لکھ کر نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم یعنی اس سرزمین پر رہنے والے جو اس طرف آباد ہیں، کتنے بے خبر اور لاپرواہ ہیں کہ کبھی بھولے سے بھی اپنے خالق و مالک کا شکر ادا نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو ایسی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اور آپ سب ہی اس کی بخشی ہوئی سہولتوں اور نعمتوں کا شکر ادا کیا کریں کہ اُس خالق مطلق نے ہمیں ایسی آفتوں سے بچا رکھا ہے۔ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ اُن پر بھی رحم فرمائے اور ہم پر بھی۔ آمین۔

۷۸۔ اِنسان یا انسانیت:۔ معنے آدمی اور آدمیت۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے اس کے ہر کام و ارادہ کا نیکی اور شرافت سے بھرپور ہونا چاہیئے۔ یہی اس کا شرف ہے۔ ہم نے اپنی کتاب میں اسی لیے اپنے معزز ناظرین کے مطالعہ شوق کے لیے اس عنوان یعنی انسان یا انسانیت کو قائم کیا ہے۔

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ہم یہاں پر ترجمہ پر اکتفا (کفایت) کریں گے۔ "وہی ہے جو انسانوں کی صورتیں ارحام میں اپنے منشاء کے موافق بناتا ہے۔" انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے لیے تھوڑا سا دودھ اور کپڑے کا ایک ٹکڑا کافی ہوتا ہے لیکن جوں جوں یہ بڑھتا ہے یہ دنیا کی وسعتوں کو بھی تنگ محسوس کرنے لگتا ہے۔

یہ مسلم امر ہے کہ انسان نام ہے روح و جسم کے مجموعہ کا۔ جسم کی ضروریات، جسمانی اور مادی اشیاء سے پوری ہو جاتی ہیں۔ جن اشیاء پر ترفّہ (آسودگی) اور عیش آسودگی و آرام، ناز و نعمت اور شادمانی و مسرت کے نام اہل دنیا استعمال کرتے ہیں۔ یہ جملہ اشیاء جسمانی ہوتی ہیں اور ان کے استعمال سے جو التذاذ (مزہ) حاصل ہوتا ہے وہ بھی مادیت کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔

لہٰذا قابلِ غور یہ رہ جاتا ہے کہ روح کی شادمانی و مسرت کی اشیاء کیا ہیں اور کیونکر حاصل کی جا سکتی ہیں؟ حدیث پاک میں روحانیت کی تعلیم کو "الاحسان" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس مشہور و متواتر حدیث میں جسے ابوہریرہؓ سے صحیحین نے اور عمر فاروقؓ سے صحیح مسلم نے روایت کیا ہے اس لفظ کے معنی یہ بتلائے گئے ہیں۔

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ ترجمہ:

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے۔ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے یا پھر اس طرح کہ اگر تو اُسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس حدیث پاک میں دو مقامات کا ذکر فرمایا گیا + ایک یہ کہ انسان خود کو ایسے مقامات پر پہنچائے کہ منظورِ نظرِ رحمت بن جائے + دوسرا بلند تر مقام یہ ہے کہ اس مقام پر تمکن (جگہ) حاصل کرے کہ انوارِ عرفان کا ناظر ہو جائے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ روحانیت کا مقصود یہ ہے کہ رابطۂ قلب اور نسبت روح ربّ العالمین کے ساتھ درست اور صحیح ہو جائے اور اس مقصود کے حصول کا ذریعہ "بندگی" ہے۔

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ۔ حقوق الٰہی کا غصب کرنا۔ اور اُن حقوق کا استعمال دوسرے کے لیئے جائز سمجھنا بزرگ ترین ظلم ہے۔ (قرآن کریم) یعنی یہ تاثرات ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔ جیسے خوشنودی کے مقام پر خفگی + سخاوت کے مقام پر بخل + بخل کے مقام پر بذل (بخشش) نرمی کے مقام پر سختی + سختی کے مقام پر نرمی + مقام انکسار پر تکبر + اور مقام وقار پر انکسار۔ یعنی حقوق کا غلط استعمال پر دعویٰ استحقاق۔

انسان کی انسانیت کا دارومدار اخلاق محمودہ پر ہے۔ اسی لیئے اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے چار ہیں۔ (۱) صبر (۲) عفت (۳) شجاعت (۴) عدل۔

(۱) صبر :- صبر کے نتائج ہیں۔ برداشتِ مصائب۔ غصہ پی جانا۔ عدم ایذا دہی۔ بردباری۔ خاکساری۔ گھبراہٹ کا نہ ہونا۔ حملہ نہ کرنا۔

(۲) عفت :- عفت کے نتائج ہیں۔ رذائل و قبائح سے اجتناب، قولاً و فعلاً پاکیزگی۔ عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر ایک خلق پر نیک ہے + عفت سے جھوٹ، بخل اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔

(۳) شجاعت :- شجاعت کے نتائج ہیں۔ آپ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، بہترین اخلاق کا جویا رہنا، مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا، طیش و غضب سے

دور رہنا، اپنے نفس کی باگ کو عقل کے سپرد کرنا۔

(۴) عدل :- عدل کے نتائج ہیں۔ اعتدال اخلاق اور افراط و تفریط کو چھوڑکر وسط کو اختیار کر لینا۔ عدل بتاتا ہے کہ جود و سخا اُسے کہتے ہیں جو بخل و اسراف کے درمیان ہو + عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو ذلت و بے شرمی کا میانہ ہو۔

تصریحاتِ بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ کے بیان میں کس قدر زیادہ حصہ لیا ہے۔ قرآن پاک میں ہے : خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (اعراف) ترجمہ: معافی و درگذر کو عادت بناؤ۔ نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منھ پھیر لو۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۴)

۷۹۔ اجازت جہاد کا پہلا حکم :- جہاد معنے خدا کی راہ میں کافروں سے لڑنا......

"اب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ اسلام کو جنگ سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ لفظ اسلام کا مادہ سلم ہے جس کے معنی صلح اور فروتنی کے ہیں۔ جو مذہب دنیا کے لیے صلح کا پیغام لے کر آیا ہو۔ جس مذہب کے پیرو ایمانداروں کو منکسر (انکسار) اور متواضع رہنے کا حکم ہو وہ کیوں جنگ کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے چپ چاپ گھروں کو، املاک کو مکہ میں چھوڑ دیا اور حبشؔ یا مدینہؔ میں چلے گئے تھے لیکن اب ایسی صورت آپڑی کہ جنگ کے سوا چارہ ہی نہ رہ گیا۔ اگر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے تو نتیجہ یہ ہوتا کہ بکریوں کی طرح ذبح ہوجاتے اور سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ توحید کی منادی کرنے والا دنیا پر کوئی نہ رہ جاتا۔ حضرت مسیحؑ نے اپنے پونے تین سال کے وعظ کے بعد جس ضرورت سے مجبور ہوکر اپنے حواریوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑوں لتّوں اور نقدی کے بدلے ہتھیار خرید کر مسلح ہوجائیں (لوقا ۲۲/۳۶) اُسی ضرورت کی وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے مسلمانوں کی حالت پر رحم فرماکر اُن کو بھی ۱۴ سال تک صبر کرنے اور ظلم و ستم برداشت کرتے رہنے کے بعد ان حملہ آور دشمنوں کی مدافعت کا حکم دے دیا۔

یہ وہ پہلا حکم ہے جس کی رو سے مسلمانوں کو اجازت ملی ہے اس لیے اصل مع ترجمہ ذیل میں درج ہے :-

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۔ (حج - ۶ع)

ترجمہ :- جنگ کرنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم ہوا۔ اور خدا اُن کی مدد پر بے شک قادر ہے۔ یہ لوگ اپنے وطن سے بلاوجہ صرف اس لیے نکالے گئے کہ انھوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا ہے۔ اور اگر بعض لوگوں (حملہ آوروں) کو بعض لوگوں (مسلمانوں) سے اللہ پاک دفع نہ کراتا۔ تب ضرور عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے معابد اور ترسا کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اسم الہٰی کا ذکر کثیر ہوتا ہے۔ گرا دی جاتیں۔

معزز ناظرین! اس حکم میں مفصل طور پر وہ وجوہ درج ہیں جو مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملنے کا باعث ہوئیں اور اس حکم میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ جنگ جارحانہ ہے یا مدافعانہ۔" (رحمتہ اللعالمین۔ ج ۱)

۸۰۔ الصادق والامین کا لقب :- صادق معنے سچا۔ امین معنے وہ شخص جو امانت دار ہو۔

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ انسانیت خون کے آنسو بہا رہی تھی، بے امنی ظلم و تشدد، مسافروں کو سفر کرنا نہ صرف دشوار بلکہ کٹھن دشوار تھا، جان و مال کی کوئی حفاظت نہ تھی۔ زبردست زیر دست پر ظلم کر رہے تھے۔" انہی دنوں میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر قبیلوں کے سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کو ملک کی بے امنی راستوں کا خطرناک ہونا۔ مسافروں کا لٹنا۔ غریبوں پر زبردستوں کا ظلم بیان کرکے ان سب باتوں کی اصلاح پر توجہ دلائی۔ آخر ایک انجمن قائم ہو گئی جس میں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تمیم شامل تھے۔

اس انجمن کے ممبر مندرجہ ذیل عہد و اقرار کیا کرتے تھے۔

(۱) ہم ملک سے بے امنی دور کریں گے۔

(۲) ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

(۳) ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے۔

(۴) ہم زبردست کو زیر دست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔ (انگلستان میں نائٹ ہڈ کا آرڈر جس کے ممبر قریباً یہی اقرار کیا کرتے تھے اس انجمن سے کئی صدیوں کے بعد قائم ہوا تھا۔)

اس تدبیر سے بنی آدم کے جان و مال کی بہت کچھ حفاظت ہو گئی تھی۔ آنحضرت صلعم اپنے نبوت کے زمانے میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس انجمن کے نام سے کسی کو مدد کے لیے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کو تیار پایا جاؤں گا۔

ایسے ہی نیک کاموں کی وجہ سے اُن دنوں میں لوگوں کے دلوں پر آنحضرت صلعم کی نیکی اور بزرگی کا اتنا اثر تھا کہ وہ آنحضرت صلعم کو نام لے کر نہیں بلاتے تھے۔ بلکہ الصادق یا الامین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ایک دوسرا واقعہ ہے۔ توجہ فرمائیے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو (جس کی دیواریں سیلاب کے صدمہ سے پھٹ گئی تھیں) از سرِ نو تیار کیا۔ عمارت کے بنانے میں تو سب ہی شامل تھے۔ مگر جب حجر اسود کے قائم کرنے کا موقع آیا تو سخت اختلاف ہوا۔ کیونکہ ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ کام اُسی کے ہاتھ سے سرانجام پائے۔ چار دن تک برابر یہی جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے بڑی عمر کا تھا یہ رائے دی کہ کسی کو حَکَم بنا کر اس کے فیصلہ پر عمل کریں۔ اس رائے کو مانا گیا اور قرار دیا گیا کہ جو کوئی سب سے پہلے حرم میں آئے گا وہی سب کا حَکَم سمجھا جائے گا۔

اتفاقاً آنحضرت صلعم تشریف لے آئے۔ آنحضرت صلعم کو دیکھنا تھا کہ ھذا الامین رضینا ہ کے نعرے لگ گئے۔ (امین آگیا اس کے فیصلے پر ہم رضامند ہیں۔)

آنحضرت صلعم نے اپنی زیرکی اور معاملہ فہمی سے ایسی تدبیر کی کہ سب خوش ہو گئے۔ آپؐ نے اپنی چادر بچھائی اُس پر پتھر اپنے ہاتھ سے رکھ دیا۔ پھر ہر ایک قبیلہ کے سردار سے کہا کہ چادر کو پکڑ کر اٹھائیں۔ اسی طرح اس پتھر کو وہاں تک لائے جہاں قائم کرنا تھا آنحضرت صلعم نے پھر اُسے اٹھا کر کونے پر اور طواف کے سرے پر لگا دیا۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۱) باری تعالےٰ نے ایسے ہی اوصاف آنحضرت صلعم کو عطا فرمائے تھے جس کی وجہ سے لوگ آپؐ کو الصادق والامین کے لقب سے پکارتے تھے۔

واقعۂ فیل

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنی تاریخ ارض القرآن میں "واقعۂ فیل" پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ ہم یہ اُسی سے ماخوذ کر کے تحریر کر رہے ہیں۔

۸۱۔ اصحابُ الفیل :- اہل حبشہ کون ہیں۔ ان کی حقیقت اور قومیت کیا ہے۔ قرآن مجید میں اِنہیں کا نام اصحاب الفیل مذکور ہے۔ وانا کا مشہور پروفیسر مولر جس کا "سبا" مخصوص موضوع مطالعہ و تحقیق ہے لکھتا ہے "سبا کی نوآبادیوں کا ذکر حبش ہیں ہے۔ حبشہ جنوبی عربوں (اہل یمن) سے آباد ہوا۔ جیسا کہ اس کی زبان و خط سے ظاہر ہوتا ہے اور جو فرق ہے وہ صرف ایک زمانہ تک کے افتراق کا نتیجہ ہے۔ اہل حبشہ میں بیرونی اثر اور اجنبی اختلاط صاف نظر آتا ہے۔

بہر حال اِن سبائی عربوں نے اصل افریقی (حامی) یعنی نسلِ حام۔ قبائل کے اختلاط و امتزاج (ملانے کا) سے جو نئی قومیت پیدا ہوئی اِنہیں کا نام عربی میں حبش، یونانی میں ایتھوپین، یورپین زبانوں میں اَبی سینین ہے۔ حبش کے سبائی الاصل ہونے پر سب سے بڑی لیکن تعجب انگیز دلیل یہ ہے کہ حبش زبان میں "سبا" کے معنے ہی انسان کے ہیں۔ جس طرح آدمؑ کے بیٹے آدمی اور "انسان" کو ایک سمجھتے ہیں۔ حبش کے ایک بادشاہ کا نام جو ابتدائی بادشاہ ہوا۔ ذوتسکال تھا۔

جو بالکل یمنی طرز کا نام ہے۔"

۸۲۔ ابرہۃ الاشرم :۔ "بقول عرب، ارباط نے یمن پر بیس سال حکمرانی کی۔ اس اثنار میں حبشی فوج نے بغاوت کی۔ ابرہہ ایک حبشی سردار اس باغی جماعت کا سرِعسکر بن گیا۔ "لفظ" ابرہہ۔ ابراہیم کا حبشی تلفظ ہے اور چونکہ نک کٹا تھا اس لیے "اشرم" کہلاتا تھا۔ عرب اس کو حبش کے شاہی خاندان سے سمجھتے تھے۔ بہر حال ارباط اس فتنہ میں مارا گیا۔ اور ابرہہ تنہا یمن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ ارباط کے اختتام اور ابرہہ کے آغازِ حکومت کی تاریخ نہیں معلوم۔ لیکن ابرہہ کے ابتدائی کتبہ پر ۶۵۷ء یمنی جو مطابق ۵۴۳ء عیسوی ہے تاریخ ثبت ہے۔ اگر ہم اسی کو آغاز سال فرض کرلیں تو ارباط کی مدت حکومت جو ۱۸ سال ہے ۵۲۵ء عیسوی سے شروع ہو کر ۵۴۲ء عیسوی پر ختم ہوتی ہے۔"

۸۳۔ ابرہہ کا مکہ پر حملہ :۔ یعنی مکہ مکرمہ پر ابرہہ کا ہاتھیوں سے حملہ
(یعنی واقعۂ فیل) "ابرہہ کے زمانۂ حکومت کا سب سے بڑا عظیم الشان واقعہ ۵۷۰ء میں مکہ پر فوج کشی ہے۔ اس مہم میں چونکہ حبشی ہاتھی لے کر آئے تھے اس لیے عرب اس مہم کو واقعۃ الفیل اور اس سال کو عام الفیل کہتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کی ولادت مبارک اسی سال اس واقعہ کے چالیس روز بعد ہوئی تھی۔ بعض کی روایت ہے ۵۵ یوم بعد اس واقعہ کے ہوئی تھی۔

عرب مورخین کی روایت کے مطابق اس مہم کا مقصد صرف تخریب (خراب کر دینا) کعبہ تھی۔ یورپین مصنفین کہتے ہیں کہ یہ واقعہ ضمنی پیدا ہوگیا ہوگا ورنہ اصل غرض روم و فارس کی باہمی جنگ میں صحرائے حجاز کو عبور کر کے ہم مذہب رومیوں کی اعانت تھی۔ بہر حال جیسے بھی ہوا۔ یہ واقعہ ہوا۔ اور بس۔

ابرہہ کے کتبہ عرم کے جو فقرے نقل کیے گئے ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ یمن کے علاوہ تہامہ کا بھی جہاں کعبہ واقع ہے اپنے کو بادشاہ سمجھتا ہے۔ کتبہ سے

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نے ایک گرجا "مارب" میں بنوایا تھا۔ اہلِ عرب کی روایت اس واقعہ کے متعلق یہ ہے کہ ابرہہ نے عیسائیت کی ترویج (رائج کرنا) کی غرض سے صنعا میں ایک بڑا اور عظیم الشان کلیسا تعمیر کیا تھا اور اس کا نام کعبہ رکھا تھا۔ غرض یہ تھی کہ اہل عرب اصلی کعبہ کو چھوڑ کر اِدھر جھکیں۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے سورۃ الفیل اسی واقعہ کے متعلق نازل فرمائی ہے۔ ہم اُس کا ترجمہ یہاں پر پیش کرتے ہیں۔ "شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ کیا اُن کی تدبیر کو (جو کہ ویرانی کعبہ کے بارے میں تھی) سرتاپا غلط نہیں کر دیا۔ اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے۔ سو اللہ تعالےٰ نے ان کو کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح پامال کر دیا۔

(قرآن مجید مترجم)

اس کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "ابرہہ حاکم یمن لشکرِ عظیم لے کر جس میں ہاتھی بھی تھے خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے چڑھ آیا۔ جب وادیٔ محسّر میں پہنچا تو سمندر کی طرف سے کچھ پرندے آئے۔ اُن کے پنجوں اور چونچوں میں مسور اور چنے کے برابر کنکریاں تھیں انھوں نے ان کنکریوں کو لشکر پر پھینکنا شروع کیا۔ یہ کنکریاں بندوق کی گولی کی طرح لگتی تھیں اور ہلاک کر دیتی تھیں اکثر تو اس عذاب سے ہلاک ہوئے اور دوسرے بھاگ گئے اور دوسری بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر مر گئے۔ یہ واقعہ حضور سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریفہ سے کچھ دن پہلے ہوا۔

۸۴۔ اِنسانی اور حیوانی آزادی:-

یعنی انسانی آزادی وہ ہے جو قانون اور مذہب کی پابندی کے تحت میں ہر شخص کو حاصل ہے اور حیوانی آزادی وہ ہے جو قانون اور مذہب کے اثر کو باطل ٹھہرا کر حاصل ہوئی ہو۔ ہم اس عنوان کے تحت حیوانی آزادی پر کچھ سپردِ قلم کر رہے ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عالم کی

حالت تھی۔ حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موسومہ "رحمۃ اللعالمین جلد اول ص ۵۲" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس وقت نبی صلعم تبلیغ عالم کے لیے مبعوث ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام عالم پر جہالت کی تاریکی چھا رہی تھی۔ وحشت و درندگی کا دنیا پر تسلط تھا۔ انسانیت، تہذیب، اخلاق کے نام شاید کتابوں میں نظر آ سکتے تھے مگر دنیا پر کوئی اثر نہ رہا تھا۔ بنی اسرائیل تو مسیح سے بھی پہلے سانپ اور سانپ کے بچے کہلائے کے مستحق ٹھہر چکے تھے۔ اب مسیح کی لعنت سے ظاہری شکل و صورت کے سوا ان میں آدمیت کا ذرا بھی نشان باقی نہ رہا تھا۔ اور ہمسایہ قوموں کے اثر سے اُن میں بُت پرستی قائم ہو چکی تھی۔

یورپ میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ انگلستان میں برٹن اور سیکسن وحشی قومیں آباد تھیں۔ نارتھمبرلینڈ، کونٹیز، نارفوک، سوفوک، سا سیکسن (اضلاع انگلستان) میں ورڈن بت کی پرستش ہوتی تھی۔

فرانس، برن ہلڈ، سگ برٹ، فرے ڈی، گوٹن ڈی، مل آہے رک، نصف پُر افسانہ زمانہ تھا، جب کہ پادریوں کے ایماء سے بہت سی بیہودگیاں روا رکھی جاتی تھیں۔

فرانس ہمیشہ سیکسن قوم سے دریائے الب پر معرکہ آرا رہتا تھا۔ یہ لڑائی ۷۸۲ء کے بعد تک جاری رہی۔ جبکہ ساڑھے چار ہزار سیکسن قیدی نہایت بے رحمی سے شہر ورڈون میں ہلاک کیے گئے۔ ہنگری ان دنوں انتہا درجہ کی وحشی و ناشائستہ و آوارہ قوم کے ہاتھوں میں تھا جس کو وحشیانہ اور ظالمانہ وسائل سے اپنے مذہب میں لایا گیا تھا۔

ایران پر مزدکیہ کا زور تھا۔ جنھوں نے زن، زر، زمین کے وقف عام کر دینے سے اخلاق و انسانی ترقیات کو ملیا میٹ کر دیا۔

ہندوستان میں پرانوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا[1]۔ (اردو تہذیب قدیم

ہندوستان۔ مسٹر آر۔ سی۔ دت صہ ۳) اور بام مارگی فرقہ قابو یافتہ تھا۔ وہ اپنے گندے اصولوں کی طرف بندگانِ خدا کی رہبری کرتے تھے۔ مندروں میں زن و مرد کی برہنگی کی تماثیل بنا کر رکھی جاتی تھیں اور انہیں کی پرستش کی جاتی تھی عبادت خانوں کے در و دیوار پر ایسی سراپا فحش تصویر کندہ کی جاتی تھیں جن کے تصور سے ایک مہذب شخص کو نفرت آنی چاہیئے۔

چین کے باشندوں نے اپنے ملک کو آسمانی فرزند کی بادشاہت سمجھ کر خدا سے منہ موڑ لیا تھا۔ ہر کام کے بت جُدا جُدا مقرر تھے۔ کوئی بارش کا، کوئی اولاد کا، کوئی جنگ کا، کوئی امن کا، اور ہر ایک بُت کو سزا دینا بھی بادشاہ ہی کے اختیار میں تھا۔ کانفیوشس کو چین کا مُصلح سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت تک اس کا بھی ظہور نہ ہوا تھا۔

مصر میں عیسائیت زوروں پر تھی۔ مسیح علیہ السلام کی شخصیت اور ابنیت کی تعریف تحدید تو حدو تفریق کے متعلق روز روز نئے نئے اعتقادات پیدا ہوتے۔ نئے نئے فرقے بنتے تھے۔ ایک فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا۔ اپنے مخالف کو قتل کرنے اور آگ میں جلانے سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔

یہ مختصر حالت ان ممالک کی ہے جو زبردست حکومتوں اور شریعتوں کے زیر اثر تھے اور جن میں سے ہر ایک کو بجائے خود علم و تہذیب کے بڑے بڑے دعوے تھے۔

عرب کا قیاس انہی ممالک پر کر لیجیئے اور قیاس کرتے ہوئے یہ بھی ملحوظ رکھیئے کہ یہ ایسا ملک تھا جہاں صدیوں سے نہ کسی بادشاہ کا تسلط ہوا تھا، نہ کوئی اثر قانون نے ڈالا تھا۔ نہ کوئی ہادی اُن کی ہدایت کے لیے پہنچا تھا۔ اس حیوانی آزادی پر بے علمی، جہالت اور اقوام متمدنہ سے علیحدگی اور اجنبیت نے ان کی حالت کو اور بھی زیادہ تباہ کر دیا تھا

اس بدترین حالت ہی نے ان کو زیادہ تر واجب الرحم ٹھہرایا اور رب العلمین نے اصلاح عالم کا آغاز اسی جگہ سے ہونا پسند فرمایا۔"

۸۵۔ ادیانِ عرب (قبل از اسلام):۔

ادیان جمع ہے دین کی بمعنی مذہب حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے

معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پیشتر عرب میں بھی بہت سے مذاہب اور اعتقادات کے کے پابند لوگ تھے۔ لامذہب اور بت پرست اور دیگر مذاہب عرب میں جاری تھے۔ ہم اس سلسلے میں ابن خلدونؒ کی تیسری جلد سے کچھ اخذ کر کے یہاں پر تحریر کر رہے ہیں۔

"(مترجم) اسلام سے پہلے عرب جاہلیت کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختلف مذاہب اور اعتقادات کے تھے۔ بعضے ان میں سے بت پرست بعضے خدا پرست، بعضے لامذہب اور بعضے صابئی، بعضے یہود، بعضے عیسائی تھے۔ بت پرستی عرب کے قدیم باشندوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ عاد، ثمود، جدیس، جرہم اولیٰ، عملیق اول وغیرہم بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن ان کے تفصیلی حالات بُعد (دوری) زمانہ کی وجہ سے ہم کو نہیں مل سکتے۔ باقی رہے عرب عاریہ اور عرب مستعربہ ان کے بت دو قسم کے تھے ایک ملائک اور ارواح اور غیر محسوس طاقتوں سے نسبت رکھتے تھے اور یہ اُن کو مؤنث خیال کرتے تھے اور دوسرے قسم کے وہ تھے جو نامی اشخاص نے اپنے عمدہ کاموں سے شہرت حاصل کر لی تھی۔ یہ گروہ باوجود بت پرستی کے ان کو معبود مطلق نہ جانتا تھا بلکہ ان کا یہ اعتقاد تھا کہ دنیاوی اختیارات ان کو کل حاصل ہیں اور عقبیٰ کی نسبت ان کا یہ خیال تھا وہ اصنام جن کی وہ پرستش کرتے تھے خدا تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی معافی کرائیں گے۔ وہ اصنام (یعنی بت) جن کی تمام عرب جاہلیت پرستش کر رہا تھا ان کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) ہُبل یہ بہت بڑا بت تھا اور خانہ کعبہ پر رکھا ہوا تھا۔ (۲) ودّ یہ بت قبیلہ بنو کلب کا معبود تھا۔ (۳) سواع قبیلہ بنو مذحج کا بت تھا۔ (۴) یغوث۔ یہ بت قبیلہ بنو مراد کا تھا۔ (۵) یعوق کی پرستش بنو ہمدان کرتے تھے۔ (۶) نسر یمن کے قبیلہ بنو حمیر کا معبود تھا۔ (۷) عزیٰ قبیلہ بنو غطفان کا بت تھا۔ (۸) لات (۹) منات۔ ان دونوں بتوں کی پرستش تمام عرب کرتا تھا۔ (۱۰) دوار۔ یہ نوجوان عورتوں کا معبود تھا۔ (۱۱) اساف یہ کوہ صفا پر تھا۔ (۱۲) نائلہ۔ کوہ مروہ پر تھا۔ ان دونوں بتوں پر قربانیاں کی جاتی تھیں۔ (۱۳) عبعب اس پر اونٹوں کی قربانی کی جاتی تھی۔ (۱۴) کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ

کی تصویر بھی اور ان کے ہاتھ میں استخارہ کے تیر تھے جو ازلام کہلاتے تھے۔ اور ایک بھیڑ کا بچہ ان کے پاس کھڑا تھا اور حضرت اسمٰعیلؑ کی مورت خانہ کعبہ میں رکھی ہوئی تھی۔ (۱۵) حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی بھی تصویریں اور مورتیں خانہ کعبہ میں موجود تھیں۔ وَدّا اور یغوث اور یعوق اور نسرا ایام جاہلیت کے مشہور لوگوں میں سے تھے جن کی تصویریں پتھروں پر منقش کر کے بطور یادگار کعبہ کے اندر رکھ دی تھیں۔ پھر ایک مدت کے بعد ان کو رتبۂ معبودیت دے کر ان کی پرستش کرنے لگے تھے۔ خدا پرستی بھی کسی قدر عرب جاہلیت میں تھی اور یہ دو قسم پر تھے۔ ایک تو ایک غیر معلوم اور پوشیدہ قدرت کو جس کو وہ اپنے وجود کا خالق قرار دیتے اور مانتے تھے لیکن اور باقی خیالات ان کی لامذہبی کی طرف زیادہ مائل تھے اور دوسرا گروہ خدا کو برحق جانتا تھا۔ قیامت، نجات۔ حشر۔ بقائے روح اور اس کے جزا، سزا کا قائل تھا۔ لامذہبی کا بھی ایک طرح زور و شور عرب جاہلیت میں پایا جاتا تھا جو نہ تو بت پرست تھے اور نہ کسی کتاب اور الہامی مذہب کے پابند تھے۔ وہ خدا اور حشر کے منکر تھے۔ اسی وجہ سے سزا اور جزا کے بھی قائل نہ تھے۔ وہ دنیا کو ازلی ابدی قرار دیتے تھے۔ صابی مذہب والے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ہمارا مذہب الہامی ہے اور ہم حضرت شیثؑ اور حضرت اخنوع یعنی ادریسؑ کے پیرو ہیں۔ ان کے یہاں سات وقتوں کی نمازیں اور ایک قمری مہینہ کا روزہ تھا۔ یہ جنازہ کی نماز پڑھتے تھے۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کا یہ دعویٰ صحیح ہو لیکن یہ عیب ان میں آ گیا تھا کہ سبع سیارہ (ساتوں ستاروں) کی پرستش کرتے تھے۔ بایں ہمہ خانہ کعبہ کی بڑی عظمت کرتے تھے۔ یہودی مذہب عرب میں پینتیسویں صدی دنیوی (مطابق پانچویں صدی قبل مسیح) ہنگامہ بخت نصر میں آیا۔ بعد چند دنوں کے یہودیوں کو ایک گونہ اطمینان حاصل ہو گیا تو انھوں نے اپنے مذہب کو پھیلانا شروع کر دیا تا آنکہ رفتہ رفتہ ۳۶۵۰ء دنیوی مطابق ۳۵۴ء قبل مسیح میں ذو نواس حمیری بادشاہ یمن یہودی ہو گیا اور اس سے عرب میں یہودیت کو بہت بڑی ترقی ہوئی۔

تیسری صدی عیسوی میں عیسوی مذہب نے عرب میں دخل پایا جبکہ مشرقی کلیسا میں خرابیاں اور بدعتیں رفتہ رفتہ رواج پذیر ہوگئیں تھیں۔ عام مورخین کہتے ہیں کہ یہ زمانہ ذو نواس کا تھا۔ لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ وہ تقریباً چھ سو برس پیشتر گزر چکا تھا۔ اس مذہب کا شیوع (رواج پانا) زیادہ نجرآن میں ہوا۔ اور عرب میں اس نے کچھ زیادہ رواج نہیں پایا۔ البتہ بنو ربیعہ و غسان اور بعض قضاعہ میں عیسائیت پھیلی ہوئی تھی۔ علاوہ ان کے بنو تمیم مجوسی اور اکثر قریش زَنادِقہ (بے دین۔ مُلحِد) تھے۔" واللہ اعلم۔ انتہی کلام المترجم۔

۸۶۔ **اُمُّ القُریٰ :-** معنے بستیوں کی ماں + عرب میں مکہ مکرمہ ہی ایسی جگہ ہے جسے بستیوں کی ماں بتایا ہے۔

" سام یا (سم) حضرت نوح علیہ السلام کے بڑے فرزند کا نام ہے۔ حضرت نوحؑ کی (۵۰۲) سال کی عمر تھی۔ جب ان کے مشکوئے نبوت میں یہ اولین فرزند پیدا ہوئے۔

حضرت سام ان تمام اقوام کے پدر اور جملہ اَلسِنہ کے معلّم نخستین (یعنی ان سب قوموں کے باپ اور بات چیت کرنے والی زبانوں کے اُستاد اوّل) ہیں جن کا نام یورپین مورّخین نے (ساموٹیک) رکھ دیا ہے۔

تفحّص (کھوجنا۔ تلاش کرنا) سے معلوم ہوتا ہے کہ سامی زبان کا وجود ایشیا اور افریقہ کے اندر برابر پایا جاتا ہے۔ فونی شین۔ ارمیک۔ اسیرین۔ انتھی اوپک زبانیں سام ہی سے نکلی ہیں۔ اور یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ عبرانی اور عربی زبانیں جملہ سامی السنہ کے اندر زیادہ شاندار اور خزائن علمی سے مالا مال ہیں۔

مشہور قدیم مورخ سپرنجر اور سکر یدر اپنے قدما (قدیم) کے اتباع میں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ سام کی اولاد کا اصلی وطن عرب ہے۔ قرآن مجید نے آیت: "لِتُنذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا" میں مکہ کو امّ القریٰ یعنی بستیوں کی ماں بتایا ہے۔ اور یہ ارشاد اُن مورخین کی اس محققانہ جد وجہد کی تصدیق کرتا ہے۔"

(رحمۃ اللعالمین ج دوم)

۸۷۔ ایمانؔ کی قسمیں :۔ ایمانؔ کی قسموں کو ہم تفسیر حقانیؔ جلد دوم سے اخذ کر کے یہاں پر تحریر کر رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "لغت میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی کسی چیز کو سچا جاننا اور یقین کرنا اور یہ امن سے مشتق ہے کہ گویا ایمان لانے والے نے جس پر وہ ایمان لایا ہے اس کو مخالفت اور تکذیب سے امن میں کر دیا۔ اور شرع میں ایمان اُن چیزوں کا صدق دل سے یقین کرنا ہے کہ جن کا دینی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہے یعنی قرآن مجید کا ظاہر عبارت یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی سے جو بات ثابت ہو اس پر یقین کرنا جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی ذاتؔ وصفاتؔ کریمہ، علم و قدرتؔ اور ملائکہؔ اور آسمانی کتابیں اور انبیاءؔ اور مرنے کے بعد حساب و کتاب، جزا و سزا کو برحق ماننا۔

ایمانؔ کے دو مرتبے ہیں۔ ایمانؔ اجمالی کو مجملاً بلا تفصیلی جزئیات دینِ محمدیؐ کو برحق سمجھنا جس کا خلاصہ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا ہے۔ دوسرا ایمانؔ تفصیلی کہ جس قدر امور شرع سے یقیناً ثابت ہیں اور جو باتیں اللہ اور اُس کے رسول صلعم نے فرمائیں ہیں ہر ایک کو برحق ماننا۔ جس چیز پر ایمانؔ اجمالی یا تفصیلی میں ایمانؔ لانا ضروری ہے جو اس پر ایمان نہ لاوے گا۔ انکار یا تکذیب کرے گا کفر شرعی ثابت ہو گا کہ جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔"

۸۸۔ ایمانؔ یاس :۔ معنے خوف سے ایمانؔ لانا + یعنی نزع کے وقت کا ایمانؔ جبکہ بندہ کو اس عالم غیب کی چیزوں ملائکہ اور دوزخ و جنت دکھائی دینے لگیں۔

"اس میں شک نہیں کہ پورا انقیاد (تابع ہونا) اور کمال اطاعت بندہ کا جب ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے فرمانے سے اُن چیزوں پر بھی ایمان لاوے کہ جو اس کے مشاہدہ سے باہر ہیں اور جن کے مشاہدہ کی اس کو طاقت نہیں، ورنہ آنکھ سے دیکھی ہوئی اور ہاتھ سے ٹٹولی ہوئی، زبان سے چکھی ہوئی چیز کی تو ہر شخص تصدیق کرتا ہے اور یہی حکمت ہے کہ نزع کے وقت کا (جبکہ بندہ کو اس عالم غیب

کی چیزیں ملائکہ اور دوزخ و جنت دکھائی دینے لگیں) ایمان قبول نہیں اور اس کو ایمان باآس کہتے ہیں۔"

۸۹۔ آنے والوں کا ایمان :- یعنی آئندہ آنے والوں کا ایمان +

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ آئندہ آنے والوں کے ایمان کی زیادہ قدردانی کرتے تھے۔ چنانچہ مسند امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہے کہ ایک روز حارث بن قبس نے جماعت صحابہؓ میں بیان کیا کہ اے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نہایت حسرت و افسوس ہے کہ آنحضرت صلعم کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے۔ ہائے اس دولت سے محروم رہ گئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا یہ صحیح مگر ایک نعمت سے ہم محروم رہ گئے وہ تم کو نصیب ہے۔ وہ یہ کہ تم بے دیکھے آنحضرت صلعم پر ایمان لائے۔ خدائے تعالےٰ کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دیکھ لیا اس کے نزدیک آپؐ کی نبوت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی۔ ایمان تمہارا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لائے۔"

۹۰۔ السماء :- چونکہ عنوانات میں اس لفظ کا اکثر ذکر آتا رہے گا۔ اسی لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس کو الگ سے بیان کر دیا جائے۔

السماء چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اُفق کو بھی کہتے ہیں، بادل کو بھی اور آسمان کو بھی اصل میں سماء کا اطلاق (رواں کرنا) اوپر والی چیز ہوتا ہے۔ خواہ وہ بادل ہو۔ خواہ آسمان۔ اور چونکہ اوپر والی چیزوں میں مکان کی چھت اور سائبان بھی ہے ان پر بھی بعض اوقات یہ لفظ صادق آتا ہے۔

۹۱۔ آداب اَکل و شُرب :- اَکل معنے کھانا + شُرب معنے پینا +

آداب جمع ہے ادب کی بمعنی طور، پسندیدہ۔ یعنی پسندیدہ طریقہ سے کھانا اور پینا۔

"کھانے سے پہلے اور بعد میں صفائی اور تعظیم طعام کی نیت سے دونوں ہاتھ دھوئے۔ نمکین سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے۔ ادب کے ساتھ کھائے،

ٹیک نہ لگائے۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ میں سہارا لگا کر نہیں کھاتا۔ میں بندہ ہوں لہٰذا اس طرح کھاتا ہوں جیسے بندے کھایا کرتے ہیں۔ (وہاں پھلوں کو ٹیک لگا کر کھانا بھی جائز ہے) داہنا پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ کھانے میں عبادت کی طاقت حاصل ہونے کی نیت کرے۔ (نعمت تو خود بخود حاصل ہو ہی جاتی ہے) نماز کے وقت کھانا آجائے تو کھانا کو نماز پر مقدم کرے۔ بشرطیکہ نماز قضا نہ ہو جائے، کھانا مجمع کے ساتھ کھائے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا نہیں کھایا کرتے تھے، پھوٹے اور پیتل، تانبے کے برتن کے استعمال سے بچے مسنون برتن مٹی اور لکڑی کے ہیں، بہتر ہے کہ ہر لقمہ پر بسم اللہ کہے۔ کھانے کی چیزوں میں عیب نہ نکالے (نمک کا کم زیادہ ہونا عیب نہیں ہے) اپنے سامنے سے کھائے پیالہ کے اوپر اوپر سے اور بیچ سے نہ کھائے، بائیں ہاتھ سے نہ کھائے۔ روٹی یا گوشت چھری سے نہ کاٹے، میوہ ہر طرف سے کھا سکتا ہے۔ روٹی کا کنارہ چھوڑ کر بیچ سے نہ کھائے۔ دستر خوان پر سبزی رکھا کرے، اس سے فرشتے آتے ہیں اور شیطان دور ہوتے ہیں، سرکہ سے افلاس دور ہوتا ہے، روٹی کی تعظیم کرے، اس سے نہ ہاتھ پونچھے نہ اس پر پیالہ رکھے۔ روٹی دونوں ہاتھوں سے توڑے، سالم سے پہلے ٹوٹی ہوئی کھائے۔ نوالہ چھوٹا لیا کرے، پیالہ خوب صاف کرے، گرے ہوئے ٹکڑے کھا لیا کرے، حدیث میں ہے کہ یہ حوروں کا مہر ہے اور فراخی رزق کا سبب ہے۔ ہاتھ دھوئے اور کھانے پینے میں بزرگوں کو مقدم کرے۔ میزبان اگر بطور اکرام کے طشت وغیرہ سامنے لائے تو اسے قبول کرے۔ کیونکہ عزت افزائی کو رد نہ کرنا چاہیئے، کھانے میں پھونک مارنا، کسی کو تکنا، برتن میں ہاتھ جھاڑنا، اپنے سر کو برتن پر بالکل اوندھا کرنا، شریک طعام کی طرف منہ کر کے کوئی شے نکالنا، چکنے لقمے کا سرکہ میں یا سرکہ چکنے لقمہ میں ڈال دینا، کھاتے وقت گندی باتوں کا ذکر کرنا، ان سب سے احتراز کرنا چاہیئے۔

کھانے کے درمیان میں پانی پینے سے بچے، گلاس کو داہنے ہاتھ سے پکڑے اور

پانی آہستہ آہستہ پیئے۔ غٹ غٹ پینے سے درد جگر کے مرض کا اندیشہ ہے۔ پینے سے پہلے پانی کو دیکھ لیا کریں۔ پانی میں سانس نہ لیا کرے اور نہ پھونک مارے، مسلمانوں کے جھوٹے کو تبرک سمجھے، کیونکہ مسلمان کا جھوٹا شفا ہے۔ گلاس کا دور داہنی طرف سے ہونا چاہیئے۔" (معمولات نبوی حصہ ۵)

۹۲- آداب لباس ووضع :- لباس معنے پوشاک + وَضعْ معنے رکھنا، ترتیب دینا + یعنی پوشاک کو پسندیدہ طریقہ سے ترتیب دینا۔

کپڑا پہننے میں ستر چھپانے کی اور اس غرض سے زینت کرنے کی نیت کرے کہ دوسرے مسلمان اس کو محبت کی نظر سے دیکھیں۔ ہر چیز کے پہننے میں داہنی جانب سے ابتدا شروع کرے اور اُتارنے میں بائیں جانب سے۔ بسم اللہ پڑھ کر پہننا شروع کرے، پہن کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے اور دعا پڑھے۔ اللّٰھُمَّ لک الحمد کما کسوتنیہ اسالک خیرہٖ وخیرَ ما صنع لہٗ واعوذ بک من شرہٖ ومن شر ما صنع لہٗ:- ترجمہ:- اے اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے۔ یا اللہ! تجھی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں اور ان مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں (حیا وغیرت) جن کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے اور تجھی سے اس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا۔

پاجامہ بیٹھ کر پہنا کرے اور ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے۔ پہلے کرتا پہنے اور موٹا کپڑا پہنا کرے، بغیر پیوند لگائے ہوئے کپڑا اتارے نہیں اور اتار کر کپڑا غریب غربا کو پہنا دیا کرے، عمامہ کا شملہ ایک بالشت یا آدھی کمر تک رکھے، نیا کپڑا جمعہ کے دن پہنے، موزے وغیرہ کو پہننے سے پہلے جھاڑ لیا کرے، کبھی کبھی تواضع کے لیے ننگے پاؤں بھی چلا کرے، کسی کی خوشبو کو رد نہ کرے، مہندی عورتوں کے لیے ہے مرد اس سے بچے، چہرے کے بال نوچنے سے بچے، ہاتھ کے ناخن اس ترتیب سے کترائے کہ دائیں ہاتھ کے کلمہ کی انگلی سے شروع کرے اور چھنگلیا تک بہ ترتیب

کتر واکر بائیں چھنگلیا سے بہ ترتیب کترواے اور دائیں انگوٹھے پر ختم کرے۔ اور پیر کی انگلیوں میں بہتر یہ ہے کہ دائیں چھنگلیا سے شروع کرے اور بائیں چھنگلیاں پر ختم کرے۔

(در مختار ماخذ از معمولاتِ نبویؐ)

۹۳۔ اَوْلاد مُطیع رہے :- اَوْلاد معنے نسل، بیٹا، بیٹی + مطیع معنے فرماں بردار اطاعت کرنے والا + یعنی بیٹا بیٹی اپنے والدین یعنی ماں باپ کی فرماں برداری کرنے والے رہیں + اس لیے اولاد کو چاہیے کر

"ہر حال میں ماں کا حق محبت اور باپ کا حق عظمت نہ بھولے، ان کی خدمت میں برابر حاضر رہے۔ ان کا حکم مانے، ان کے کام کر دیا کرے۔ ان کو الٹ کر جواب نہ دے، ان کو سخت بات نہ کہے، اللہ تعالےٰ اس کے بدلے اس اَولاد کو اس کا مطیع اور خادم بنا دیں گے، بیوی اس میں رُکاوٹ ڈالے تو اس کو نصیحت کرے۔

اگر بالفرض بیوی بدمزاج ہے اور وہ شوہر کو نہ والدین کی خدمت میں روپیہ پیش کرنے دیتی ہے نہ ان کے پاس جانے دیتی ہے اور نصیحت بھی کافی نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں اگر والدین مطالبہ کریں کہ بیوی کو طلاق دے دو۔ اور چھوڑنا ممکن بھی ہو تو مرد پر واجب ہے کہ عورت کو چھوڑ دے؛ ورنہ ہر صورت میں صبر کرے۔"

(معمولاتِ نبویؐ حصہ سوم)

۹۴۔ آخرت کا ایک دن :- آخرت معنے انجام، دوسرا عالم قیامت + یعنی دنیوی اعتبار سے دن کا شمار طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کا ہے جو گرمیوں کے موسم میں بڑا ہوتا ہے سردی کے موسم کے دن سے اور سردیوں کے موسم میں چھوٹا ہوتا ہے گرمیوں کے دن سے۔ لیکن یوں سمجھ لیجیے کہ دن کو بارہ گھنٹہ کا کہا جاتا ہے۔ اب رہا آخرت کا ایک دن یعنی قیامت میں ایک دن کتنی مدت کا ہوگا۔ اس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار برس کے برابر ہوگا۔

"(دنیا کے مقابلہ میں) آخرت کا ایک دن دنیا کے ہزار برس کی برابر ہوتا ہے۔

وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۔ اور اسی وجہ سے بہ ظاہر جہاں قیامت کا ذکر آتا ہے غدًا کے ساتھ آتا ہے۔ جس کے معنی کل آئندہ کے ہیں لیکن یہ سب باعتبار اغلب اور عام مومنین کے ہے۔ ورنہ کافرین کے لیے وارد ہوا ہے: فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ ایسا دن جو پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ اور خواص مومنین کے لیے حسب حیثیت کم معلوم ہوگا، چنانچہ وارد ہوا ہے کہ بعض مومنین کے کے لیے بمنزلہ دو رکعت فجر کے ہوگا۔" (فضائلِ قرآن مجید)

۹۵۔ ابلیس کی نوحہ زاری :-

ابلیس معنے شیطان۔ فریب دینے والا + نوحہ معنے نالہ کرنا۔ رونا، وائے ویلا کرنا + زاری معنے رونا، عاجزی کرنا، ضعیفی، اندوہ غم + یعنی شیطان کا اندوہ غم کی وجہ سے رونا پیٹنا +

اللہ تبارک و تعالےٰ نے جب حضرت آدم علیہ السّلام کا پُتلا بنوایا اور ملائکہ کو حکم دیا کہ اس کو سجدہ کرو تو سب نے باری تعالےٰ کے اس حکم کی تعمیل کی اور سب ہی سوائے اس ابلیس (شیطان) کے سجدہ میں گر گئے۔ شیطان کی اس نافرمانی سے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لعنت ہوئی۔ نوحہ اور زاری اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی۔ فضائل قرآن میں شیطان کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ:

"ایک روایت میں آیا ہے کہ ابلیس کو اپنے اوپر نوحہ اور زاری اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی۔ اوّل جب کہ اس پر لعنت ہوئی، دوسرے جب کہ اس کو آسمان سے زمین پر ڈالا گیا۔ تیسرے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوّت ملی۔ چوتھے جبکہ سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔"

۹۶۔ اہلِ دوزخ کا شیطان کو ملامت کرنا :-

دوزخ معنے جہنم شیطان معنے خدا کا دشمن، نافرمان، سرکش + ملامت معنے بُرا بھلا کہنا + یعنی دوزخیوں کا شیطان کو بُرا بھلا کہنا۔

قیامت میں حساب وکتاب کے بعد جب دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے تو اُن کے ساتھ ہی دوزخ میں شیطان بھی ہوگا۔ وہ اُس کو اپنے ساتھ دوزخ میں دیکھ کر اُس سے ہمکلام ہوں گے اور اُس سے سختی کے ساتھ ملامت کرتے ہوئے کہیں گے، اس واقعہ کی تفسیر قرآن مجید میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے سورۂ "ابراہیم" میں اس طرح فرمائی ہے۔

"جب قیامت میں اہل ایمان جنت میں اور کفار دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے تو اس وقت شیطان بھی ان کا شریک حال ہوگا۔ اہل دوزخ اس کو ملامت کریں گے کہ کم بخت! تُو تو ڈوبا ہی ہم کو بھی اپنے ساتھ ڈبویا۔ شیطان جواب دے گا کہ مجھ پر تمہاری ملامت بے جا ہے کیونکہ اللہ نے تم سے جتنے وعدے کیے تھے سب سچے وعدے تھے کہ ایمان سے نجات اور کفر سے ہلاکت ہوگی اور قیامت ضرور برپا ہوگی اس کے برخلاف میں نے کہا تھا کہ قیامت نہیں ہوگی اور تمہارا طریقہ کفر ہی باعث نجات ہے۔ حق تعالےٰ کا ارشاد صحیح اور میرا بیان غلط تھا۔ اللہ تعالےٰ کے وعدوں کے حق ہونے اور میرے بیانات کے بطلان پر دلائل قطعیہ قائم تھے سو باوجود اس کے تم نے میرے وعدوں کو صحیح اور خدا کے وعدوں کو غلط سمجھا تو تم اپنے ہاتھوں خود ڈوبے۔"

۹۷۔ احادیث عقد نکاح :- احادیث جمع ہے حدیث کی + معنے خبر، ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا +

عقد معنے نکاح کرنا + نکاح معنے شادی کرنا ..... یعنی وہ ارشاداتِ نبویؐ جو شادی بیاہ کرنے کے متعلق وارد ہوئے ہیں + عورت مرد کے شادی بیاہ کرنے یعنی نکاح کے متعلق شرعی طور پر جو ارشادات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئے ہیں۔

"فرمایا۔ ایک عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ یہ تو زانی عورت کرتی ہے کہ اپنے کو بیاہے۔ (جمع الفوائد) نکاح

قبول کرنے میں بیوہ عورت کو اپنے اوپر اپنے ولی سے زیادہ اختیار ہے اور حق ہے۔ اور کنواری سے اس کا باپ اس کی مرضی کے بارے میں پوچھے۔ کنواری کی خاموشی ہی اجازت ہے (جمع الفوائد) جس خطبۂ نکاح (یا خطبۂ تقریر) میں شہادت توحید و رسالت نہ ہو وہ جذامی (کوڑھ خون کے بگڑنے کی بیماری جس سے بدن گل جاتا ہے) ہاتھ کی طرح بے کار ہے۔ (مشکوٰۃ) حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ حضور پرنورؐ نے ہم کو نماز کا تشہد (کلمۂ شہادت پڑھنا یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا کہنا) بھی سکھایا اور حاجت (یعنی نکاح و دیگر تقاریر) میں بھی تشہد سکھایا ...... حاجت کا تشہد یہ ہے۔ الحمد للہ نحمدہ ...... محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ یعنی پورا خطبہ۔ (مشکوٰۃ ماخوذ از معمولات نبویؐ)

۹۸۔ احکام و آدابِ نکاح:- یعنی وہ احکام اور پسندیدہ شرعی طریقے جو نکاح کرتے ہوئے اختیار کرنے ضروری اور لازمی ہیں۔

"کسی عورت کے نکاح کی گفتگو صرف عورتیں نہ کریں۔ یہ خلافِ حیا ہے۔ گو نکاح ہو جاتا ہے۔ پس نہ کوئی عورت اپنے نکاح کی وکیل خود بنے۔ نہ کسی عورت کو بنائے۔ نہ کوئی عورت اپنا نکاح خود پڑھائے۔ نہ کسی دوسری کا پڑھائے۔ نہ خفیہ اور تنہا اپنے نکاح کی گفتگو کرے یہ زناکاری کی سی چیز ہے۔ بیوہ کو پورا حق ہے کہ خود کسی مرد سے نکاح کے متعلق اپنا ارادہ صاف صاف ظاہر کرے۔ اس کا چپ رہنا کافی نہیں، صاف الفاظ میں رضا ظاہر کرے یا صاف الفاظ میں رد کرے، اس پر ولی کا دباؤ اور حق نہیں، البتہ کنواری سے اس کی رضا باپ کو لینا چاہیئے۔ اس میں کسی گواہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر اس کے بھائی یا دوسرے رشتہ دار یا قاضی یا وکیل رضا لیں گے تو دو معتبر گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ محفل نکاح مسجد میں منعقد ہونی چاہیئے۔ یہ سنت نبویؐ مردہ ہو چلی ہے اس کو دوبارہ زندہ کرنے والے کو بے حد ثواب ہوگا۔ مسنون اور افضل یہ ہے کہ لڑکی کا باپ خود نکاح پڑھائے۔ ...

امور کی ترتیب یہ ہے ۔ (الف) لڑکے پاس جاکر یہ پوچھے کہ میں تمہارا نکاح فلاں (مرد کا نام مع ولدیت سنا دے) کے ساتھ ...... روپیہ مہر کے عوض میں کر دوں۔ تم مجھے اس کا وکیل بناتی ہو۔ (یا یہ کہ تم مجھے اجازت دیتی ہو) اگر باپ خود اجازت لینے گیا ہے تو اس کے ساتھ گواہوں کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی اور یہ اجازت اور وکالت لینے جائے تو دو معتبر گواہ اُس کے ساتھ رہیں۔ باپ یا قاضی اگر لڑکی سے ایجاب کرانے خود نہ جائیں تو وہ دو آدمیوں کو لڑکی کے پاس بھیجیں اور اُس سے پوچھوائیں کہ وہ لڑکی فلاں بن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر نکاح کرنے کا وکیل اپنے باپ یا قاضی کو بناتی ہے یا نہیں۔ اگر وہ ہُوں کر دے تو یہ دونوں گواہ محفل میں آکر سب کے سامنے کہیں کہ لڑکی نے فلاں کے ساتھ اپنے نکاح کا وکیل فلاں کو بنایا ہے اور ہم اس کے گواہ ہیں یہ سن کر وکیل نکاح اس سے نکاح کر دے۔ (ب) لڑکی سے ایجاب یا اجازت کے وقت خطبۂ نکاح نہیں پڑھنا چاہیئے۔ خطبۂ نکاح صرف لڑکے پاس محفل نکاح میں پڑھنا چاہیے۔ (ج) وکیل نکاح سے پہلے خطبہ مسنون مع کلمہ شہادت کے پڑھے۔ پھر قرآن کی تین آیات، پھر ایک حدیث اور اس کے بعد دُولھا سے نکاح باندھنے کے الفاظ کہے یعنی:۔ میں نے تمہارا نکاح فلاں بنت فلاں کے ساتھ سکہ رائج الوقت سے اتنے روپۓ مہر کے عوض کر دیا۔ تم نے قبول کیا۔ (د) دُولہا یا دُلہن سے نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا ضروری نہیں۔ (ہ) قاضی یا وکیل نکاح خطبہ سے پہلے اُردو میں مختصراً نوشہ سے یہ بھی کہہ دیا کرے کہ "دیکھو آج سے اس عورت کا اور تمہارا ساتھ شروع ہے۔ اس کو آرام سے رکھنا۔ کھلانے پلانے اور پہنانے کا خیال رکھنا۔ دین سکھانا۔ ان تمام باتوں میں خدا کا خوف دل میں رکھنا۔ قرآن کی ان آیتوں میں تقویٰ یعنی خوفِ خدا کا ذکر اسی لیے ہے۔ (و) قاضی یا وکیل نکاح سے خطبہ اور عقد نکاح کے الفاظ سن کر ناکح (مرد نکاح کرنے والا) کہے۔ "ہاں میں نے قبول کیا۔" (ز) مرد کا قبول کرنا سن کر قاضی اور حاضرین گواہان دولھا کو دعائے برکت دیں ...... (فائدہ) نکاح کا یہ خطبہ اور آیت و حدیث پڑھنا فرض واجب نہیں۔

سنّت اور موجب ثواب و برکت ہے ۔ اگر کسی وقت کسی کو یاد نہ ہو تو (زیادہ حرج نہیں) قاضی صرف کلمہ شہادت پڑھ کر عقد کے الفاظ کہہ دے اور دولہا قبول کرے، تاکہ سب گواہ سُن اور جان لیں ۔

نکاح میں فرض گواہوں کا ہونا اور ایجاب و قبول کرنا ہے اور بس ۔ نکاح کوئی عالم دین دار پڑھائے ۔ نکاح کی اُجرت معیّن کرنا درست نہیں ہے بلکہ دینا ہی جائز نہیں ہے اور نہ ہر شخص نکاح پڑھا سکتا ہے ۔ بعض قاضی نکاح گواہوں سے بھی نکاح قبول کراتے ہیں یہ لغو اور زائد فعل ہے ۔ قاضی نکاح کا دولہا سے قبول کرانا ایک بار بالکل کافی ہے ۔ تین بار قبول کرانا ضروری نہیں ۔ بعض قاضی محض پختگی اور اطمینان کے لیے کرتے ہیں ۔ یہ نہ بھی ہو تو کچھ حرج نہیں ۔ (معمولاتِ نبویؐ حصہ سوم)

۹۹ ۔ احادیثِ مَہر :- مَہر معنے وہ روپیہ یا جنس جو عورت کو عوض نکاح کے خاوند دیتا ہے ۔

"عورتوں کو ان کے مَہر خوش دلی سے دیا کرو ۔ (قرآن سورۂ بقرہ) حدیث میں ہے کہ جب کسی مرد نے کسی عورت سے شادی کی کم مَہر پر یا زیادہ مَہر پر اور اس کے دل میں یہ نیت ہے کہ اس عورت کا یہ حق (مَہر) اس کو نہ دے تو قیامت کے دن وہ مرد زانی کی صف میں خدا کے سامنے حاضر ہوگا ۔ (طبرانی)

حضرت عمرؓ نے فرمایا :- اے لڑکی والو ! عورتوں کے مَہر بہت بھاری مت مقرر کیا کرو، اگر مَہر کی زیادتی دنیا میں ذرا بھی عزت کی چیز ہوتی یا خدا کے نزدیک ذرا بھی تقویٰ کی چیز ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہوتے ۔ (وہ ایسا کرتے) ۔ حضرت علیؓ نے جب بی بی فاطمہؓ سے نکاح کیا اور خلوت میں جانا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک فاطمہؓ کو کچھ مَہر ادا نہ کرو، خلوت میں نہ جاؤ ۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں، میں دول کیا ۔ آپؐ نے فرمایا اپنی زرہ ہی دو ۔ تو انھوں نے بی بی فاطمہؓ کو اپنی زرہ دے دی ۔ پھر اُن سے خلوت کی ۔ (جمع الفوائد) آپؐ نے فرمایا ۔ عورت کا مبارک ہونا یہ ہے کہ اس کا

منگنی آسانی سے ہو، اس کا مہر کم ہو۔ اور اس کے اولاد ہو۔ (جمع الفوائد) آپؐ نے یہ بھی فرمایا:۔ سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہے جس میں مہر و دیگر خرچ کم ہو۔

۱۰۰۔ احکام و آداب مہر:

یعنی مہر کے متعلق شرعی پسندیدہ طریقے۔

"مہر عورت کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ رقم مرد سے عورت کو دلوانا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے باپ کا ترکہ لڑکی کو لڑکے سے کم دلوایا تھا کہ اُس کو کچھ مال شوہر سے بھی ملے گا۔ پس مرد کو لازم ہے کہ یہ رقم ضرور دے دے۔ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہر کا کچھ حصہ فوراً دے دینا چاہیئے یہ سنّت ہے لیکن چونکہ مہر دینے میں مرد کو بڑا جبر ہوتا ہے اس لیے یا تو مہر پورا مُعَجَّل (بے مہلت) رکھا جایا کرے کہ مرد خلوت سے پہلے ادا کرے اور عقد نکاح میں اس کی بھی صراحت کر دی جائے اور یا عقد نکاح میں اعلان کے ساتھ یہ بھی بتا دیا جائے کہ اتنے سال میں ماہانہ قسط کر کے ضرور ادا کر دیا جائے۔ عورت کے حقوق آج کل بہت تلف ہو رہے ہیں اور یہ گناہ ہے۔ اس لیے اس نئے قاعدہ کو اگرچہ یہ عرف کے خلاف ہے ضرور رواج دینا چاہیئے۔ عورت کو اپنے مہر کا مطالبہ نرمی سے شوہر سے کرتے رہنا چاہیئے۔ رسمی طور سے معاف کرنا کہ چونکہ کچھ عورتیں مہر معاف کر دیا کرتی ہیں اس لیے ہم بھی معاف کر دیں، کافی نہیں، اس سے معاف نہیں ہوتا۔ عورت غربت میں ہو اور پھر معاف کرے یہ گویا موت کو اور تباہی کو بلانا ہے۔ مرد کا عورت سے یہ کہنا کہ تم مہر معاف کر دو بے غیرتی ہے۔ اگر زبردستی معاف کرایا تو شرعاً معاف نہیں ہوتا۔ مرد کو حق ہے اور اس میں اس کی عقل مندی اور حوصلہ مندی بھی ہے کہ وہ مہر مقرر سے کچھ زیادہ رقم عورت کو دے دے۔ اسی طرح عورت کو بھی حق ہے اور اس کی عقل مندی اور حوصلہ مندی بھی ہے کہ وہ مہر میں سے صرف کچھ حصہ معاف کر دے سب نہ معاف کرے۔ اور اگر شوہر اس قرض کی ادائیگی میں مہلت مانگے تو مہلت بھی دے دے۔ مرد اگر جان بوجھ کر مہر کی رقم کم بتائے یا کم ادا کرے یا عورت زیادہ رقم وصول کرے جیسا طلاق یا موت پر مقدمہ بازی میں ہوتا ہے۔ یہ حرام اور گناہ ہے۔ مہر قرض ہے اور اس

کی ادائیگی فرض ہے۔ مرد کو لازم ہے کہ نکاح کے وقت ہی سے یہ رقم ماہانہ قسطوں میں ادا کرنا شروع کر دے۔ مہر کی رقم عورت کی ملک ہے۔ مرد کا اس پر کچھ حق نہیں ہے۔ لہٰذا عورت کو چاہیئے کہ مہر کی جتنی رقم ملتی جائے عقلمندی اور دور اندیشی سے شوہر کے مشورہ سے کسی جائز کاروبار میں لگا دے۔ مہر مثل کم کرنے کا حق عورت کو ہے وہ ہمت کرے یا خاندان کی مستورات مل کر کم کر دیں۔ مہر کی رقم تجویز کرنے کا حق یقیناً عورت کو یا اُس کے گھر والوں کو ہے۔ مگر مرد ناکح (مرد نکاح کرنے والا) کو بھی حق ہے کہ وہ اس کو قبول کرے یا نہ کرے۔ پس مہر کا معاملہ پہلے سے طے کرے۔ اور مہر مثل معلوم کر کے پیغام بھیجے۔ عین نکاح کے وقت مہر کم کرنا اور جھگڑا کرنا درست نہیں۔ یہ دوسرے کے حق میں دست اندازی ہے۔ زیادہ مہر دینا اُس وقت قبول کرے جب محفل نکاح میں سب کے سامنے ادا بھی کر دے۔ کم سے کم مہر کی مقدار تخمیناً پونے تین روپے بھر چاندی ہے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ کوئی اس سے بھی کم باندھے گا تب بھی اس کو پونے تین روپے بھر چاندی دینی ہوگی۔ شریعت میں اس سے کم مہر نہیں ہو سکتا۔ (احتیاط کے طور پر دس درہم چاندی کا وزن کم سے کم مقدار مہر ہے جس کا وزن ساڑھے تین تولہ چاندی ہے) کیونکہ حدیث مذکورہ بالا عنوان ۹۹ سے معلوم ہوا کہ جس نکاح میں مہر اور دیگر اخراجات زیادہ ہوں گے اس میں برکت بالکل نہیں ہوتی۔ نکاح میں مہر کا ذکر نہ ہو تو بھی نکاح ہو جاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ مہر مثل لڑکی کے صرف دادھیال کی عورتوں مثلاً بہن۔ پھوپھی اور پھوپھیری بہن کے مہر کو کہتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ لڑکیوں میں بھی یکسانی ہو۔ یعنی جیسی خوب صورت باسلیقہ، لکھی پڑھی، مال دار، کنواری، یہ لڑکی ہے ویسی ہی وہ بھی رہی ہو۔ پس اگر لڑکیوں میں فرق ہے تو مہر بھی مختلف ہوگا۔ مہر زیادہ باندھنا دو سبب سے ہوتا ہے ایک تو فخر و غرور کے سبب سے کہ ہم بڑے ہیں تو ہمارا مہر بھی کیوں نہ بڑا ہو۔ یہ تو شیطانی خیال ہے۔ اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ دوسرا سبب ایک احتیاط ہے کہ زیادہ رقم ہونے سے مرد پر دباؤ رہے گا۔ اور عورت کو پریشان نہ کر سکے گا۔ مگر یہ سب فرضی اور وہمی

باتیں ہیں عقل اور تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے مہر کے بعد بھی مرد عورتوں کو برابر پریشان کرتے ہیں (معمولات نبوی حصہ سوم) لیکن بعض عورتیں بھی غلط ثابت ہوئی ہیں۔

۱۰۱۔ الٓمٓ :۔ (ا۔ل۔م) یہ حروف قرآن مبارک کے پہلے پارہ یعنی الٓمٓ کے پارے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھ کر ان ہی حروف سے قرآن پاک شروع ہوتا ہے۔

ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں۔ ان حروف کی تفسیر میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ "ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں۔ ان کے اصلی معنی تک اوروں کی رسائی نہیں۔ بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور رسول اللہ کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ اور بعض اکابر سے جو ان کے معنی منقول ہیں اُس سے صرف تمثیل و تنبیہہ و تسہیل (آسان کرنا) مقصود ہے۔ یہ نہیں کہ مراد حق تعالیٰ یہ ہے۔ تو اس کو رائے شخصی کہہ کر تغلیظ کرنا (یعنی کسی کو غلط کی طرف منسوب کرنا) محض شخصی رائے ہے جو تحقیق علماء کے بالکل خلاف ہے۔" قرآن مبارک کی بہت سی سورتیں مختلف حروف مقطعات سے شروع ہوئی ہیں اور ان سب حروف کا مطلب یہی ہے جو حضرت مولانا رحؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔

۱۰۲۔ اوقات ثلٰثہ :۔ معنے تین وقت۔ چونکہ یہ اوقات ثلٰثہ یعنی تین وقت مسلمانوں کے کے لیے پردوں کے وقت ہیں اس لیے ان میں احتیاط ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان تین وقتوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے جو سورۂ النّور میں ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ .... وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝ ترجمہ:۔ اے ایمان والو (تمہارے پاس آنے کے لیے) مملوکوں کو اور تم میں جو حدِ بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں اجازت لینا چاہیے۔ (ایک تو) نمازِ صبح سے پہلے اور (دوسرے) جب (سونے لیٹنے کے لیے) دوپہر کو اپنے (بعض) کپڑے اُتار دیا کرتے ہو۔ اور (تیسرے) نمازِ عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردوں

کے وقت ہیں (اور) ان اوقات کے سوا ۔ نہ تم پر کوئی الزام ہے اور نہ (بلا اجازت چلے آنے میں) ان پر کچھ الزام ہے۔ (کیونکہ) وہ بکثرت تمھارے پاس آتے جاتے رہتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس۔ اسی طرح (جیسا یہ حکم صاف صاف بیان کر دیا) اللہ تعالیٰ تم سے (اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے) اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر یوں بیان فرماتے ہیں کہ "یعنی یہ اوقات چونکہ عادۃً اور غالباً تخلیہ اور استراحت کے ہیں۔ ان میں اکثر آدمی بے تکلفی سے رہتے ہیں۔ اس لیے اپنے مملوکین (لونڈیاں۔ زر خرید غلامان) اور نابالغ بچوں کو سمجھا دو کہ بے اطلاع اور اجازت لیے بغیر تمھارے پاس نہ آیا کریں۔

فائدہ: کچھ تخصیص تین وقت کی نہیں۔ اُس وقت عادت اسی کے موافق تھی۔ باقی جہاں جیسی ضرورت ہو، وجودِ علّت (وجہ) پر مدار ہے۔"

۱۰۳۔ اِحتِرامِ مسجد:۔ اِحترام معنے حرمت اور عزّت کرنا + مَسجِد معنے جگہ عبادت کرنے کی۔

مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے گھر ہیں۔ مسلمان ان مسجدوں میں جا کر صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، نمازیں اور تسبیح و تحمید کرتے ہیں، اللہ کی یاد کرتے ہیں اور بالخصوص نماز پڑھنے سے ان کو نہ کسی چیز کی خرید غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ فروخت ہی کسی چیز کی ان کو غفلت میں ڈالنے پاتی ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مسجد کی عزت و حرمت اور ادب کے لیے اپنی تفسیر قرآنی میں اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ "مسجدیں اور اُن کا ادب یہ ہے کہ اُن میں جُنُب (ناپاک، بے غسل آدمی) و حائض (وہ عورت جس کے حیض کا خون جاری ہو) داخل نہ ہو، اور اُن میں کوئی نجس چیز داخل نہ کی جائے۔ وہاں غُل نہ مچایا جاوے، دنیا کے کام اور باتیں کرنے کے لیے وہاں نہ بیٹھیں، بدبو کی چیز کھا کر ان میں نہ جاویں۔" (سورۂ نور)

اِسْرَاء کے لغوی معنے، رات کو راہ چلنا ہیں۔

۱۰۴۔ اِسْرَاء:- قرآن پاک میں پارہ پندرھویں "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ" میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝" ترجمہ:- وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندہ (محمدؐ) کو شب کے وقت مسجد حرام (یعنی مسجد کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں کر رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم ان کو اپنے کچھ عجائبات قدرت دکھلا دیں۔ بیشک اللہ تعالےٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں۔۔۔۔۔

(سورۂ بنی اسرائیل)

حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ" بیت المقدس یعنی (مراد) ملک شام + دینی برکت یہ کہ وہاں بکثرت انبیاء (علیہم السلام) مدفون ہیں۔ دنیوی برکت یہ کہ وہاں اشجار و انہار و بیداوار کی کثرت ہے۔ مسجد حرام سے اقصیٰ تک لے جانے کو اِسْرَاء کہتے ہیں اور آگے آسمانوں پر جانے کو معراج کہتے ہیں۔ اور گاہے دونوں لفظ مجموعہ پر اطلاق کیے جاتے ہیں۔"

۱۰۵۔ انسان کی چار حالتیں:- یعنی اللہ تعالےٰ نے انسان کو دوبار مردہ رکھا اور دوبار زندگی بخشی۔ لیکن کفار آخرت کی زندگی کا انکار کرتے ہیں۔ اور وہ جب قیامت میں باری تعالےٰ کے سامنے پیش ہوں گے تو اپنی خطاؤں کا اقرار کریں گے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مبارک میں ارشاد فرمایا ہے:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِیْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ —— ترجمہ:- جو لوگ کافر ہوئے (اُس وقت) ان کو

پکارا جاوے گا کہ جیسی تم کو (اس وقت) اپنے سے نفرت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو (تم سے) نفرت تھی۔ جب کہ تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے۔ پھر تم نہیں مانا کرتے تھے۔ وہ لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دوبار مُردہ رکھا اور دوبار زندگی دی۔ سو ہم اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا (یہاں سے) نکلنے کی کوئی صورت ہے؟ (سورۂ المؤمن)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر بیان فرماتے ہیں "دوبار مُردہ رکھا یعنی ایک بار قبل تَوَلُّد (پیدا ہونے سے پہلے) جب کہ حالتِ جمادیت میں تھے، جس میں جان متعارف نہیں ہوتی۔ اور دوسری بار جس کو سب موت کہتے ہیں۔ اور دوبار زندگی دی۔ یعنی ایک دنیا کی زندگی۔ دوسری آخرت کی۔

فائدہ:- یہ سب چار حالتیں ہوئیں۔ گو ان میں انکار ایک ہی کا تھا اور اسی کا اقرار اس وقت مقصود ہے۔ لیکن بقیہ تین حالتیں اس لیے ذکر کر دیں کہ وہ یقینی تھیں پس مقصود یہ ہوگا کہ یہ رابعہ بھی مثل ان ہی ثلٰثہ کے متیقّن و متحقّق ہے۔"

۱۰۶- انبیاء علیہم السّلام:- انبیاء جمع ہے نبی کی + نبی معنے خبر دینے والا، پیغمبر جو خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لیے آیا ہو۔ واضح ہو کہ نبی عام ہے خواہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو۔ اور رسول خاص ہے یعنی وہ پیغمبر جو صاحبِ کتاب ہو۔ ...... انبیاء علیہم السلام کو تین جماعتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موسومہ "قصص القرآن حصہ دوم" میں انبیاء علیہم السّلام کو تین جُدا جُدا حلقوں میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

باری تعالیٰ قرآن عزیز کی سورۂ انعام میں ارشاد فرماتے ہیں:- كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا

وَ یَحْیٰی وَ عِیْسٰی وَ اِلْیَاسَ کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ الْیَسَعَ وَ یُوْنُسَ وَ لُوْطًا ؕ وَ کُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ (انعام)

ترجمہ: ہم نے (ان میں سے) ہر ایک کو ہدایت عطا فرمائی اور نوحؑ کو ہدایت بخشی ان سے پہلے۔ اور ابراہیمؑ کی نسل میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی یہی راہ دکھائی اور ہم اس طرح نیک کرداروں کو نیکی کا بدلہ دیتے ہیں اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی یہ سب صالح انسانوں میں سے تھے، اور اسمٰعیلؑ، الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی۔

قرآنِ عزیز نے اس فہرست میں انبیاء علیہم السّلام کو تین جُدا جُدا حلقوں میں بیان کیا ہے۔ اس کی حکمت کیا ہے؟ اکثر مفسرین اس کے اکتشاف (معلومات) پر متوجہ ہوئے ہیں۔ ان تمام اقوال میں سب سے بہتر توجیہہ قول صاحب المنار کی ہے جس کا حاصل یہ ہے۔

اللہ تعالےٰ نے اس مقام پر انبیاء و رُسل کو تین جُدا جُدا جماعتوں میں اس لیے بیان کیا ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں خصوصی امتیاز ان کے پیش نظر تین قسم کی جماعتیں تھیں بعض انبیاء علیہم السّلام وہ تھے جو صاحب تخت و تاج اور صاحب حکومت تھے یا وزارت و سرداری کے مالک تھے اور بعض انبیاء علیہم السّلام کی زندگی اس کے برعکس زاہدانہ اور راہبانہ تھی۔ اور دولت و ثروت سے یکسر نفور فقیرانہ معیشت (دولت و تونگری سے سراپا سر سے قدم تک نفرت اور مُفلسانہ زندگی) کے حامل تھے۔ اور بعض نہ تو اپنی قوم میں حاکم اور صاحبِ تخت و تاج تھے اور نہ خالص راہبانہ زندگی کے حامل بلکہ ایک طرف قوم کے ہادی و پیغمبر تھے اور دوسری طرف متوسط معیشت سے وابستہ، لہٰذا جب قرآنِ عزیز نے ان انبیاء و رسل کا ذکر کیا تو اُن کے زمانہائے بعثت (نبوت کے زمانوں) اور بعض دوسری خصوصیات میں مشابہت سے الگ ہو کر اسی نقطۂ نظر سے اُن کو تین جماعتوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ترتیب درجات کے لحاظ سے ترتیب ذکر کو بھی ضروری سمجھا یعنی پہلی فہرست میں اوّل حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا

ذکر کیا جو نبی و رسول ہونے کے علاوہ صاحبِ مملکت بھی تھے اور اس کے بعد حضرت ایوبؑ اور حضرت یوسفؑ کا تذکرہ کیا جو اگرچہ صاحب مملکت نہ تھے مگر اول الذکر چھوٹی سی ریاست کے مالک تھے اور ثانی الذکر حکومتِ مصر کے وزیر اور مختارِ کل تھے۔ اور اس کے بعد حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کا نام آیا جو نہ بڑی حکومت کے مالک تھے اور نہ چھوٹی ریاست کے مالک یا کسی حکومت کے وزیر اور مختارِ کل بلکہ اپنی قوم کے رسول اور پیغمبر بھی تھے اور اُن کے سردار بھی۔

دوسری فہرست میں اُن انبیاء کرام کا تذکرہ ہے جنھوں نے ساری عمر زہادت (تقویٰ اور پرہیزگاری) میں گذاری)۔ انھوں نے نہ رہنے کو مکان بنایا اور نہ کھانے پینے کا سامان فراہم کیا۔ دن بھر تبلیغِ حق میں مصروف رہتے اور شب کو یادِ الٰہی کے بعد جہاں جگہ میسر آجاتی ہاتھ کا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہتے۔ حضرت یحییٰؑ، زکریاؑ عیسیٰؑ اور الیاسؑ علیہم السّلام اس سلسلہ میں بہت مشہور اور ممتاز ہیں۔

تیسری فہرست میں اُن پیغمبروں کا تذکرہ ہے جنھوں نے نہ حکومت اور سرداری کی اور نہ خالص زہادت اختیار کی بلکہ متوسط زندگی سے وابستہ رہ کر حقِ تبلیغ و رسالت ادا کیا۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ اور لوطؑ علیہم السّلام اسی درمیانی زندگی کے حامل تھے۔"

۱۰۷۔ اعجازِ قرآن: معنے قرآن مجید کی وہ بزرگیاں اور اوصاف جن سے کافر عاجز ہو جائیں۔

"قرآن شریف کے بے شمار خصائص کے لیے ایک جامع لفظ "اعجاز" ہے یعنی قرآنِ مجید اپنے اعجاز کے سبب کلامِ الٰہی ہے۔ جس طرح کسی جاندار چیز کا پیدا کرنا، اور پھر مار ڈالنا۔ آسمان سے پانی کا برسنا اور پھر بادلوں کا کھل جانا، مشرق سے آفتاب کا طلوع ہونا اور پھر غروب ہو جانا، ہوا کا چلنا اور تھمنا یہ سب چیزیں انسان کی دسترس اور قابو سے باہر ہیں اور اس لیے یہ سب ایک زبردست قوت کے وجود کی دلیل ہیں جو اپنی قدرت و حکمت سے اس کارگاہِ ہست و بود (فانی دنیا) کو انتہائی نظم و

انتظام کے ساتھ چلا رہی ہے۔ اسی طرح قرآن کا معجزہ نما (عاجز کرنے والا) ہونا یعنی انسانوں کا اس جیسا کلام لانے سے عاجز رہنا اُس کے وحیِ الٰہی ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کا یہ اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے؟ علمائے اسلام نے اپنے اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق اس سوال کے متعدد جوابات دیئے ہیں جن کو مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

(۱) قرآن مجید کا نظمِ کلام، اور اسلوبِ ادا معجز ہے۔ تفصیل اس اجمال (بہت کو تھوڑا کر دینے) کی یہ ہے کہ عرب کے کلامِ نثر کے لیے جتنے اَسالیب (طریق) مقرر تھے۔ قرآن مجید نے اُن سب سے الگ ایک نیا اُسلوب اختیار کیا ہے جس کا مثل لانا انسان کے حیطۂ (احاطہ) قدرت سے باہر ہے۔ یہ مسلک معتزلہ کی ایک بڑی جماعت کا ہے۔

(۲) بعض متکلمین (صاحبانِ علمِ کلام) کے نزدیک قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ وہ ایک نبیِ اُمّی کی زبان سے ادا ہوا۔

(۳) بعض کی رائے یہ ہے کہ قرآن مجید میں گذشتہ اقوام و مِلَل (گذری ہوئی قوموں اور مذہبوں) کے جو واقعات بیان کیے گئے ہیں اور بعض آئندہ واقعات کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کی گئی ہیں اور وہ سب حرف بحرف پوری ہوئی ہیں قرآن اُن کے لحاظ سے مُعجِز ہے۔

(۴) بعض علماء کہتے ہیں کہ قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ وہ شروع سے آخر تک ایک ہی اُسلوب اور ایک ہی طریقہ میں ہے۔ اُس میں رفع و خفض اور نشیب و فراز (اُٹھاؤ و گراؤ اور نیچ اونچ) بالکل نہیں پایا جاتا۔

(۵) ایک جماعت کہتی ہے کہ اعجازِ قرآن کا اصل راز اُس کے احکام و تعلیمات میں ہے کہ کوئی انسانی دماغ اس طرح کے معتدل اور پُر از حکمت و ہدایت احکام وضع نہیں کر سکتا۔

(۶) کچھ حضرات کی رائے ہے کہ قرآن مجید کا اعجاز اُس کی حیرت انگیز تاثیر ہے جس سے عربی کا ذوق نہ رکھنے والے بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

قرآن مجید نے خود اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا ہے اور منکرین کو چیلنج دیا ہے کہ اگر وہ اسے کلام الٰہی نہیں مانتے تو انھیں چاہیئے کہ اُس کی سی چھوٹی سی سورۃ کا مثل لاکر دکھائیں (لیکن نہیں لاسکتے۔ کیونکہ) اللہ تعالےٰ نے خود قرآنِ مبارک میں قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے :۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہٗ لحافظون۔ ترجمہ : ہم نے ہی قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اُس کی حفاظت کریں گے ۔

حضرت علیؓ نے قرآن مجید کی نسبت ایک نہایت بلیغ کلام کیا ہے ہم وجوہ اعجاز کی بحث کو اس پر ہی ختم کرتے ہیں ۔

"قرآن علماء کی پیاس کے لیے سامان سیرابی ہے اور فقہا کے دلوں کے لیے فصل بہار، وہ صلحاء کے لیے ایک جادۂ مستقیم (سیدھی راہ) ہے اور ارباب بحث و نظر کے لیئے بُرہانِ قوی (مضبوط دلیل) ہے، اور طلبۂ علوم کے لیے علم کا انمول خزانہ ہے اور اربابِ حکومت کے واسطے ایک محکم دستور اساسی (ایک مضبوط قانون کی بنیاد) اور اصحاب روایت کے لیے حدیث جانفزا ہے ۔ اور تشنگانِ تحقیق و جستجو (کھوج اور تلاش کے پیاسوں یعنی دریافت کرنے والوں) کے لیے امید و رجاء (آرزو اور بھروسے) کا سب سے بڑا سہارا۔" (وحی الٰہی)

۱۰۸۔ اللہ تعالےٰ کی صِفتِ حکمت :- معنے خدائے بزرگ و برتر کی دانائی کی تعریف :۔ واضح ہو کہ صِفتِ اور وَصف میں بموجب اصطلاح کے فرق یہ ہے کہ جو کوئی کسی کی تعریف کرے وہ وَصف ہے اور جو اس شخص کی ذات میں نیک خصلتیں ہوں وہ صِفت ہیں۔

اللہ تبارک و تعالےٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی صفت، حکمت اور مصلحت ہوتی ہے۔ وہ اپنے بندوں کے لیے جو کچھ کرتا ہے اِن صفات سے خالی نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہر شخص یعنی اپنے بندہ کی ہر خواہش و ضرورت کو خوب جانتا ہے۔ لیکن اُس کو جب اُس کا بندہ طلب کرتا ہے اُسی وقت دینا یا روک لینا اللہ کی حکمت و مصلحت ہوتی ہے جو بندہ کے لیے جسے وہ نہیں جانتا یا وہ نہیں سمجھتا ہے۔ بہتر و مفید ہوتی ہے۔

اللہ جل شانہ، کے فیصلے کسی نہ کسی حکمت و مصلحت کے تحت ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لیے بہتری لیے ہوئے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝ (الشوریٰ) ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کے لیے روزی فراخ کر دیتا تو وہ دنیا میں شرارت کرنے لگتے۔ لیکن جتنا رزق چاہتا ہے انداز (مناسب) سے (ہر ایک کے لیے) اُتارتا ہے۔ وہ اپنے بندوں (کے مصالح) کو جاننے والا اور ان کا حال) دیکھنے والا ہے۔

۱۰۹۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر:- یعنی نیک کاموں کے کرنے کو کہنا اور بُرے کاموں سے

روکنا ۔۔۔ اسلام نے جہاں ہر چیز کی اچھائی بُرائی کے کرنے اور نہ کرنے کی تعلیم دی ہے وہاں پر اس امر کی طرف زیادہ توجہ دلائی ہے کہ جو نیک کام ہیں اُن کو خود بھی اختیار کرو اور دوسروں کو بھی ان کے کرنے کے لیے کہا کرو۔ اور جو کام برائی کے ہیں یا بُرے ہیں اُن کو نہ تو خود کیا کرو اور اگر کوئی دوسرا کر رہا ہے یا کرنے کا ارادہ بھی کرتا ہے تو اس سے اُسے منع کر دیا کرو۔ یہ بڑے ثواب کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آلِ عمران)

ترجمہ:- اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور بُرے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے۔

اس کی تفسیر میں قرآن مجید کے حاشیہ پر حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:- "جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قادر ہو یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا ہو کہ اگر میں امر و نہی کروں گا تو مجھ کو کوئی ضرر معتدبہ (یعنی معتبر اور قابلِ اعتبار)

لاحق نہ ہوگا۔ اس کے لیے امور واجبہ میں امر و نہی کرنا واجب ہے اور امور مستحبہ میں مستحب اور جو آدمی بالمعنی المذکور قادر نہ ہو اس پر امر و نہی کرنا امور واجبہ میں بھی واجب نہیں۔ البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔"

۱۱۰۔ اخلاص سے نماز پڑھنا:۔ معنے خالص اللہ تعالےٰ کے لیے نماز پڑھنا۔

ساری عبادتوں میں نماز سب سے اوّل ہے۔ نماز ہی وہ عبادت ہے جو آسمان پر فرض ہوئی ہے۔ اس کے لیے یہ حکم ہے کہ اگر بندہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت نہیں ہے تو لیٹ کر نماز اشارہ سے ادا کرے۔ نماز ایک ایسا فرض ہے کہ جب تک ہوش باقی ہے نماز کو ادا کرنا فرض ہے۔ نماز کا قیامت میں سب سے پہلے سوال ہوگا اس لیے نماز کو اخلاص ہی کے ساتھ پڑھنا چاہیئے۔ اس سے گناہ اس طرح معاف ہوتے ہیں جس طرح درختوں سے پتّے گرتے ہیں۔

ایک حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سردی کے موسم میں باہر تشریف لائے اور پتّے درختوں سے گر رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی ٹہنی ہاتھ میں لی اس کے پتّے اور بھی گرنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابوذر مسلمان بندہ جب اخلاص سے اللہ تعالےٰ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ ایسے ہی گرتے ہیں جیسے یہ پتّے درخت سے گر رہے ہیں۔" (فضائلِ نماز)

۱۱۱۔ اُمّت کے تین طبقے:۔ اُمّت معنے ایک گروہ جو تابع کسی کا ہو۔ جیسے مسلمان، نصاریٰ، یہود۔ طبقے جمع ہے طبقہ کی معنے درجے۔

یعنی اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کے تین درجے قائم کیے ہیں۔ اور ان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"اُمّت تین طبقوں پر منقسم ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ خدا نے اہلِ ایمان کے تین درجے قائم کیے ہیں۔ پہلا درجہ مہاجروں کا جو ختم ہو چکا۔ اب

کسی کو نہیں مل سکتا۔ دوسرا درجہ انصار کا، وہ بھی ختم ہو چکا اور اب کسی کو نہیں مل سکتا۔ تیسرا درجہ ان لوگوں کا ہے جو مہاجرین و انصار کے بعد ہوں اور ان کے لیے دُعاگو رہیں۔ اور استغفار کرتے رہیں۔ یہ درجہ باقی ہے اور انسان کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ تیسرے گروہ میں رہے اور اگر کوئی دعاگو ہونے کے بجائے مہاجرین و انصار کا دُشنام گو (گالی دینے والا) ہوگا تو انجام کا وہ ذمہ دار ہوگا۔"

(تفسیر سورۂ الحشر از حضرت تھانویؒ)

اس تفسیر پر غور کیجیے، اور پھر اُن ایسے لوگوں کی بد دماغی پر افسوس کیجیے۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بُرے الفاظ سے یا بُری باتوں کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اللہ ہمیں اور آپ سب کو اس تیسرے گروہ میں شامل فرمائے۔ اور جو لوگ اب بھی دُشنام گو ہیں انھیں راہِ راست پر لے آئے۔ آمین۔

۱۱۲۔ اِنسان کی پیدائش کی تین صورتیں:۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو تین شکل سے پیدا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ج (النساء) ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا۔ اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

اب اس کی تفسیر سنیئے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے:۔ "اس آیت میں پیدائش کی تین صورتوں کا بیان ہے۔ ایک تو جاندار کا بے جان سے پیدا کرنا کیونکہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ دوسرے جاندار کا جاندار سے بلا طریقۂ توالدِ متعارف پیدا ہونا (یعنی اولاد پیدا کرنے کے جانے سمجھے بلا طریقہ سے پیدا ہونا) کیونکہ حضرت حوا علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اور تیسرے جاندار کا جاندار سے بطریقِ توالدِ متعارف پیدا ہونا جیسے اور آدمی آدمؑ و حواؑ سے اس وقت تک پیدا

ہوتے چلے آرہے ہیں اور فی نفسہٖ عجیب ہوتے ہیں اور قدرت کے سامنے عجیب نہ ہونے میں تینوں صورتیں برابر ہیں۔"

۱۱۳۔ انبیاء علیہم السّلام معصوم ہیں:-

انبیار جمع ہے نبی کی + معصوم معنے بچایا گیا اور نگاہ رکھا گیا۔ گناہ سے بے گناہ۔

"(اللہ تعالیٰ) وحی آلہی کی حفاظت کے محافظ فرشتے متعین فرما دیتا ہے جو شیطانوں اور ان کے وسوسوں سے وحی آلہی کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ کلام ربّانی اور وحی آسمانی میں اختلاط (مل جانا) نہ ہونے پائے۔ ورنہ دینِ حق کی حقانیت پر سے اعتماد اُٹھ جائے گا اسی بنار پر انبیار علیہم السّلام کو معصوم کہا جاتا ہے اور یہی باعث ہے کہ شیطان کسی کے خواب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ نہیں بن سکتا۔" (تفسیر حضرت تھانویؒ)

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "قصص القرآن جلد اوّل کے ص۳۳ پر "عصمتِ نبی" کے معنے بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "خالقِ کائنات نے انسان کی تخلیق متضاد قوتوں کے ساتھ فرمائی ہے۔ یعنی اس کو نیک و بد دونوں قسم کی قوتیں عطا کی گئی ہیں۔ وہ گناہ بھی کر سکتا ہے اور نیکی بھی۔ وہ ارادہ بد کا بھی حامل ہے اور ارادۂ خیر کا بھی اور یہی اس کے انسانی شرف کا طغرائے امتیاز ہے۔

ان متضاد قوتوں کے حامل "انسان" میں سے حضرتِ حق انسانی رشد و ہدایت (نیک راہ کی رہنمائی کرنے) کے لیے کبھی کبھی کسی شخص کو چُن لیتے اور اس کو اپنا رسول نبی اور پیغمبر بنا لیتے ہیں اور اس سلسلہ کی آخری کڑی ذاتِ اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سو جب یہ ہستی "نبوت" کے لیے چُن لی جاتی ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ عمل و ارادہ کی زندگی میں ہر قسم کے گناہ سے پاک اور ہمہ قسم کی نافرمانیوں سے مُنزّہ (پاک صاف) ہو، تاکہ پیغامِ الٰہی کے منصب میں خدا کی صحیح نیابت ادا کر سکے۔ اس طرح وہ ایک انسان اور بشر بھی ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے اور اہل و عیال

کی زندگی سے وابستہ بھی ہے اور وہ ہر قسم کے عملی اور ارادی گناہوں سے پاک بھی ہے کیونکہ وہ ہر قسم کی نیکی کے لیے ہادی و مرشد اور خدا کا نائب ہے۔ اگرچہ وہ دوسرے انسانوں کی طرح متضاد قوتوں کا حامل ضرور ہے لیکن عمل اور ارادہ میں اُس سے ہر قسم کی بدی کے ظہور کو ناممکن اور محال کر دیا گیا ہے تاکہ اس کا ہر ارادہ، ہر عمل اور ہر قول غرض ہر حرکت و سکون کائنات کے لیے اُسوہ (پیشوا) اور نمونہ بن سکے۔ البتہ بشریت و انسانیت سے متصف ہونے کی بنا پر سہو، نسیان اور لغزش کا امکان باقی رہتا ہے اور کبھی کبھی عملی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے مگر فوراً ہی اس پر متنبہ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

سہو اور نسیان تو اپنے مفہوم میں ظاہر ہیں مگر زَلّۃ (لغزش) کیا ہے؟ تو اس کا اطلاق ایسی حقیقت پر ہوتا ہے کہ جہاں نہ عمل اور کردار میں تمرّد (سرکشی) کا دخل ہو اور نہ قصد و ارادہ کے ساتھ حکم کی خلاف ورزی کا اور ساتھ ہی وہ عمل اپنی حقیقت اور ماہیت کے اعتبار سے قبیح، بد اور شر بھی نہ ہو اور ان تمام امور کے پیش نظر وہ اپنی ذات میں اباحت (مباح) اور جواز (موافق شرع) کا درجہ رکھتا ہو مگر کرنے والے کی ہستی کے شایانِ شان نہ ہو بلکہ اس کے عظیم رتبہ کے سامنے نازل اور ہلکا نظر آتا ہو۔ بایں ہمہ اس لیے عمل میں آ گیا کہ عمل کرنے والے کی نگاہ میں اس کا اس طرح کرنا خدائے تعالےٰ کی مرضی کے خلاف نہ تھا لیکن نبی پر چونکہ خدائے تعالےٰ کی مستقل حفاظت و نگرانی رہتی ہے اس لیے فوراً ہی اس کو متنبہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ عمل تمہاری جلالت قدر اور عظمتِ مرتبہ کے شایانِ شان نہیں ہے اور قطعی غیر مناسب ہے۔

نبی تو معصوم ہوتا ہے اور عصمت نافرمانی اور گناہ کے متضاد ہے۔ اسی مجموعۂ حقیقت کا نام عصمت انبیاء ہے اور یہی اسلامی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے۔"

۱۱۴۔ **ایسے جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے:** حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ بعثت سے قبل عرب زمانۂ جاہلیت میں نہ صرف پرستارانِ بُت ہی تھے بلکہ ان بتوں کے نام پر اپنے جانور تک بھی اُن کی نذر کے لیے چھوڑا کرتے تھے۔ حتٰی کہ دودھ بھی اُن کا۔ ہم ایسے جانوروں کی قسمیں اپنے معزز ناظرین کی واقفیت کے لیے سورۂ المائدۃ پارہ واذا سمعوا ع ۱۳ کی تفسیر سے ماخوذ کر کے یہاں پر تحریر کر رہے ہیں۔ "بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے اسے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا اور سائبہ وہ جانور ہے جس کا بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، اس سے کوئی کام نہ لیتے تھے، جیسے اس ملک میں بعضے لوگ سانڈ چھوڑتے ہیں اور وصیلہ وہ ناقہ ہے جس نے پہلی بار مادہ بچہ جنا، پھر دوسری بار بھی مادہ بچہ دے، درمیان میں نر بچہ پیدا ہو۔ اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور حام وہ نر اونٹ ہے جو ایک خاص شمار سے جفتی کر چکا ہو۔ اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے، یہ سب باطل اور کفر و شرک ہیں۔" جیسا کہ ارشاد باری تعالٰے ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ المائدۃ) ترجمہ:۔ اللہ تعالٰے نے نہ بحیرہ کو مشروع کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو، اور نہ حام کو، لیکن جو لوگ کافر ہیں، وہ اللہ تعالٰے پر جھوٹ لگاتے ہیں۔ اور اکثر (کافر) اُن میں کے عقل نہیں رکھتے۔

۱۱۵۔ اسلام پیغامِ محبّت ہے:۔

پیغام معنے پیام۔ سندیسہ + محبت معنے دوستی۔ اُلفت۔ یعنی اسلام ایک ایسا پیام لایا ہے جس نے بیگانوں کو یگانہ اور بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا ہے۔

"یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام وہ پیغامِ محبت ہے جو بچھڑے ہوؤں کو ملاتا، بیگانوں کو یگانہ اور آشناؤں کو صدیق بنا دیتا ہے۔ احکام اسلام کا منشا بھی یہی ہے کہ افراد مختلفہ کو ملت واحدہ بنا کر کلمۂ واحد پر جمع کر دیا جائے۔ اس لیے اہل محلہ میں محبت و اتحاد پیدا کرنے اور قائم رکھنے کے لیے پنج گانہ نمازوں کے وقت اہلِ محلہ پر

محلہ کی مسجد میں جمع ہونا واجب کیا گیا ہے۔

اہلِ شہر میں محبت و تعلق بڑھانے کے لیے ہفتہ میں ایک بار اُن کا مسجد جامع میں اکٹھا ہونا۔ مل کر نماز جمعہ ادا کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اہلِ شہر اور دیہات قرب وجوار کے رہنے والوں کو تعارف و تعلق، محبت و شناسائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کے لیے سال میں دوبار عیدین کی نماز کو سُننِ ہدیٰ میں قرار دیا گیا ہے۔ ہر دو موقعوں پر دیہات والے شہر کی طرف آتے ہیں، اور شہر والے شہر سے باہر نکل کر اُن سے ملاقی ہوتے، اور مل جل کر عبادت الہٰی ادا کرتے ہیں۔

۱۱۶۔ **اجتماعِ عالم** :۔ اجتماع معنے اکٹھا ہونا۔ جمع ہونا + عالم معنے جو چیز کہ سوائے خدائے تعالےٰ کے ہے وہ عالم ہے۔ یعنی جہان، مخلوقات، + یعنی تمام دنیائے فانی کے ایمان دار مردوں اور عورتوں کا ایک جگہ جمع ہونا۔

مذہب اسلام کے پانچ رکن ہیں، ان میں پانچواں رکن حج ہے اور یہ آخری رکن ہے۔

"قرآن شریف میں حج کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ؕ (سورۂ آل عمران) ترجمہ:۔ اور بیشک اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اُن لوگوں پر جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، اور جو لوگ نہ مانیں تو اللہ بے نیاز ہے سب دنیا سے۔

اس آیت میں حج کے فرض ہونے کا اعلان بھی فرمایا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ وہ صرف اُن لوگوں پر فرض ہے جو وہاں تک پہنچنے کی طاقت اور حیثیت رکھتے ہوں۔" (اسلام کیا ہے؟)

"اسلامی عالم میں رابطہ دین کے مضبوط کرنے، مختلف قوموں، مختلف نسلوں، مختلف زبانوں، مختلف رنگوں اور مختلف ملکوں کے اشخاص کو دینِ واحد کی عبادت میں شامل ہونے کے لیے حج عمر بھر میں ایک دفعہ اُن سب اشخاص پر جو وہاں جانے کی استطاعت

رکھتے ہوں فرض کیا گیا ہے۔ حج میں سب کے لیے وہ سادہ بن سِلا لباس جو نسلِ انسانی کے پدرِ اعظم آدم علیہ السلام کا تھا۔ تجویز کیا گیا ہے تاکہ ایک ہی رسول صلعم، ایک ہی قرآن ایک ہی کعبہ پر ایمان رکھنے والے، ایک ہی صورت ایک ہی لباس میں، ایک ہی سطح پر نظر آئیں اور چشمِ ظاہر بین کو اتحادِ معنوی رکھنے والوں کے اندر کوئی اختلاف ظاہری محسوس نہ ہو سکے۔

حج کے لیے وہ مقام قرار دیا گیا ہے، جہاں صابی، یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے جدِّ اعظم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کی سب سے پہلی عبادت گاہ بنائی تھی۔ چونکہ اقوام بالا کا مجموعہ دنیا کی دیگر اقوام سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس مقام کے اختیار کرنے کی تائید کثرتِ رائے اور قدامتِ زمانہ دونوں طرح ہوتی ہے۔

حج سے مقصود شوکتِ اسلام کا اظہار بھی ہے اور مسلمانوں کو سفرِ بحر و بر سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ بھی اس مقصود کے ضمن میں داخل ہیں۔

بادشاہ کا جو مقصود شاندار درباروں (مثل کارونیشن) کے انعقاد سے ...... ایک مارشل کا جو مقصود عظیم فوجی ریویو سے ...... کانفرنس کا جو مقصود سالانہ جلسوں کے انعقاد اور ڈیلی گیٹوں کے اجتماع سے ...... ایوانِ تجارت کا جو مقصود عالم گیر نمائشوں کے قیام سے ہے وہ سب حج کے اندر مرکوز و ملحوظ ہیں۔

آثارِ قدیمہ کے جو یا، صنادیدِ عالم کے جستجو کرنے والے، عالمانِ طبقات الارض، واقفانِ علم الالسنہ، اور محققانِ تاریخِ اقوام و ماہرینِ جغرافیہ عالم کو جن باتوں کی تلاش و طلب ہوتی ہے وہ سب امور حج سے پورے ہو جاتے ہیں۔" (رحمۃ للعالمین جلد اوّل)

۱۱۷۔ اِخراجِ کفار از حرم و بیت اللہ شریف :- اخراج معنے نکالنا + کفار

جمع ہے کافر کی معنے پوشیدہ کرنے والا، چھپانے والا چونکہ بے دین حق کو چھپاتا ہے اور اسلام کی طرف نہیں پھرتا ہے اس لیے کافر کہا گیا ہے + حرم معنے احاطہ جو گرداگرد خانہ کعبہ کے ہے۔ بیت اللہ معنے اللہ کا گھر یعنی کعبہ شریف + اخراجِ کفار از حرم و بیت اللہ

شریف یعنی کفارہ کا حرم اور کعبہ سے نکالا جانا۔

۹ سنہ ہجری میں حج فرض ہوا ہے۔ چنانچہ ابھی تک یعنی شروع شروع میں لوگ بیت اللہ میں عام طریقہ سے داخل ہوتے رہتے تھے، کوئی روکاوٹ نہیں تھی حتیٰ کہ مشرک بھی کعبہ میں داخل ہو جاتے تھے۔

"اسلام میں حج ۹ سنہ ہجری میں فرض ہوا۔ اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو امیر الحجاج بنایا اور تین سو صحابہؓ کو اُن کے ساتھ کیا تا کہ سب کو حج کرائیں۔

اُن کے بعد علی مرتضیٰ رضؓ کو روانہ کیا کہ وہ سورۂ براءت کا اعلان کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے لوگوں کو حج کرایا اور حضرت علیؓ مرتضیٰ نے سورۂ براءت کی چالیس آیتوں کو مع اُن احکام کے پڑھ کر سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہونے پائے گا اور کوئی شخص برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف نہ کر سکے گا۔"

(رحمتہ اللعالمین)

"سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے کہ ابن اسحاق رحؒ نے کہا ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے ۹ سنہ ہجری میں ابوبکر صدیق رضؓ کو امیر حج مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ چنانچہ ابوبکر صدیق رضؓ مسلمانوں کو لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے اور سورۂ براءت کی آیات اس عہد کے نقض (کم کرنے) کی بابت نازل ہوئیں جو آنحضرت (صلعم) اور مشرکین میں ہوا تھا۔ کہ کوئی شخص بیت اللہ کی زیارت سے روکا نہ جائے۔ یہ کہ شہر حرام میں لڑائی نہ کی جائے۔ یہ کہ مشرکین اور مسلمانوں میں یہ عہد عام سمجھا جائے۔ اس کے بعد سورۂ براءت کی آیات با تفصیل لکھ کر لکھتا ہے کہ ابن اسحٰق رحؒ نے کہا ہے کہ مجھ سے حکیم بن عباد بن حنیف نے ابو جعفر محمدؐ بن علی رضی اللہ عنہ، سے روایت کیا ہے کہ جب براءت کی آیات آنحضرت (صلعم) پر نازل ہوئیں اور اس سے بیشتر ابوبکر صدیق رضؓ بفرض ادائے حج امیر حج ہو کر روانہ ہو گئے تھے۔ لوگوں نے آنحضرت (صلعم) سے عرض کیا کہ ابوبکر رضؓ کی معرفت اس کو بھیج دیا ہوتا۔ آپؐ نے فرمایا اس کو کوئی شخص سوائے میرے یا میرے خاندان والوں کے

نہیں پہنچا سکتا ہے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے علیؓ ابن ابی طالب کو بلا کر فرمایا کہ تو، اِن آیات کو لے کر جاؤ اور جس وقت لوگ یوم النحر منیٰ میں جمع ہوں تو ان آیات کو سنا کر کہہ دینا کہ جنت میں کوئی کافر نہیں داخل ہو سکے گا۔ اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا۔ اور بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہ کریں اور جس کا جو عہد رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہے وہ اپنی مدت تک پورا کیا جائے گا بعد انقضائے میعاد (عہد توڑنے کی مدت) اللہ تعالیٰ و رسول (صلعم) کے عہد سے وہ بری ہے۔" چنانچہ علی ابن ابی طالب آنحضرت (صلعم) کے ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے تا آنکہ ابوبکر صدیقؓ تک پہنچ گئے۔ ابوبکر صدیقؓ نے لوگوں کو حج کرایا اور علی ابن ابی طالب نے یوم النحر کو کھڑے ہو کر آیاتِ برأت سنا کر جو پیام آنحضرت (صلعم) نے بھیجا تھا علی الاعلان کہہ دیا۔"

(حاشیہ ابن خلدونؒ جلد سوم)

۱۱۸۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ کلام:

پسندیدہ معنے برگزیدہ۔ اچھا
کلام معنے بات کرنا۔

یعنی وہ باتیں، وہ ذِکر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک برگزیدہ ہیں۔ ایسا ذِکر جو اللہ تعالیٰ کو پسند اور مرغوب ہو۔

واضح ہو کہ دین اسلام نے کلام کرنے کی بھی بہت تاکید فرمائی ہے کہ کیسا کلام کرنا چاہیئے، فضول باتوں سے منع فرمایا ہے۔ ان سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی دیکھا گیا ہے کہ فضول اور لایعنی باتیں کرنے والا اچھے لوگوں کی نظروں میں اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اور بلاوجہ ایسی باتیں کرنے سے وقت کا ضائع کرنا ہے اسی وقت میں اگر اچھی باتیں مذہب و اخلاق یا کسی کی مدد یا کسی کو غلط راستہ سے ہٹانے میں کی جائیں تو ثواب ہو گا۔ گناہ معاف ہوں گے۔ تمام دن میں اگر تھوڑے سے وقت میں بھی اللہ کا ذِکر کیا جائے، اُس کے رسول صلعم کی احادیث یعنی آپؐ کے فرمانے کے متعلق کچھ باتیں لوگوں میں عام کی جائیں تو اللہ اور اس کے رسول صلعم خوش ہوں گے، ثواب دیا جائے گا، گناہ کم کیے جائیں گے۔

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بحمد اللہ آپ مسلمان ہیں اللہ تعالےٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی رکھتے ہیں لیکن کیا کبھی یہ خیال بھی کرتے ہو کہ آج صبح اُٹھنے کے بعد کیا قرآن مبارک کی تلاوت کی ہے۔ اگر قرآن شریف نہیں پڑھ سکتے تو کیا یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مبارک پڑھ لینا یعنی سیکھ لینا چاہیئے۔ اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا معاف فرمائیں یعنی آپ پڑھنا ہی نہیں جانتے تو کسی گھر والے کے پاس یا کسی اور کے پاس بیٹھ کر سُن لیں، خود نماز پڑھیں اور دوسروں کو بھی نماز پڑھنے کی تعلیم دیں اور اگر کسی عذر کی وجہ سے اور کچھ نہ بھی ہو سکتا ہو تو مسلمان ہونے کے ناطے سے کلمہ درود یا اللہ اللہ ہی کر لیا کریں۔ خدا ہمیں اور آپ سب کو ایسی توفیق عطا فرمائے کہ ہم دین کو سیکھیں اور دوسروں کو بھی سکھائیں۔ آمین۔

"کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔" ترجمہ: دو بول ہیں جو رحمٰن کے پیارے ہیں۔ زبان پر ہلکے ہیں۔ میزانِ اعمال میں بھاری وہ یہ ہیں: سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔" (عن ابو ہریرہؓ۔ صحیح بخاری خاتمہ کتاب صحیح)

۱۱۹۔ اسلام لانے والوں سے بیعت اور اُس کے شرائط:

بَیعت معنے فرمانبرداری کرنا + شرائط جمع ہے شرط کی معنے عہد و پیمان۔

"فتح مکہ کے بعد رحمۃ اللعالمین اس گردن زدنی و کشتنی جماعت کی جانب متوجہ ہوئے اور زبانِ مبارک سے فرمایا: "اے جماعتِ قریش خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے کا غرور آج توڑ دیا (سچ تو یہ ہے) سب لوگ آدم کے فرزند ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنایا گیا تھا۔ خدا فرماتا ہے۔ لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور قبیلے سب پہچان کے لیے بنا دیے ہیں اور خدا کے یہاں تو اس کی زیادہ عزت ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے۔

پھر فرمایا۔ جاؤ تم آزاد ہو۔ اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر بیٹھ کر مسلمان ہونے والوں کی بیعت قبول فرمائی۔ اس موقع پر عمر فاروق رضؓ ایک ایک شخص کو پیش کرتے تھے۔

بیعت کرنے والوں کو مندرجہ ذیل باتوں کا اقرار کرنا پڑتا تھا:۔

(۱) مَیں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات میں، صفات میں، اور استحقاق عبادت و استحقاق استعانت میں شریک نہ کروں گا۔

(۲) مَیں چوری نہ کروں گا، زنا نہ کروں گا، خونِ ناحق نہ کروں گا، لڑکیوں کو جان سے نہ ماروں گا، کسی پر بہتان نہ لگاؤں گا۔

(۳) مَیں امورِ حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بقدرِ استطاعت کروں گا۔"

۱۲۰۔ اسلام لانے والی عورتوں سے بیعت لینے کا طریق:

"عورتوں سے بیعت لینے کا طریق یہ تھا کہ پانی کے برتن میں آنحضرت صلعم اپنا ہاتھ ڈال کر نکال لیتے۔ پھر بیعت کرنے والی اسی برتن میں اپنا ہاتھ ڈالتی، دوسرے مواقع پر صرف اقرارِ زبانی لے کر ہی تکمیلِ بیعت فرمایا کرتے۔

عورتوں سے مزید اقرار یہ بھی لیے جاتے تھے۔ کسی کے سوگ میں مُنہ نہ نوچیں گی۔ طمانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی، نہ سر کے بال گھسوٹیں گی۔ نہ گریبان چاک کریں گی۔ نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی، اور نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھیں گی۔"

۱۲۱۔ ابنِ عمیر کا تائب ہونا:۔

ابن معنے بیٹا + تائب معنے توبہ کرنے والا۔ ان کا نام فضالہ تھا یعنی فضالہ بن عمیر اپنے ارادہ قتل سے تائب ہو گیا۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے اور یہ واقعہ فتح مکہ سے دوسرے دن کا ہے۔ یہ ہے خُلقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ غور کیجئے خُلقِ نبی صلعم پر:

"فتح (مکہ) سے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی صلعم کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ

بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت صلعم کو قتل کر ڈالے۔ جب وہ اس ارادہ سے قریب پہنچا تو نبی صلعم نے فرمایا:

"کیا فضالہ آتا ہے؟" فضالہ۔ "ہاں۔"

نبی صلعم نے فرمایا "تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے؟"

فضالہ نے کہا۔ "کچھ نہیں۔ میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا۔"

نبی صلعم یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا "اچھا تم اپنے خدا سے اپنے لیے معافی کی درخواست کرو۔" یہ فرما کر اپنا ہاتھ بھی اس کے سینے پر رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے بہت اطمینان قلب حاصل ہوا۔ اور آں حضرتؐ کی محبت اس قدر میرے دل میں پیدا ہو گئی کہ حضورؐ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔

میں یہاں سے گھر کو چلا۔ راستہ میں میری معشوقہ ملی۔ جس کے پاس میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس نے کہا۔ "فضالہ ایک بات سنتے جاؤ۔"

میں نے جواب دیا۔ "نہیں نہیں۔ خدا اور اسلام ایسی باتوں سے منع کرتے ہیں۔"

۱۲۲۔ اسلام اور فتح مکہ کے نتائج :۔

فتح معنے کھولنا مجازاً۔ جیتنا ملک کا + نتائج جمع ہے نتیجہ کی۔ معنے مراد ہیں۔ مطالب + انجام کار۔ یعنی فتح مکہ کے وہ نتائج برآمد ہوئے جس سے اشاعت اسلام کو ترقی حاصل ہوئی۔

"فتح مکہ کے بعد (جو صلح اور معافی سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے) اسلام لانے والوں کی تعداد کثیر ہو گئی تھی۔ اس کے چند اسباب ہیں:

(۱) بہت سے قبائل اسلام سے اس لیے رکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے مقابلے میں بہت کمزور تھے۔ مگر ان کے تعلقات یا رشتہ داری قریش کے ساتھ وابستہ تھی اور ان کا خیال تھا کہ اسلام لانے سے وہ تعلقات بھی منقطع ہو جائیں گے۔

اور یہ لوگ قریش کے غیظ و غضب کے مورد بھی بن جاتیں گے۔

(۲) بہت سے قبائل اسلام سے اس لیے رُکے ہوئے تھے کہ وہ قریش کے ہم عہد تھے، اور اسلام لانا بمنزلہ عہد شکنی کے تھا۔ (۳) بہت سے قبائل کی رائے تھی کہ مسلمانوں کا مکہ پر قابض ہوجانا ہی صحیح نشان ان کی صداقت کا۔ اور مقبولِ خدا ہونے کا ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سینکڑوں سال سے قومی روایات اُن میں چلی آتی تھیں کہ مکہ پر کوئی ایسا شخص فتح نہیں پاسکتا جس کے ساتھ رب العالمین کی نصرت و تائید نہ ہو۔

فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظہر علیہم فہو نبی صادق۔

ترجمہ: وہ قبائل کہا کرتے تھے کہ اسے اپنی قوم سے سلجھ لینے دو، اگر وہ اپنی قوم پر غالب آگیا تو ضرور سچا نبی ہے۔ (صحیح بخاری عن عمرو بن سلمہ رضؓ)

(۴) ہنوز مختلف قبائل میں بیسیوں بوڑھے ایسے موجود تھے جنھوں نے فاتح یمن ابرہہ حبشی کے چالیس ہزار لشکر جرار کو مکہ پر حملہ آور ہوتے دیکھا تھا۔ اس لشکر میں ہاتھی بھی تھے اور ابرہہ کی خاص سواری کا ہاتھی محمود نسل کا تھا۔

ان بوڑھوں نے اپنی آنکھ سے ان حبشیوں کو مکہ پر حملہ کرتے بھی دیکھا تھا اور یہ دیکھا تھا کہ اہل مکہ اُن کے ڈر سے گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا رہے تھے اور شہر میں ایک بھی حملہ آور فوج کا مقابلہ کرنے والا نہ رہ گیا تھا۔ بایں ہمہ انھوں نے دیکھا تھا کہ فوج خستہ و برباد ہوئی اور سردار فوج باحال تباہ و خراب ایسی حالت میں بھاگا کہ فوج ساتھ تھی نہ ہاتھی۔ بلکہ سب کے لاشے مکہ سے چار کوس پر پڑے سڑ رہے تھے۔

الغرض جب مکہ پر مسلمانوں کا ایسی کامیابی اور آسانی کے ساتھ قبضہ ہوا تو اسلام لانے والوں کے سامنے سے معاہدات کی روک اُٹھ گئی۔ قریش کا دباؤ اور رعب بھی جاتا رہا۔ اور مسلمانوں کا مقبول خدا ہونا بھی انھوں نے اپنے مقرر کردہ معیار کے موافق دیکھ لیا۔ اور ان وجوہات سے اسلام لانے والوں کی کثرت ہوگئی۔

سب سے آخری وجہ یہ ہے کہ اب اسلام کی حقیقت کے سمجھانے اور اسلام کی

تبلیغ کرنے میں واعظین اسلام کے سامنے کوئی روک ٹوک اور دقت باقی نہ رہی تھی۔ واعظ آزادی سے منادی کرتے تھے۔ سامعین آزادی واطمینان سے وعظ سنتے تھے۔ اور اسلام کی کشش کامل لوگوں کو اپنی طرف خودبخود کھینچ لیتی تھی۔"

(ماخوذ از رحمتہ اللعالمین ج الف ۱۳۶تا۱۴۴)

اسیران جمع ہے اسیر کی معنے قیدی +

۱۲۳۔ اسیرانِ جنگ:۔ اس سے پیشتر کہ جنگ کا ذکر ختم کر دیا جائے مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُس برتاؤ اور طریق کا ذکر کر دیا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسیرانِ جنگ کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔

اسلام سے پیشتر دنیا میں جتنی قومیں اور سلطنتیں تھیں۔ وہ اسیرانِ جنگ کے ساتھ ایسے وحشیانہ سلوک کرتی تھیں جسے سُن کر بدن کے رُونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۱) "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل قیدیوں کے ساتھ صرف دو ہی طرح کا تھا۔

(الف) فدیہ لے کر آزاد کرنا۔ (فِدیہ:۔ وہ مال جو عوض کسی قیدی کے دے کر اس کو سرکار سے خرید لیں)

(ب) بلا کسی فدیہ کے آزاد کر دینا۔

مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگ بدر میں قیدی ہاتھ لگے تھے۔ یہ اہل مکہ تھے۔ ان سے بڑھ کر مسلمانوں کا دشمن کوئی نہیں تھا۔ نبی صلعم نے پہلے اس معاملہ کو صحابہؓ کے شوریٰ میں پیش کیا۔ صحابہؓ میں ایک جانب ابوبکر صدیقؓ تھے۔ جن کی رائے یہ تھی۔ کہ قیدیوں سے جرمانے لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس رائے کی تائید میں انھوں نے دو دلائل پیش کیے تھے۔

(۱) زرِ جرمانہ سے ہم اپنے ساز و سامان کی درستی کر لیں گے۔

(۲) آزادی پانے کے بعد ممکن ہے کہ ان قیدیوں میں سے خدا کسی کو اسلام کی ہدایت فرما دے۔

دوسری جانب عمر فاروقؓ تھے۔ اُن کی رائے تھی کہ قیدیوں کو قتل کیا جائے۔ وہ

اپنی رائے کی تائید میں کہتے تھے ۔

(الف) یہ لوگ کفر کے امام اور شرک کے پیشوا ہیں ۔ ان کی گردنیں اڑانی چاہئیں۔

(ب) خدا نے ہم کو اُن پر غلبہ دیا ہے ۔ اس لیے مسلمانوں کا قصاص (یعنی قاتل کو قتل کرنا بعوض مقتول کے) لینا چاہیئے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا ۔ جو قیدی زرِ جرمانہ ادا نہ کر سکتے تھے ۔ اُن کے لیے تجویز فرمایا کہ وہ اولادِ انصار کو لکھنا سکھا دیں (یا کوئی اور ہنر سکھا دیں) ۔

بعض لوگ اب تک یہ سمجھتے ہیں کہ عمر فاروقؓ کی رائے زیادہ صحیح تھی ۔ وہ حدیث کے اگلے حصہ سے دلیل پکڑتے ہیں ۔ حدیث میں یہ ہے کہ اگلے روز عمرؓ نے رسول اللہ صلعم اور ابوبکرؓ کو گریہ کرتے دیکھا تھا ۔ لیکن علماء کا ایک گروہ اس استدلال کے بعد بھی ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو ترجیح دیتا ہے ۔ بوجوہ ذیل :-

(۱) قرآن مجید میں بھی رائے ابوبکرؓ کی بابت پہلے سے حکم موجود تھا ۔

(۲) اس رائے میں رحمت ملحوظ ہے ۔ جو سب چیزوں سے وسیع تر ہے ۔

(۳) نبی صلعم نے اسی حدیث میں ابوبکرؓ کو ابراہیم و عیسیٰؑ سے اور عمرؓ کو نوحؑ و موسیٰؑ سے تشبیہ دی ہے ۔

(۴) ابوبکرؓ کی رائے سے نبی صلعم کی رائے موافق تھی ۔

(۵) بالآخر رب العلمین نے بھی اسی رائے کو برقرار رکھا ۔

(۶) ابوبکرؓ کا خیال صحیح ہوا ۔ کہ اسیرانِ جنگ میں سے بہت لوگ بعد میں از خود مسلمان ہو گئے ۔ اور سرِ دست زرِ جرمانہ (تاوانِ جنگ) سے مسلمانوں نے اپنی حالت کو بھی درست کر لیا ۔

(الف) الغرض جنگِ بدر کے ۷۰ قیدیوں میں سے ۷۰ کو آنحضرت صلعم نے جرمانہ لے کر آزاد فرما دیا تھا ۔ اِن قیدیوں کو مہمانوں کی طرح رکھا گیا تھا ۔ بہت سے قیدیوں کے بیانات موجود ہیں ۔ جنھوں نے اقرار کیا ہے کہ اہلِ مدینہ بچوں سے بڑھ کر ان کی آسائش

کا اہتمام کرتے تھے۔ صرف دو قیدی (عقبہ بن ابی معیط و نضر بن حارث) قتل کرائے گئے تھے۔ یہ سزا اُن کے سابق جرائم کا نتیجہ تھی۔ جنھوں نے انھیں واجب القتل ٹھہرا دیا تھا۔

(ب) جنگ بدر کے بعد غزوہ بنو المصطلق میں سَو سے زیادہ زن و مرد قید ہوئے تھے وہ سب بلا کسی معاوضہ کے آزاد کر دیے گئے تھے اور ان میں سے ایک عورت جویریہ رضؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم المومنین ہونے کا درجہ عطا فرمایا تھا۔

(د) جنگ حنین میں چھ ہزار زن و مرد کو بلا کسی شرط و جرمانہ کے آزاد فرما دیا تھا۔ بعض اسیروں کی آزادی کا معاوضہ آں حضرت صلعم نے اپنی طرف سے اسیر کنندگان کو ادا کیا تھا۔ اور پھر اکثر اسیروں کو خلعت و انعام دے کر رخصت فرما دیا تھا۔

ان جملہ نظائر سے ثابت ہے کہ رحمتہ اللعالمین صلعم اپنے حملہ آور دشمنوں پر قابو اور غلبہ پا لینے کے بعد کس قدر الطاف فرمایا کرتے تھے۔

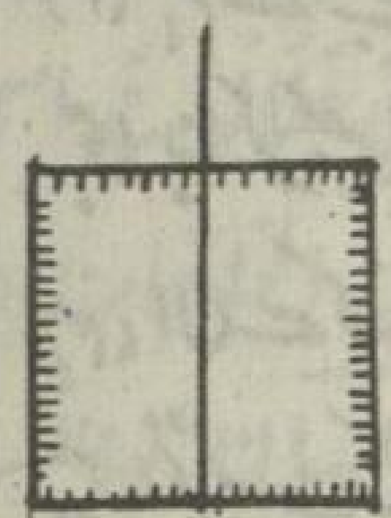
اگرچہ مسلمانوں کے لیے یہ لڑائیاں سخت آزمائش تھیں۔ لیکن رب العلمین کی اس میں بھی شاید یہ حکمت ہو کہ اسلام دنیا کے لیے جنگ کا بھی وہ نمونہ پیش کر دے جو انسانی ہمدردی اور رحم و الطاف سے لبریز ہو۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۱)

۱۲۴۔ انسان کی زندگی:۔ انسان اپنی زندگی کو دراز کرنے کے چکر میں اس وجہ سے لگا رہتا ہے تاکہ وہ اپنی امیدوں میں کامیاب ہو اور حرص (لالچ) اُس کی اس خواہش میں اُس کا ساتھ دیتی ہے۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ زندگی یعنی عمر لمبی ہو تو اچھا ہے لیکن اس میں انسان جو فانی بھی ہے اُس کے سوچنے اور سمجھنے کا بڑا فرق ہے۔ زندگی لمبی ہو یا کم۔ بہر حال اس فانی دنیا سے جانا سب کو ہی ہے۔ آگے یا پیچھے۔ لیکن یہ یاد رکھیے اگر آپ اس سرائے فانی (فانی دنیا) سے اعمالِ صالحہ لے کر نہیں جاتے تو ایسے ہی ہوں گے جیسے خالی ہاتھ انسان کہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ عمر میں اضافہ فرما دیئے تاکہ کچھ اچھا توشۂ آخرت ساتھ لے کر جائیے یعنی اس درازیِ عمر میں نیکیاں بڑھ جائیں۔

اور خطائیں کم ہو جائیں۔ یہی آرزو زندگی کے بڑھ جانے کی کرنی چاہیئے اور یہی بہتر ہے۔ نہیں معلوم موت کس وقت آ جائے۔

"انسان کی زندگی کی رسّی کو ہر وقت اور ہر طرف سے موت کی تیغ سے کٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ موت کی مثال مربع خط ہے جس نے چاروں طرف گھیرا ڈالا ہوا ہے۔ انسان ہمیشہ چاہتا ہے کہ موت سے بچے اور اپنی امیدوں میں کامیاب ہو جو دُور ہیں۔ اور موت کے حدود سے باہر ہیں یعنی زندگی میں پوری نہیں ہوتیں۔ مگر موت اپنے احاطہ سے کب باہر نکلنے دیتی ہے۔"

شکل ملاحظہ ہو۔



اشارات:۔

□ ← موت۔ | ← اُمیدیں

⬚ ← دنیا کی پریشانیاں۔

(انتخاب صحاح ستہ ص۳۴)

۱۲۵۔ اسلام کُل دُنیا کا مذہب واحد ہے:۔

مذہب معنے دین + واحد معنے تنہا، اکیلا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں جو ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السّلام کی نبوت و رسالت میں موجود نہیں۔ ان میں سے نمایاں تر خصوصیت یہ ہے کہ نبی صلعم نے اسلام کو کل دنیا کا مذہب واحد کہہ کر پیش کیا ہے۔

اور اسی لیے نبوت کے اس ابتدائی زمانہ ہی سے جب شہر مکہ کے رہنے والے بھی اسلام سے بخوبی واقف نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت صلعم نے دیگر اقوام اور دیگر ادیان کے لوگوں میں بھی تبلیغ کرنا شروع کر دی تھی۔ بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ، سلمان فارسیؓ، عداسؓ نینوائی وہ بزرگوار ہیں جو حبش، یونان، ایران اور وسط ایشیا کی طرف سے ثمر اوّلین بن کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

قرآن مجید کی آیات اس بارے میں بہت صاف ہیں:۔

(۱) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ (سورہ سبا ع ۳)

(۱) ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لیے بشارت پہنچانے والا۔ ڈر سنانے والا بنا کر دنیا میں رسول بنایا ہے۔

(۲) هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ (سورۂ صف ع ۱ نیز سورۂ فتح ع ۴)

(۲) خدا وہ ہے۔ جس نے اپنے رسول کو روشن دلائل اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ سب دینوں پر غلبہ حاصل کرے۔

(۳) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (سورہ انبیاء ع ۷)

(۳) ہم نے تجھے تمام اہل عالم کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

(۴) قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ (سورہ اعراف ع ۲۰)

(۴) ان سے کہہ دو کہ اے انسانی نسل کے بچو! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں۔

ان آیات مبارکہ کے ارشاد کی تبعیت (پیروی) ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مراسلات مختلف قوموں اور مختلف مذہبوں کے سرگردگان کے پاس روانہ فرمائے تھے اور ہر ایک کو لکھ دیا تھا کہ اسلام سے انکار کرنے کا وبال نہ صرف اس لیے پڑے گا کہ تم نے اپنی ذات کے لیے انکار کر دیا۔ بلکہ تمہارے انکار کی وجہ سے چونکہ تمہاری قوم بھی ہدایت سے رُکے گی۔ اس لیے اُن کی ضلالت و گمراہی کا وبال بھی تم ہی پر پڑے گا۔ کیونکہ اس فرمان میں شخصی حیثیت سے نہیں بلکہ سرگروہ قوم ہونے کی وجہ سے تم کو مخاطب کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ اسلام کی بابت یہ ایسی کارروائی فرمائی ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی سابقہ مذہب کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۱)

۱۲۶۔ آدمی اور انسان:۔ آدمی معنے وہ جو اولاد آدمؑ کی ہو + حیوان کے معنے زندہ یعنی جاندار کے ہیں + اور

حیوان کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل وہ جاندار جو حیوانِ مطلق کہلاتے ہیں اور دوسری قسم وہ جاندار جو حیوانِ ناطق کہلاتے ہیں۔

(۱) حیوانِ مطلق (بے قید۔ آزاد) وہ جانور یعنی جو صاحبِ جان ہو۔ مطلب ہے زندہ ہوں۔ مجازاً وحش و طیور (یعنی وحشی و طائر) سوائے انسان کے۔ جن کو باری تعالیٰ نے گویائی یعنی بولنے کی قوت وصلاحیت عطا نہیں فرمائی اور نہ ہی عقل و دانش یعنی سوچنے اور سمجھنے کی قوت وصلاحیت بخشی ہے۔

(۲) حیوانِ ناطق (عقل و دانش والے) یعنی انسان جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قوتِ گویائی عطا فرمائی ہے اور عقل و دانش بھی عنایت و بخشش فرمائی ہے۔

انسان کو اللہ جلّ جلالہٗ نے اسی امتیاز (تمیز) کی بنا پر ایسی مخلوق بنا کر بھیجا ہے کہ وہ اس دنیا میں اشرف المخلوقات (یعنی تمام مخلوق سے افضل) کہلاتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر انسان میں انسانیت اور آدمی میں آدمیت نہ ہو تو وہ حیوانِ مطلق سے بھی اونچے درجہ کا جانور ہے + آدمی اور انسان یہ دونوں نام اسی کے ہیں۔

آدمی کو آدمی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اَولادِ آدمؑ ہے اور انسان اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ مرد اور عورت کے اُنس سے پیدا ہوا ہے + ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(قرآن مجید ع۳۔ سورۂ روم) ترجمہ:۔ خدائے تعالیٰ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بی بیاں بنائیں تاکہ تم کو اُن کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت و پیار پیدا کر دیا۔ اس میں اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

غور فرمائیے اس قرآنی آیت میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تم میاں بیوی میں محبت و پیار پیدا کر دیا ہے۔ پس یہی وہ اُنس ہے جس کی وجہ سے اِنسان کو انسان کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس کی سرشت کو اُنس و محبت کے جوہر سے گوندھ کر تیار کیا گیا ہے۔ اس لیے انسان کہا گیا ہے

۱۲۷- **اخلاقی تعلیم:-** اَخلاق معنے طریقے، آداب + تعلیم معنے سیکھنا، علم پڑھنا۔ یعنی ادب کے طریقے سیکھنا۔ مذہب اسلام نے انسان کو ہر بات اور عمل کے طریقے سیکھنے کی ہدایت کی ہے۔ اس لیے ہر انسان کو خصوصاً مسلمانوں کو اس طرف توجہ دینا ہی چاہیئے بلکہ اخلاقی تعلیم حاصل کرنے کی سعی اور حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے۔ کیوں کہ اخلاق ہی سے انسان پہچانا جاتا ہے۔

"اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور پر ہی نہیں دیتا ہے بلکہ جوارح و اعضاء (ہاتھ پیر اور دیگر حصّے جسم) کے ساتھ ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اسی طرح اس تعلیم کا پابند بناتا ہے۔ ذرا احکام ذیل پر غور کیجیے":- ہم یہاں پر صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے۔

"اے نبی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالےٰ (مندرجۂ ذیل اشیاء کو) حرام ٹھہراتا ہے (ابنا جنس کے مقابلہ میں) فحش بے حیائی کی سب قسموں کو جن کا تعلق ظاہری یا باطنی حالات سے ہو۔ اور شرک جس کی کوئی دلیل نہیں۔ (خود اپنے مقابلہ میں) گناہ کی جملہ اقسام۔ (سلطنت کے مقابلہ میں) بغاوت و سرکشی۔ (اللہ کے مقابلے میں) بے علمی کے ساتھ باتیں بنانا۔

حکم ثانی سنو:- "اللہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں۔ عدل اور احسان اور قرابت والوں سے فیاضانہ سلوک۔ اللہ جن چیزوں کے کرنے سے قطعاً روکتا ہے وہ یہ ہیں۔ سب بے حیائیاں، سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں، اور بغاوت۔"

تیسرا حکم:- "مندرجہ ذیل اشخاص کے ساتھ احسان کیا کرو۔ (۱) والدین (۲) یتامٰے (۳) مساکین (۴) ساتھ لگتا ہمسایہ (۵) دور کا ہمسایہ (۶) تمھاری رفاقت میں رہنے والا شخص (۷) مسافر (۸) لونڈی غلام۔"

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:- "غرور میں آکر لوگوں کی طرف سے اپنا منہ کج نہ کیا کر۔ (۲) زمین پر اکڑ کر نہ چل (۳) اللہ تو ہر ایک چالباز، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

(۴) اپنی رفتار میں میانہ روی رکھ۔ (۵) اپنی آواز کو پست و نرم رکھ (۶) دیکھ آوازوں میں سخت و درشت آواز تو گدھے کی ہے۔"

ایسے احکام بہت زیادہ ہیں۔ یہ وہ اخلاق ہیں جن پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کرکے دکھلایا اور جن کی تعلیم انھوں نے علماً اور عملاً ہر دو طریق سے کل دنیا کو دی۔

(رحمتہ اللعالمین ج سوم)

۱۲۸۔ **اَصْحَابِ کہف:-** اَصْحَاب جمع ہے صَحَب کی معنے دوست۔ یار+ کہف معنے غار۔ گڑھا۔ یعنی وہ دوست اور ساتھی جو ایک کہف (غار) میں پناہ کے لیے جا چھپے تھے۔

یہ بہت مشہور واقعہ ہے اور نہایت ہی قدیم زمانے کی داستان ہے۔ یہ ساتؔ یار دوست صاحبِ اسلام تھے ان کے ساتھ ان کا ایک کتا بھی اسی غار میں سویا ہوا ہے۔

جناب سید ذاکر حسین صاحب جعفری اپنی تاریخ اسلام صہ ۲۳۶ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "شہر آفسیس کے باشندے تھے۔ دیسیس یعنی دقیانوس بادشاہ کے کفر اور دعویٔ خدائی سے ناراض ہوکر یہ چھ ۶ آدمی شکار کے بہانہ شہر سے بھاگے۔ ان کا کتا ہمراہ ہوا جس کا نام قطمیر تھا۔ راستہ میں ایک ساتواں شخص مرطوس نام بھی ساتھ ہو لیا۔ وصید نام ایک غارِ کوہ میں چھپ گئے۔ بعض نے اس پہاڑ کو کوہ رقیم لکھا ہے۔ یہاں خدا نے ان کی روح قبض کی۔ ۳۰۹ برس بعد زندہ ہوگئے۔ باہر نکلے۔ زمانہ کو پلٹا ہوا دیکھا۔ پھر مرنے کی آرزو کی۔ اُسی پہاڑ میں جاکر مر گئے۔"

دوسری روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "یہ ساتؔ آدمی ہیں۔ صاحبِ اسلام تھے جو دقیانوس بادشاہ کافر کے ظلم سے بھاگ کر ایک غار میں مع ایک کتے کے جا چھپے تین سو برس سوتے رہے۔ ایک مرتبہ بیدار ہوکر پھر سو گئے۔ اب قیامت تک سوتے رہیں گے۔ کتا بھی ان کے ساتھ ساتھ سوتا ہے۔ ان کے نام صحیح طور پر یہ ہیں۔ (۱) تملیخا (۲) مکسلمینا (۳) کشفوطط (۴) یونش (۵) کشافطیونس۔

(۶) ارزنطیونس (۷) یوانس کوتس۔ اوران کے کتے کا نام قطمیر ہے۔ (واللہ اعلم)

۱۲۹۔ اصحابُ الشّمال:۔ معنے دوزخی لوگ۔ یعنی وہ گروہ جو دوزخ میں جائے گا۔ یہ گروہ بائیں طرف ہوگا۔ جب روزِ حشر رب العالمین اپنے بندوں کا حساب وکتاب لیں گے تو تخت پر جلوہ افروزی فرمائیں گے۔ اس وقت یہ لوگ یعنی دوزخی لوگ جن کی قطاریں بائیں طرف تخت رب العالمین کے قیامت کو کھڑی ہوں گی۔ اس لفظ کے لغوی معنے ہی بائیں طرف والے ہیں۔

۱۳۰۔ اصحابِ بدر:۔ بدر معنے یہ ایک مقام کا نام ہے جہاں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جنگ واقع ہوئی تھی۔

"اصحابِ بدر کی جماعت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے افضل و مقبول ترین جماعت ہے۔ ایک مرتبہ ان میں سے چند حضرات سرورِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے مشرف ہونے کے لیے حاضرِ خدمت ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت مسجدِ نبوی میں کثیر مجمع تھا۔ رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ہالہ کی طرح مہتاب رسالت کے گرد جمے بیٹھے تھے۔ اس لیے ان نو وارد اصحابِ بدر کو بیٹھنے کی جگہ نہ مل سکی۔ یہ حضرات سلام کر کے کھڑے رہے۔ مجمع میں سے کوئی شخص ان کی خاطر نہ اُٹھا۔ جب یہ حالت سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ میں آئی تو بدری اصحابؓ کے شمار کے موافق چند غیر بدریوں کو نام لے لیکر اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہو جانے کا حکم دیا۔ وہ حضرات فی الفور کھڑے ہو گئے اور اہلِ بدر ان کی جگہ جا بیٹھے۔ اس سے منافقوں کو طعنہ زنی کا موقع مل گیا اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بعض کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں۔ انھیں سب کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ آنحضرت صلعم نے جن حضرات کو اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہونے کا حکم دیا اور انھوں نے بغیر کسی تنگ دلی کے ارشاد نبویؐ کی تعمیل کی تھی۔ حق تعالےٰ کو ان کا یہ امتثالِ امر (حکم ماننا) بہت پسند آیا۔ چنانچہ اُن کی تعریف میں یہ پوری آیت یعنی

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ..... تا ..... تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ٥) نازل ہوئی۔ (ہم یہاں پر اس آیت کا ترجمہ تحریر کرتے ہیں: ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھول دو تو تم جگہ کھول دیا کرو۔ اللہ تم کو (جنت میں) کھلی جگہ دے گا۔ اور جب (کسی ضرورت سے) یہ کہا جائے کہ (مجلس سے) اُٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (اُخروی) درجے بلند کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔) اور فی الحقیقت آدابِ بشریت، انسانی ہمدردی اور اسلامی اخوت و مروّت کا یہی تقاضا ہے کہ اپنے سے افضل لوگوں کا احترام کیا جائے۔ اگر گنجائش ہو تو خوب مِل مِل کر بیٹھ جائیں ورنہ بزرگ ہستیوں کے لیے جگہ خالی کر دی جائے۔

خواہ اُٹھنے کے لیے اس غرض سے کہا جائے کہ آنے والے کے لیے جگہ کھل جاوے پھر چاہے بالکل اُٹھ جانے سے ہو یا ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھنے سے ہو اور خواہ اس وجہ سے کہا جاوے کہ صدرِ مجلس کو کسی مصلحت، مشورتِ خاصہ یا کسی ضرورتِ آرام یا عبادت وغیرہ سے انفرادی اور تخلیہ وغیرہ کی حاجت ہو۔ جو بدونِ خلوت کے مطلقاً حاصل نہ ہو سکیں یا کامل نہ ہو سکیں۔ پس صدرِ مجلس کے امر بالقیام سے اٹھ جانا چاہیئے اور یہ حکم غیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی عام ہے۔ پس صاحبِ مجلس کو حاجت کے وقت اس کی اجازت ہے البتہ آنے والے کو نہ چاہیئے کہ کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ جا بیٹھے۔ (تفسیر حضرت تھانویؒ۔ سورۃ المجادلہ ع ۲)

۱۳۱۔ ایمان و عمل اور کتبِ آسمانی :۔

ایمان معنے دل سے خدا پر یقین لانا + عمل معنے کام

کتب آسمانی معنے آسمانی کتابیں۔ یعنی وہ مقدس کتابیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السّلام پر بندوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا۔ جو ان کتب آسمانی کو سچا سمجھتے ہیں اور ان پر ایمان رکھتے ہیں وہ مسلمان ہیں۔

مسلمان قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور پہلی آسمانی کتابوں پر بھی۔ ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے۔ پس حق تعالےٰ نے جتنی کتابیں انبیائے سلف علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں سب کو سچا سمجھنا فرض اور شرطِ ایمان ہے۔ رہا اب عمل اور کتب آسمانی اسے ذرا غور سے سمجھ لینا چاہیئے۔ سو عمل صرف قرآنِ مبارک پر ہوگا۔ یعنی جو احکامات قرآنِ مبارک میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمائے ہیں اُن پر عمل کرنا ہے۔ پچھلی کتابیں (یعنی پہلی کتابیں) منسوخ ہو گئی ہیں۔ اس لیئے ان پر عمل جائز نہیں۔

۱۳۲۔ آغازِ بعثت میں نمازِ تہجد :-

آغاز معنے شروع، ابتداء + بعثت معنے اٹھاؤ، بیداری + نماز معنے پرستش + نماز کو عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں اور صلوٰۃ کے معنے دعا، درود، نماز، آمرزش (یعنی بخشائش، گناہ کسی کا معاف کرنا) رحمت + واضح ہو کہ بمعنی نماز و دعا بندہ کی طرف سے اور بمعنی رحمت و آمرزش خدا کی طرف سے اور بمعنی درود رسول صلعم پر + تہجد: معنے رات کو نہ سونا، رات کو جاگتے میں کاٹنا مجازاً وہ نمازیں جو بعد نصف شب کے زاہد لوگ نیند سے اٹھ کر پڑھتے ہیں۔

نماز تہجد آغاز نبوت میں ہی اہل ایمان پر فرض ہو گئی تھی۔ اس سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بڑی دشواری پیش آتی تھی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم برابر نماز تہجد کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف پورے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتے تھے۔ بعد میں اس نماز کی فرضیت منسوخ کر دی گئی۔ اس نمازِ تہجد کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح تفسیر فرماتے ہیں کہ .....

"آغاز بعثت میں جب اہل اسلام پر نماز تہجد فرض ہوئی تو اہل ایمان کو وقت کا اندازہ کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی۔ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کس قدر رات گزری اور کس قدر باقی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سونا لیٹنا سب چھوڑ بیٹھے۔ اور قریب قریب ساری رات اپنے مولا کریم کے آگے دست بستہ حاضر اور ساری

رات قیام شب میں گزار دیتے تھے۔ پاؤں سوج گئے اور پنڈلیوں میں خون اُتر کر ورم ہو گیا۔ پورے ایک سال بعد خدائے رؤف نے ان کے حال پر رحم فرما کر تخفیف کے لیے یہ آیت نازل فرمائی جس سے تہجد کی فرضیت منسوخ ہوئی اور اہلِ ایمان کو اختیار دے دیا گیا کہ جو چاہے تہجد پڑھے اور جو چاہے نہ پڑھے۔ اور جو نماز تہجد ادا کرے وہ بھی جتنی قرأت آسانی سے پڑھ سکے پڑھے۔ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ترجمہ: (جتنا قرآن آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو) قرآن پڑھنے سے نماز تہجد کی قرأت مراد ہے۔"

۱۳۳۔ اطاعتِ امیر:۔

اِطَاعَت معنے تابعداری کرنا۔ حکم ماننا + اُمیر معنے سردار + یعنی اُمیرِ مملکت کی تابعداری کرنا۔

مذہب اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنے امیرِ مملکت کی تابعداری کرنا اور اس کے حکم کو ماننا چاہیئے۔ "امیرِ مملکت خواہ عادل ہو یا ظالم ہو، مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہے جب تک خلافِ شرع کوئی حکم نہ دے۔ اور اس کی بغاوت حرام ہے۔ مگر بادشاہ اسلام ضروریاتِ دین اور قطعیاتِ اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے صریح کفر پر اتر آئے تو اس کا مقابلہ اور مقاتلہ واجب ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے۔

اور اگر بادشاہِ اسلام ظالم ہے تو حتی الوسع صبر کریں اور نرمی کے ساتھ اس کو نصیحت کریں اور نصیحت سے مقصود ان کی اصلاح اور خیر خواہی ہو تذلیل (بے عزت کرنا) مقصود نہ ہو۔ نیز جہاں تک ممکن ہو نصیحت خلوت اور تنہائی (تنہائی اور علیحدگی) میں ہو تا کہ ملک میں فتنہ اور فساد نہ اُٹھے اور حکومت ذلیل و خوار نہ ہو۔ حکومت کا جب رعب اُٹھ جاتا ہے تو چور اور قزاق اور مفسد اور رہزن ہر طرف سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ملک کا امن خطرے میں پڑ جاتا ہے۔" (عقائد الاسلام اور لیسی ص ۲۵۶)

۱۳۴۔ اسلام کے اصول اور عیسائیت:۔

اُصول معنے قانون، قاعدے، اصول جمع ہے اصل کی + عیسائیت یعنی مذہب عیسوی۔ اسلام کے اصول۔ اس کے قوانین نفسیات

انسانی کے عین مطابق ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کسی کے گال پر ایک طمانچہ مارے تو عیسائیت اسے بتاتی ہے اُسے دوسرا گال بھی پیش کر دینا چاہیئے۔ اسلام کے اصول کے مطابق اس شخص کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے فریق کو اسی زور کا تھپڑ مارے۔ یہ اس کا حق ہے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو یہ کوئی گناہ کا کام نہیں کرتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی نیکی کی یہ ترغیب بھی ہے کہ اگر معاف کر دے تو بہتر ہے۔

کسی بھی ماہرِ نفسیات سے آپ دریافت کر لیں وہ کہے گا کہ جس وقت بھی کسی کو ایک تھپڑ پڑتا ہے اس کے اندر ایک ردّ عمل پیدا ہوتا ہے جس کے زیرِ اثر اس کا ہاتھ بھی مارنے کے لیے اٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں ہاتھ روک لینا کمال کی بات ہے اور دوسرا گال پیش کرنا ناممکن۔

۱۳۵۔ اسلام کی شریعت :۔ شریعت معنے راہ راست۔ جو خدا نے پیدا کی بندوں کے واسطے بابت معاملات اور عبادت کے۔ یعنی مذہب اسلام پر چلنے کی سیدھی راہ جو اللہ تعالٰے نے بندوں کے واسطے معاملات اور عبادات کے لیے پیدا فرمائی۔

اسلام کسی نئی چیز کا نام نہیں ہے جو خارج (باہر) سے لا کر انسان کے اوپر چپکائی گئی ہو بلکہ وہ درحقیقت انسانی فطرت کی آواز ہے اور کائنات (موجودات) کے مطالعہ کا لازمی تاثر ہے۔

شریعت گویا انسان کے اسی اپنے احساس کی صحیح ترین تعبیر ہے جو اس خدا کی طرف سے فراہم کی گئی ہے جو انسان سے بھی زیادہ انسان کو جانتا ہے۔

۱۳۶۔ انتخاب اَمیر :۔ انتخاب معنے چننا۔ پسند کرنا + اَمیر معنے سردار۔ یعنی کسی سردار یا خلیفہ وغیرہ کا انتخاب کرنا۔ اس کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں لیکن ہم یہاں پر اُن طریقوں کا ذکر کریں گے جن کو حضرت مولانا محمد ادریس صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ صہ ۱۳۸ جلد ۲ وازلتہ الخفاء سے اخذ فرما کر اپنی کتاب عقائد الاسلام ادریسی میں بیان فرمایا ہے۔

"پہلا طریقہ:۔ انتخاب امیر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اہل حل و عقد یعنی علمآ اور صلحآ اور ملک کے امرآ اور سردآر اور نامور لوگ اور عقلآ اور اہل الرائے جو اسلام اور مسلمانوں کے سچے خیر خواہ اور بہی خواہ (بہتری چاہنے والے) ہوں اپنے اتفاق اور رضامندی سے کسی کو اپنا امیر منتخب کریں تو وہ مسلمانوں کا امیر ہو جاتا ہے۔ اور مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور امارت کا انعقاد اسی طریق سے ہوا۔

دوسرا طریقہ:۔ انتخاب کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایسا امیر مملکت جس کی امانت اور دیانت اور خیر خواہی لوگوں میں مُسَلَّم ہو۔ وہ اپنی صَواب دِیدُ (درست تجویز) سے کسی کو نامزد کر دے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے وفات کے وقت فاروقِ اعظمؓ کو نامزد فرمایا تھا۔

تیسرا طریقہ:۔ انتخاب کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک مجلس شوریٰ ہے۔ (مشورہ کرنے والی جماعت) یعنی امیر مملکت امارت اور صدارت کو کسی معیّن جماعت میں دائر کر دے کہ جو امارت اور حکومت کی اہل ہو اور یہ کہہ دے کہ اس جماعت میں سے کسی ایک کو امیر منتخب کر لیا جائے جیسے حضرت عمر رضؓ نے وفات کے وقت چھ ۶ آدمیوں کی ایک مجلس بنا دی جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ (۳) حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ (۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۵) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ (۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ اور یہ وصیت کر دی کہ ان چھ آدمیوں میں سے کسی کو اپنا خلیفہ مقرر کر لینا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا۔ اور حضرت عثمان غنی رضؓ کے بعد حضرت علی رضؓ خلافت کے لیے متعین ہو گئے اور نیز اہل حل و عقد نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یعنی مدینہ منورہ میں اس وقت جس قدر مہاجرین اور انصار تھے۔ ان سب نے حضرتِ علی رضؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ گویا کہ حضرت کی خلافت کا انعقاد دو طریقہ سے ہوا۔ ایک شوریٰ کے طریقہ سے اور ایک اہل حل و عقد کے اتفاق

ہے۔ (علماء، رؤسا، امراءِ لشکر، ملک کے نامور اور اہل الرائے کو اہل حل وعقد کہتے ہیں اس لیے کہ حل کے معنے کھولنے کے ہیں اور عقد کے معنے باندھنے اور گرہ لگانے کے ہیں۔ ملک کے مُہم امور (امورِ عظیم) کی گرہ ایسے ہی لوگوں کے کھولنے سے کھلتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کے لگانے سے لگتی ہے۔}

چوتھا طریقہ:۔ انعقادِ حکومت کا چوتھا طریقہ۔ استیلا یعنی غلبہ اور تسلط ہے۔ یعنی بغیر اہل حل وعقد کے بیعت ہو یا بغیر کسی بادشاہ یا بغیر مجلس شوریٰ کے انتخاب کے امیر بن جائے اور تالیفِ قلوب (دلوں کے اندر محبت اُلفت پیدا کرنا) یا اپنی شوکت اور ہیبت سے یا کسی حیلہ سے یا کسی تدبیر سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملالے تو یہ شخص بھی مسلمانوں کا امیر ہو جائے گا۔ ان کے احکام کی تعمیل واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں۔

حتی الوسع ایسے امیر کو معزول نہ کیا جائے۔ اصلاح کی کوشش کی جائے۔ معزول کرنے میں سخت فتنہ اور فساد ہوگا۔ مسلمانوں کی بہت سی جانیں تلف ہوں گی اور آئندہ کے متعلق یقین نہیں کہ کیا انجام ہوگا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس فتنہ اور فساد میں ایسا شخص غالب آجائے جو اس سے بھی زیادہ بدتر ہو۔

امیر کے معزول کرنے کے بعد کی مصلحت مَوہُوم اور مُحتَمِل ہے (یعنی وہم اور گمان کی گئی ہے) اور فتنہ وفساد اور خوں ریزی یقینی ہے۔ اور اس مصلحت کی وجہ سے یقینی فتنہ اور فساد کا دروازہ کھولنا خلافِ عقل ہے۔

عبدالملک بن مروان اور خلفاءِ عباسیہ کی خلافت کا انعقاد اسی طریقہ سے ہوا۔ اس زمانے کے تمام علماء اور صلحاء نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مظالم پر صبر کیا اور خلافِ شرع امور پر اُن کو نصیحت کی مگر مسلمانوں کو انھوں نے بغاوت کرنے کی اجازت نہیں دی۔

۱۳۷۔ ابا اتراک کا عقیدۂ موت:۔

+ ابا اتراک معنے ترکوں کا باپ
+ عقیدہ معنے بھروسہ، یقین

موت معنے مرجانا ۔ اَتْراک جمع ہے تُرک کی ۔ جو مغلوں کی قوم سے ہیں ۔ اَتاتُرک کا اسمِ گرامی مصطفےٰ کمال پاشاہ ہے ۔ یہ نہایت دلیر اور حوصلہ مند لوگوں میں شمار ہوتے تھے تُرکی کے بادشاہ تھے ۔ انھوں نے ہی اہلِ ترکستان کو غلامی سے نجات دلائی تھی۔ اسی لیے انھیں تُرکوں کے نجات دہندہ کہتے ہیں ۔

پہلی جنگِ عظیم میں جب اتحادیوں کا ٹکراؤ یعنی انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جنگ ترکوں کے ساتھ ہوئی جو فروری ۱۹۱۴ء سے جنوری ۱۹۱۶ء تک جاری رہی یہ گیلی پولی کا معرکۂ عظیم کہلاتا ہے ۔ اس میں اتحادیوں کے درّہ دانیال کی طرف سے داخل ہوکر ترکیہ کے یوربی حصہ کو فتح کرنے کے لیے زبردست گولہ باری کی ۔ اس وقت اتاترک کمال خود ترک فوج کو کمان کر رہے تھے ۔ ترک فوج اتحادیوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی ۔ اتاترک اپنے دستہ کے سپاہیوں کے ساتھ مورچے پر موجود تھے۔ اور ایک بٹالین کے ساتھ خندق میں بیٹھے سپاہیوں کو ہدایات دے رہے تھے ۔ گولہ باری اس قدر سخت تھی کہ کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ سب کے چہرے اداس تھے۔ اور سب ہی مایوس نظر آرہے تھے ۔ ایسے موقع پر اتاترک نے بڑی دلیری اور نڈر ہوکر اپنی ہمت اور "یقین" سے کام لیا ۔ آپ بغیر کسی سے مشورہ کیے خندق سے باہر نکل کر کھلے میدان میں ایک گز بھر کچی دیوار پر جو گولہ باری سے کسی مکان کی دیوار تھی گر کر اتنی رہ گئی تھی اس پر بیٹھ گئے ۔ گولے پڑ رہے تھے، دھواں دھار ہو رہا تھا۔ سب سمجھتے تھے کہ اتاترک شہید ہو چکے لیکن جب دھواں چھٹ جاتا تو آپ کو زندہ وسلامت پاتے ۔ اس پر سب لوگ جوش میں آکر باہر آگئے اور اتحادیوں سے لڑنے کے لیے آگے دوڑ پڑے ۔

جب جنگ ختم ہوگئی تو سب نے آپ سے پوچھا۔ "آپ نے گولہ باری کے وقت باہر نکل کر بیٹھ جانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا؟" جواب دیا۔ "موت صرف ایک بار آتی ہے اور اپنے وقت پر آتی ہے ۔"

۱۳۸۔ اِشاعتِ اسلام :۔ اِشاعت معنے پھیلانا ــــ دینِ اسلام

کے پھیلنے اور ترقی کرنے میں مذہب اسلام کی سچائی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید سب سے بڑھ کر باعث اور سبب ہے ۔ اور سب سے پہلا سبب اسلام کی اشاعت کا تائید آسمانی ہی ہے جس سے تمام اسباب پیدا ہوئے ۔ (۲) دوسرے اسلام میں ایسے لوگ تھے جو دل سے ایمان لائے تھے اور دین کو پھیلانے میں جان کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے (۳) مسلمان کو ایسی اقوام سے واسطہ پڑا جس پر سالہا سال سے مختلف حکومتوں نے نہایت بے رحمی سے ظلم کر رکھا تھا۔ انھوں نے اِن نئے ملک گیروں کو اس لیے قبول کر لیا کہ انہیں اِن کی حکومت میں بہت زیادہ آسائش تھی ۔ (۴) مفتوح اقوام کے ساتھ مسلمان نہایت رحم اور انصاف سے پیش آئے تھے ۔ اشاعتِ اسلام میں سوائے حالتِ مجبُوری کے تلوار سے کام نہ لیتے تھے ۔ جس ملک کو فتح کیا اعلان کر دیا جاتا تھا کہ ہم کو اقوام مفتوحہ کے مذہب و رسوم میں ہر طرح رعایت منظور ہے ۔ کسی میں مداخلت نہ کریں گے ۔ اگر اسلام قبول کریں تو اُن کے لیے دین اور دنیا دونوں میں بہترائی ہے ۔ اگر یہ منظور نہیں ہے تو ایک خفیف سی رقم جزیہ کے نام سے اسلام نہ قبول کرنے کے معاوضہ میں دینی ہوگی ۔ جس کی وجہ سے کفار کی جان و مال کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کیا جاتا تھا۔ اور مسلمانوں کے ظِلِ حمایت میں چین سے بسر کرتے تھے ۔ (۵) پانچواں سبب اشاعت اسلام کا سیاحت و تجارت کا شوق تھا ۔ مسلمانوں نے پہلی ہی صدی ہجری میں سفر شروع کر دیا تھا۔ اہلِ عرب جہاں جاتے تھے دینِ اسلام پھیلانے کی کوشش کرتے تھے اور اکثر ان میں سے اپنے سیاحت نامے لکھتے تھے۔

(۶) چھٹا سبب اشاعت اسلام کا فتوحات ہیں ۔ فرنگستان کے مورخ لکھتے ہیں کہ عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی ۔ اور انھوں نے ایک گروہ اقوام کو اس تمام جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان اختیار کرنے پر آمادہ کر لیا ۔

عربوں کی محبت کے ساتھ ان کا دین ۔ ان کا لباس ۔ ان کی طرز معیشت بلکہ ان کا طریقہ تعمیر تک اختیار کر لیا ۔

"ب"

۱۳۹۔ بسم اللہ شریف:۔ معنے شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان اور نہایت رحم والے ہیں۔

ہم یہاں پر قرآن مجید کا تیسواں پارہ "عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ" کی سورۃ البروج کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس سورت میں ایک واقعہ کا اجمالی تذکرہ ہے جو صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس واقعہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ "خلاصہ اس کا یہ ہے کہ کسی کافر بادشاہ کے پاس ایک کاہن تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ مجھ کو کوئی ہوشیار لڑکا دو تو میں اس کو اپنا علم کہانت سکھا دوں۔ چنانچہ ایک لڑکا تجویز کیا گیا۔ اس کے راستہ میں ایک عیسائی راہب (عیسائیوں کا پادری) رہتا تھا۔ جو اُس وقت کے دینِ حق مسیحیت کا سچا پیرو تھا۔ اس لڑکے کی راہب کے پاس بھی آمدورفت شروع ہو گئی۔ چنانچہ وہ خفیہ مسلمان ہو گیا۔

ایک مرتبہ اس لڑکے نے دیکھا کہ ایک شیر نے راستہ روک رکھا ہے اور لوگ پریشان ہیں۔ اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو یہ جانور میرے پتھر سے مارا جائے۔ یہ کہہ کر وہ پتھر مارا تو شیر کے لگا۔ اور وہ ہلاک ہو گیا۔ لوگوں میں چرچا ہوا کہ اس لڑکے کو کوئی عجیب علم آتا ہے۔ کسی اندھے نے سنا تو اُس نے لڑکے سے آ کر کہا کہ میری آنکھیں اچھی ہو جائیں۔ لڑکے نے دعا کی کہ وہ بینا ہو کر مسلمان ہو گیا۔

بادشاہ کو یہ خبریں پہنچیں تو اُس نے لڑکے، راہب، اور اندھے کو جو اب بینا تھا گرفتار کرا کر بلایا۔ راہب اور اندھے کو شہید کرا دیا اور لڑکے کیلیے حکم دیا کہ پہاڑ پر سے گرا دیا جائے۔ مگر جو لوگ اس کو لے گئے تھے وہ خود گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح و سالم واپس آیا۔ پھر بادشاہ نے سمندر میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہ اس سے بھی بچ گیا اور جو لوگ اس کو ڈبونے لے گئے تھے وہ سب غرق ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بادشاہ سخت

مضطرب ہوا۔ لڑکا بادشاہ سے کہنے لگا کہ مجھ کو "بسم اللہ" کہہ کر تیر مارو تو میں مر جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو لڑکا عازم فردوس ہو گیا۔

یہ حالت دیکھ کر یکلخت عامۃ الناس کی زبان سے نعرہ بلند ہوا کہ ہم سب اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ بدحواس ہوا۔ اور حالتِ غیظ میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کیا۔ چنانچہ ان کی صلاح سے بڑی بڑی خندقیں آگ سے بھروا کر اعلان کر دیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے گا اس کو آگ میں جلا دیا جائے گا۔"

۱۴۰۔ بصیرت و عبرت :۔ بصیرت معنے بینائی دل کی یعنی دانائی۔ عبرت معنے نصیحت پکڑنا۔ یعنی کسی بھی کامیابی اور ناکامیابی پر خدا کی عطا کی ہوئی عقل و دانش سے کام لینا چاہیئے اور اُس سے نصیحت حاصل کرنا چاہیئے۔

یہ ایک ایسا سبق ہے جسے زندگی میں ہر انسان کو یاد رکھنا چاہیئے۔ اسے یاد رکھنے پر ہی انسان کی انسانیت اور بندہ کی عبودیت کا دار و مدار ہے۔ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف قصص القرآن ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "ایک انسان کا انسانی اور اخلاقی فرض ہے کہ جب اس کو کسی مصیبت یا امتحان سے نجات ملے اور وہ کامیاب اور فائز المرام ہو کر اپنی مراد کو پہنچے تو غرور و نخوت کے جال میں پھنس کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ میری ذاتی استعداد و قابلیت (طاقت و لیاقت) کا نتیجہ ہے بلکہ خدائے برتر کا شکر گزار بنے اور اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے اس کے سامنے سر نیاز جھکا دے تاکہ رحمتِ الٰہی اُس کو اپنے دامن میں چھپا لے۔ اور دنیا کی طرح آخرت میں بھی وہ بامراد اور شاد کام ہو۔

(۲) سخت سے سخت ناامیدی کی حالت میں بھی انسان کو خدا سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ مظلوم ہے اور ستم رسیدہ تو خدا کا فضل اُس کو کبھی محروم نہیں چھوڑتا۔ البتہ دقیق اور دُور رس حکمتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے تاخیر ضرور ہو جاتی ہے۔

(۳) جس قوم پر خدا کا فضل و احسان اور انعام و اکرام کھلی ہوئی نشانیوں کے ذریعہ ہوتا

ہے وہ اگر شکر و اطاعت کی بجائے ناسپاسی (ناشکری) اور نافرمانی پر اُتر آئے تو پھر وہ جلد ہی خدا کی سخت گرفت کا شکار بھی ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ کو مشرکین سے پاک کر کے جانب اعلیٰ سے داخل ہونے لگے تو متواضع اور فروتنی کی یہ کیفیت تھی کہ ناقہ پر بیٹھے بیٹھے اس قدر جھکے جا رہے تھے کہ ریش مبارک کجاوے کے سرے سے مس کر جاتی تھی اور جب حرم میں داخل ہوئے ہیں تو فوراً درگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے اور آٹھ رکعات نمازِ شکر ادا کی۔

یہی حال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جب بیت المقدس فتح ہوا اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے ہاتھ پر ایران۔ تو ان عظیم المرتبت فاتحین کا داخلہ متکبر بادشاہوں کی طرح نہیں تھا بلکہ خدا کے متواضع اور منکسر المزاج فرماں بردار بندوں کی طرح تھا اور جب حضرت عمرؓ حریم قدس میں اور حضرت سعدؓ ایوان کسریٰ میں داخل ہوئے تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خدا کی جناب میں سجدہ ریز ہو کر نمازِ شکر ادا کی۔ اور اپنی بندگی اور عاجزی کا عملی اعتراف کیا۔ وہ لڑتے تھے تو شیر کی طرح شجاعت و بہادری کے ساتھ دشمن پر بھاری ہوتے اور جب کامیاب ہو جاتے تو عجز و نیاز کے ساتھ خدا کا شکر بجا لاتے، اور مخلوقِ خدا کے لیے رحیم و کریم ثابت ہوتے۔"

۱۴۱۔ بنی اسرائیل کی بوالعجبی :۔

بنی اسرائیل معنے اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت۔

بُوالعجبی معنے انوکھاپن۔ جسے دیکھ کر یا سُن کر لوگ تعجب کریں۔ یعنی بنی اسرائیل کی ایسی انوکھی ہانک جسے سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت تعجب کیا اور ان کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا۔

"حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طفیل بنی اسرائیل پر خدائے تعالےٰ کے احسانات کی مسلسل بارش ہوتی رہی اور سیکڑوں برس کی غلامی سے اُن کے عزائم کی پستی، اخلاقی کمزوری

اور ہمت و شجاعت کے فقدان نے اُن پر جو ایک مستقل مایوسی اور ناامیدی طاری کر دی تھی ان "خدائی نشانات" [یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ جو انھیں کھانے پینے اور آرام کرنے کے لیے سامان عطا فرماتا رہا] نے بڑی حد تک اُن کی ڈھارس بندھائے رکھی۔ مگر اس عجیب الفطرت قوم پر اس کا بھی کافی اثر نہ ہوا اور انھوں نے اپنی "بُوالعجبی" کا ایک نیا مظاہرہ پیش کر دیا۔ ایک دن سب جمع ہو کر کہنے لگے۔ موسیٰ! ہم روز روز ایک غذا کھاتے رہنے سے گھبرا گئے ہیں۔ ہم کو اس "منّ و سلویٰ" [یعنی منّ وہ رطوبت شیریں جو مثل شبنم (موتیوں جیسی) کے قوم موسیٰؑ پر برستی تھی اور سلویٰ یعنی بٹیر] کی ضرورت نہیں ہے، اپنے خدا سے دعا کرو کہ وہ ہمارے لیے زمین سے باقلا، کھیرا، ککڑی مسور، لہسن اور پیاز جیسی چیزیں اُگائے تاکہ ہم کھائیں۔

حضرت موسیٰؑ کو اُن کی اس حرکت پر بہت غصّہ آیا اور فرمانے لگے "تم بھی کس قدر احمق ہو کہ ایک عمدہ اور بہترین غذا کو چھوڑ کر معمولی اور گھٹیا قسم کی چیزوں کے طلبگار ہو اور اس طرح خدا کی نعمتوں کی ناسپاسی اور اُس کے احسانات کی ناشکری کر کے کفرانِ نعمت کرتے ہو۔ پس اگر واقعی تم کو یہ نعمتیں نہیں بھاتیں اور جن چیزوں کا تم نام لے رہے ہو ان ہی کے لیے اصرار کرتے ہو تو درگاہِ الٰہی سے ان کو نشانات کی طرح طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ کسی بستی اور شہر میں چلے جاؤ۔ وہاں ہر جگہ تم کو یہ چیزیں وافر (کثیر) مل جائیں گی۔" (قصص القرآن ج ۱)

۱۴۲۔ بنی اسرائیل کا خروج :- خروج معنے باہر نکلنا + یعنی بنی اسرائیل کا فرعون کے قبضہ سے باہر نکل کر اُس کے ظلم و ستم سے نجات پانا۔

حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ علیہما السلام نے بحکم خدا فرعون کے دربار میں پہنچ کر اُسے ایمان کی دعوت دی۔ لیکن فرعون نے نہ انھیں خدا کا نبی اور رسول مانا اور نہ ہی دعوتِ حق کو قبول کیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنے خدا کے عطا کیے ہوئے "نشانات" (یعنی معجزے) اُس کو دکھائے۔ اُس ملعون نے اُن سب کو جھٹلایا اور نافرمانی ہی کرتا رہا۔

جب معاملہ اس حد کو پہنچ گیا تو خدائے تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر باپ دادا کی سرزمین کی طرف لے جاؤ۔

مصر سے فلسطین یا ارض کنعان جانے کے دو راستے ہیں، ایک خشکی کا راستہ ہے اور وہ قریب ہے اور دوسرا بحرِ احمر (قلزم) کا راستہ یعنی اس کو عبور کرکے بیابانِ سور اور سینا (تیہ) کی راہ ہے اور یہ دور کی راہ ہے۔ مگر خدائے تعالیٰ کی مصلحت کا تقاضہ یہی ہوا کہ وہ خشکی کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ اختیار کریں اور قلزم کو پار کرکے جائیں۔

واقعات رونما ہوجانے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ اس راہ حق کو حق تعالےٰ نے اس لیے ترجیح دی کہ خشکی کی راہ سے گزرنے میں فرعون اور اس کی فوج سے جنگ ضروری ہوجاتی۔ کیونکہ انھوں نے بنی اسرائیل کو قریب ہی آلیا تھا اور اگر دریا کا معجزہ پیش نہ آتا تو فرعون بنی اسرائیل کو واپس مصر لے جانے میں کامیاب ہوجاتا اور چونکہ صدیوں کی غلامی نے بنی اسرائیل کو بزدل اور پست ہمت بنا دیا تھا اس لیے وہ خوف و رعب کی وجہ سے کسی طرح فرعون کے ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوتے۔

علاوہ ازیں فرعون اور قوم فرعون کو ان کی نافرمانی اور سرکشی کی پاداش اور عظیم الشان اعجاز کے ذریعہ ظالم و قاہر اقتدار سے مظلوم قوم کی نجات کا عدیم النظیر مظاہرہ کرنا بھی مقصود تھا۔ اسی لیے یہ راستہ موزوں سمجھا گیا۔

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السّلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحرِ احمر کی راہ پر ہولیے اور روانہ ہونے سے پہلے مصری عورتوں کے زیورات اور قیمتی پارچہ جات جو ایک تہوار میں مستعار (چند روز کے لیے مانگا ہوا) لیے تھے وہ بھی واپس نہ کرسکے کہ کہیں مصریوں پر اصل حال نہ کھل جائے۔

اِدھر پرچہ نویسوں نے فرعون کو اطلاع کی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لیے شہروں سے نکل گئے۔ فرعون نے اسی وقت ایک زبردست فوج کو ساتھ

لیا اور رعمسیس سے نکل کر اُن کا تعاقب کیا، اور صبح ہونے سے پہلے پہلے اُن کے سَر پر جا پہنچا۔

بنی اسرائیل کی تعداد بقولِ توراۃ علاوہ بچّوں اور چوپاؤں کے چھ لاکھ تھی مگر پَو پھٹنے کے وقت انھوں نے پیچھا پھر کے دیکھا تو فرعون کو سر پہ پایا۔ گھبرا کر کہنے لگے۔ "کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تُو ہم کو مرنے کے لیے بیابان میں لے آیا ہے؟ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا؟ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں؟ کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔" (خروج باب ۱۴ آیات ۱۱-۱۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلّی دی اور فرمایا کہ خوف نہ کرو، خدا کا وعدہ سچّا ہے وہ تم کو نجات دے گا۔ اور تم ہی کامیاب ہو گے اور پھر درگاہِ الٰہی میں دستِ بدعا ہوئے۔ وحی الٰہی نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پانی پر مارو تاکہ پانی پھٹ کر بیچ میں سے راستہ نکل آئے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ جب انھوں نے قلزم پر اپنا عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں راستہ نکل آیا اور حضرت موسیٰؑ کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اُس میں اتر گئے۔ اور خشک زمین کی طرح اُس سے پار ہو گئے۔" (قصص القرآن ج ۱)

۱۴۳۔ بحرِ قلزم میں غرقِ فرعون:۔ بحرِ قلزم کو بحرِ احمر بھی کہتے ہیں۔ اور قلزم ایک شہر کا بھی نام ہے

جو مصر اور مکّہ کے درمیان میں نزدیک کوہ طور کے واقع ہے۔ اس شہر سے منسوب کر کے اس دریا کو کہ جس کے کنارے پر وہ واقع ہے۔ بحرِ قلزم کہتے ہیں۔

فرعون کے غرق ہونے کے متعلق قصص القرآن جلد اوّل میں تحریر کیا گیا ہے کہ "فرعون نے یہ دیکھا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔" دیکھا یہ میری کرشمہ سازی ہے (یعنی میری آنکھ کے اشارہ سے سامانِ سفر اور لڑائی کے ہتھیار) کہ بنی اسرائیل کو تم جا پکڑو بڑھے چلو۔" چنانچہ فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے

اُسی راستے پر اُتر لیے۔ جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارہ پر سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو پانی بحکم الٰہی پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا غرق ہو گیا۔

جب فرعون غرق ہونے لگا اور ملائکہ، عذاب سامنے نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا: "میں اُسی ایک وحدہٗ لاشریک لہٗ ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔" مگر یہ ایمان چونکہ حقیقی ایمان نہ تھا بلکہ گزشتہ فریب کاریوں کی طرح نجات حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ایک مضطربانہ بات تھی۔ اس لیے خدا کی طرف سے جواب ملا۔ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (سورۂ یونس) اب یہ کہہ رہا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے جو اقرار کا وقت تھا اس میں انکار اور خلافت ہی کرتا رہا اور درحقیقت تو مفسدوں میں سے تھا۔

یعنی خدا کو خوب معلوم ہے کہ تو "مسلمین" میں سے نہیں بلکہ "مفسدین" میں سے ہے۔ درحقیقت فرعون کی یہ پکار ایسی پکار تھی جو ایمان لانے اور یقین حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطراری اور بے اختیاری کی حالت میں نکلتی ہے اور مشاہدۂ عذاب کے وقت اس کی یہ صدائے ایمان و یقین حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ تھی۔

اس موقعہ پر فرعون کی پکار پر درگاہِ الٰہی سے یہ بھی جواب دیا گیا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (الآیہ)

ترجمہ: ۔ سو (نجات مطلوبہ کے بجائے) آج کے دن ہم تیرے جسم کو (یعنی تیری لاش کو) اُن لوگوں کے لیے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں۔ (پانی میں تہ نشین ہونے سے) نجات دیں گے کہ وہ (عبرت) کا نشان بنے۔

۱۴۴۔ بنی اسرائیل:۔ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہے۔ بنی مخفف بنین کا ہے۔ یہ ابن کی جمع ہے۔ اس کا نون اضافت سے گر گیا۔ اگرچہ ابن کے معنے بیٹے کے ہیں مگر پوتے اور اس

کی اولاد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ روبن، شمعون، لاوی، یہودہ اسکار، زبلون، یوسف، بنیامین، دان، نفتالی، جد، آشر، ان بارہ بیٹوں کے نام سے بارہ قبائل ان میں مشہور ہوئے اور ہر ایک کو سبط کہتے ہیں (لفظ سبط کے اصل معنے بیٹے کی اولاد، بیٹی کی اولاد، ایک گروہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں میں سے۔ اور قوم و قبیلہ کو بھی کہتے ہیں) سبط کی جمع اسباط ہے۔ حضرت موسیٰؑ، ہارونؑ اور داؤد علیہم السلام بہت سے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام اس خاندان میں پیدا ہوئے اس وجہ سے یہ خاندان روئے زمین پر متبرک اور مشہور ہو گیا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں، مدینہ منورہ اور اس کے اطراف خیبر وغیرہ مقامات میں بنی اسرائیل رہتے تھے۔ ان بارہ قبیلوں میں سے آجکل چند باقی ہیں۔ ان کو یہود کہتے ہیں۔" (تفسیر حقانی ج ۲)

۱۴۵۔ **بنی اسمٰعیل:۔** حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد کو بنی اسمٰعیل کہتے ہیں۔ حران سے ہجرت کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک کنعان میں بمقام حبرون آبسے تھے۔ اُن کے آٹھ بیٹے تھے۔ ان میں سے اسمٰعیل علیہ السلام عرب میں آرہے تھے اس لیے آنحضرت صلعم اور دیگر قبائل کو کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ بنی اسمٰعیل کہتے ہیں۔"
(تفسیر حقانی ج ۲)

بپتسمہ:۔ "عیسائیوں میں قدیم دستور ہے کہ جب کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں یا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو حوض میں غوطہ دیتے ہیں۔ بعض عیسائیوں جیسا کہ کلیسائے عرب اس پانی میں کچھ زرد رنگ یا زردی وغیرہ کا بھی استعمال کرتے ہیں اور بجائے غوطہ کے صرف رنگین کرنے پر ہی بس کرتے تھے اس کو اِصْطِبَاغ (غوطہ دینا رنگنا) یعنی بپتسمہ کہتے ہیں۔"

۱۴۶۔ **بَرق:۔** بَرق معنے بجلی، چمک بجلی کی۔
"برق وہ چمک اور روشنی ہے کہ جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی

ہے جبکہ وہ ہوا سے چلتے ہیں۔ جس کو بجلی کہتے ہیں، حکمار کہتے ہیں کہ جب قوائے فلکیہ عناصر میں تسخین و تبخیر کرتے (یعنی بھاپ کو گرم کرتے) ہیں تو عناصر باہم مخلوط ہوجاتے ہیں۔ پھران سے گوناگوں مخلوقات ظاہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب آفتاب کی گرمی پانی اور زمین پر پڑتی ہے تو دریا سے بخارات اور زمین سے دھواں سا اٹھ کر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ پس دھواں کبھی کرۂ ہوا سے بھی گزر جاتا ہے اور کرۂ آتش تک پہنچتا ہے تو اس میں آگ لگ اٹھتی ہے پس وہ شعلہ ہو کر کبھی تو رات کو دُمدار ستارہ سا نظر آتا ہے اور کبھی نیزہ اور کبھی کوئی جانور یا درخت کی صورت میں دکھائی دیتا ہے اگر وہ قدرے قلیل ہے تو جلد جل کر تمام ہوجاتا ہے اور جو مادہ زیادہ ہوتا ہے تو مدت تک دکھائی دیتا ہے اور اس کی راکھ بھی بسا اوقات جھڑتی ہوئی لوگوں نے دیکھی ہے اور کبھی اس دھوئیں میں شعلہ پیدا نہیں ہوتا تو آسمان زمین کے درمیان ایک عجیب سُرخی نمودار ہوتی ہے اور وہ بخارات جو پانی میں سے اٹھتے ہیں اگر وہ لطیف ہوتے ہیں۔ اس قدر اونچے جاتے ہیں کہ جہاں تک زمین کی گرمی نہیں پہنچتی تو وہاں کی سردی سے منجمد ہوجاتے ہیں اور ان کو ابر یا بادل کہتے ہیں اور اُن میں سے جو قطرات ٹپکتے ہیں۔ اُن کو بارش اور کبھی وہ قطرات بُرُودت (سردی) کی وجہ سے منجمد ہو کر گرتے ہیں تو ان کو اَولے کہتے ہیں کبھی وہ بخارات طبقۂ سرد میں برودت کی جگہ سے بادل بن جاتے ہیں اور ان بخارات کے ساتھ زمین سے دھواں بھی مل کر اوپر چڑھتا ہے اور وہ دھواں جب اپنی حرارت سے بادل کو توڑ کر اوپر یا نیچے جانا چاہتا ہے تو ایک سخت آواز پیدا ہوتی ہے جس کو رَعد کہتے ہیں یعنی گرج اور کڑک اور جو اس دھوئیں میں دُہنیت (چکنائی) کی وجہ سے اس حرکت عَنِیفَہ (یعنی تند و سخت) سے شعلہ نکلتا ہے وہ اگر لطیف (نرم یا باریک) ہے تو اس کو بَرق کہتے ہیں یعنی بجلی اور جو کثیف (موٹا) ہے تو اس کو صاعقہ (بجلی جو بادل سے زمین پر گرے) کہتے ہیں یعنی وہ بجلی کہ جو زمین پر گرتی ہے اور آدمی کیا بلکہ درختوں کو بھی جلاتی اور پہاڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔"

(تفسیر حقانی رح صد ۱۰۳ جلد دوم) واللہ اعلم۔

۱۴۷۔ بحرِ میت اور بحرِ لوط :۔

بداعمال اور نافرمان اقوام جب اپنی بداعمالی سے باز نہیں آتی ہیں اور خدائے تعالےٰ کی نافرمانی برابر کرتی رہتی ہیں تو اُن پر اللہ تبارک وتعالےٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوجاتا ہے اور پھر اس نافرمانی کی وجہ سے اُن کی جائے رہائش کا تختہ اُلٹ دیا جاتا ہے یہی سنت اللہ جاری رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اور آپ سب کو اپنی پناہ عطا فرمائے، اور اچھے اعمال کی توفیق بخشے۔ آمین۔

لوط علیہ السّلام کی قوم جو سدوم میں آباد تھی۔ وہ فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا تھی کہ الامان، الحفیظ، دنیا کی کوئی بُرائی ایسی نہیں تھی جو اُن میں موجود نہ تھی۔ اور کوئی خوبی ایسی نہیں تھی جو اُن میں پائی جاتی ہو۔

اُردن کی وہ جانب جہاں آج بحرِ میت یا بحرِ لوط واقع ہے، یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں، اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اُس پر شہر آباد تھے۔ سدوم وعامورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں۔ یہ مقام شروع سے بحر نہ تھا، جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی اُبھر آیا۔ اُسی لیے اُس کا نام بحرِ میت اور بحرِ لوط ہے۔
(قصص القرآن)

۱۴۸۔ بُرے اخلاق کی نحوست :۔

اَخلاق معنے طریقے، آداب + اخلاق جمع ہے خلق کی۔ + نُحوسَت معنے نامبار کی۔ بدبختی۔ یعنی بُرے آداب وطریقوں سے بدبختی آتی ہے ان سے بچو۔ دعا فرمائیے کہ اللہ جَلّ جَلالہٗ ہمیں اور آپ سب کو اچھے آداب وطریقوں سے نوازے۔ آمین۔

جس طرح حضور صلعم نے اچھے اخلاق کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ اسی طرح

بُرے اخلاق کی نحوست سے بھی آپؐ نے ہم کو خبردار کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "بُرے اخلاق والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔" ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا "کوئی گناہ اللہ کے نزدیک بُرے اخلاق سے بدتر نہیں۔"

یوں تو قرآن وحدیث میں تمام اچھے اخلاق اور عمدہ اعمال کی صفات کی تعلیم دی گئی ہے اور سب بُرے اخلاق اور بُری عادات سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ لیکن یہاں ہم اسلام کی چند بنیادی درجے کی اخلاقی ہدایتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے بغیر کوئی شخص اچھا مومن اور مسلم نہیں ہو سکتا۔

اسلام میں سچائی کی اتنی اہمیت ہے کہ ہر مسلمان کو ہمیشہ سچ بولنے کے علاوہ اس کی بھی تاکید فرمائی گئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ اور سچوں کی صحبت میں رہے۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ط اے ایمان والو! خدا سے ڈرو، اور صرف سچوں کے ساتھ رہو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر صحابۂ کرام رضؓ سے ارشاد فرمایا: جو یہ چاہے کہ اللہ و رسولؐ سے اس کو محبت ہو، یا اللہ و رسولؐ اس سے محبت کریں تو اس کو لازم ہے کہ جب بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے ...... ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا، کہ اہلِ جنت کی کیا علامت ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ "سچ بولنا"

عہد کی پابندی کرنا۔ یہ بھی دراصل سچائی ہی کی ایک قسم ہے۔ جو عہد کیا جائے اس کو پورا کیا جائے۔ قرآن وحدیث میں خصوصیت سے اس کی تاکید فرمائی گئی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا ط (بنی اسرائیل ع۴) اور اپنا ہر عہد پورا کرو یقیناً تم سے قیامت میں ہر عہد کی بابت پوچھا جائے گا۔

امانت داری بھی سچائی اور راست بازی کی ایک قسم ہے۔ اسلام میں اس کی تاکید بھی خصوصیت سے فرمائی گئی ہے۔ قرآنِ مبارک میں ارشاد ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ

اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا ۙ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ اپنے اکثر خطبوں میں بر سرِ منبر فرمایا کرتے تھے: ”لوگو! جس میں امانت کی صفت نہیں، اس میں گویا ایمان ہی نہیں۔“

اسلام نے ہر معاملہ میں عدل و انصاف کی بھی بڑی تاکید فرمائی ہے قرآن شریف میں ارشاد ہے: اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ط: اللہ تعالےٰ عدل و انصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔

تحمل اور بردباری کی بھی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ ناگوار باتوں کو برداشت کرنا، اور ایسے موقع پر غصہ کو پی جانا بھی اُن اخلاق میں سے ہے جن کو اسلام سب انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور اللہ کے نزدیک اُن اہل ایمان کا بڑا درجہ ہے جو اپنے اندر یہ صفت پیدا کرلیں۔ قرآن شریف میں جہاں اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جن کے لیے جنت سجائی گئی ہے وہاں ایسے لوگوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط (آلِ عمران ع ۱۴): جو غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرنے والے ہیں۔ (اسلام کیا ہے؟)

۱۴۹۔ بھُولی ہوئی نماز :- جو شخص کسی نماز (کے ادا کرنے) کو بھول جائے۔ تو جس وقت یاد آئے پڑھ لے۔ اور صرف

اسی نماز کا اعادہ (لوٹانا) کرے۔ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ایک نماز ترک کردے (اور) بیس برس تک (اس کو ادا نہ کرے تب بھی) وہ صرف اسی ایک نماز کا اعادہ کرے گا۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ انسؓ بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص کسی نماز کو بھول جائے تو اُسے چاہیئے کہ جب یاد کرے پڑھ لے۔ اس کا کفارہ (عوض خطا یا گناہ کا شرعی طور پر) یہی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ: ترجمہ: میری یاد کے لیے

نماز قائم کرو۔" (صحیح بخاری اردو ج ۱)

۱۵۰۔ باوضو سونا:۔ یعنی اس حالت میں سوئے کہ وضو ساقط نہ ہوا ہو۔ بہتر یہی ہے۔ اگر عشا کی نماز پڑھ چکے ہو اور ابھی آپ کو وضو ہے۔ تو اس حالت میں سونا چاہیئے۔ اور اگر وضو ساقط ہو گیا ہے تو پھر سے وضو کر کے سو جائے۔

صحیح بخاری میں اُس شخص کی فضیلت بیان کی گئی ہے جو باوضو سوئے۔ چنانچہ براءؓ بن عازب کہتے ہیں کہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا کہ جب تم اپنی خواب گاہ میں آؤ تو نماز کی طرح وضو کر لو۔ پھر اپنی داہنی جانب پر لیٹ رہو۔ بعد اس کے کہو:۔ اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَاءَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ :۔ ترجمہ:۔ اے اللہ میں نے تجھ سے امیدوار اور خائف ہو کر اپنا منہ تیری طرف جھکا دیا اور اپنا (ہر) کام تیرے سپرد کر دیا، اور میں نے تجھے اپنا پشت پناہ بنا لیا اور (میں یقین رکھتا ہوں کہ) تجھ سے (یعنی تیرے غضب سے) سوا تیرے پاس کے کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ اے اللہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل فرمائی ہے اور تیرے اُس نبی پر (بھی) جسے تو نے (ہدایت خلق کے لیے) بھیجا ہے۔

پس اگر اسی رات میں مر جاؤ گے تو ایمان پر (مرو گے) اور ان کلمات کو تمام دن باتوں کے بعد کہو جو تم کرنا چاہتے ہو (یعنی اس کے بعد کلام نہ کرو) براءؓ کہتے ہیں۔ میں نے ان کلمات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرایا تو جب میں "اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ" پر پہنچا تو میں نے کہدیا "وَرَسُوْلِكَ" آپؐ نے فرمایا، نہیں "وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ"۔

۱۵۱۔ بشارت اسم احمدؐ:۔ بشارت معنے خوشخبری + اسم معنے نام۔

اس کی جمع اَسْمار آتی ہے + احمدؐ، حمد سے بنا ہے۔ اور حمد کے معنے تعریف۔ تعریف کرنا اور اصطلاح خاص میں بیان جلال و عظمت حق تعالےٰ کا۔" قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا مدعا آیت ذیل کے اندر بیان کیا گیا ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ط (سورۂ الصف ع ۱) ترجمہ:۔ عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا۔ اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی تھی تصدیق کرتا ہوں اور میں اُس رسول کی تم کو بشارت دیتا ہوں۔ جو میرے بعد آئے گا۔ اُس کا نام احمدؐ ہوگا۔

بشارت اِسْمُهٗ اَحْمَدُ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم +

اس بشارت میں دو لفظ زیادہ تر قابلِ تدبّر ہیں۔ اوّل مِنْ بَعْدِیْ۔ اس سے یہ ضروری ٹھہرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنے والا وہی شخص ہو جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی۔ اور اس سے پیشتر اور عیسیٰؑ کے درمیان کوئی تیسرا شخص جو رسول بھی ہو اور احمدؐ نام بھی رکھتا ہو حائل نہ ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک وجہ اِلتباس (شبہ و شک) کی ہو سکتی تھی۔ الفاظ آیات کا یہ مفہوم کچھ ہمارا ہی طبعزاد نہیں ہے۔ بلکہ شفاء میں قاضی عیاضؒ نے اور خصوصیاتِ صغریٰ میں امام جلال الدین سیوطیؒ نے اور انسا العیون میں ابن دحلان نے بیان کیا ہے کہ اسم پاک احمدؐ ایسا نام ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر کسی ایک انسان کا بھی نہیں رکھا گیا۔ +

دوم۔ قابلِ تدبّر (انجام کار سوچنا) اِسْمُهٗ اَحْمَدُ کہ کیا فی الواقع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اَحْمَدؐ تھا۔ واضح ہو کہ نبی صلعم کے ذاتی نام دو ہیں۔ احمد اور محمدؐ۔ اسم پاک احمدؐ حضورؐ کی والدہ نے بشارت رؤیا (خواب میں خوشخبری) کے موافق رکھا اور اسم پاک محمدؐ حضورؐ کے دادا نے رکھا۔ ان دونوں اسموں کا مادہ ایک ہی ہے۔ یعنی دونوں اسم مبارک "حمد" سے بنتے ہیں۔ امام ابن القیمؒ نے کتاب جلاالافہام میں تحریر کیا ہے کہ علماء کے ایک گروہ کا قول ہے۔ انہی میں ابوالقاسم سہیلی وغیرہ ہیں۔

کہ آں حضرت صلعم کا اسم مبارک احمدؐ پہلے رکھا گیا اور اسم مبارک محمدؐ بعد میں رکھا گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی بشارت میں حضورؐ کا اسم مبارک احمدؐ واقع ہوا ہے۔

امام ابن سعد نے طبقات میں روایت کی ہے:۔ ہم ان احادیث کو جو ذیل میں درج کی جارہی ہیں صرف ان کے ترجمے پیش کریں گے:۔ باقی کے لیے معذرت چاہتے ہیں۔ امید ہے محترم ناظرین معاف فرمائیں گے۔

(۱) امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ جب آمنہ کے شکم مبارک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اُس وقت آمنہ کو حکم ہوا تھا کہ وہ بچہ کا نام احمدؐ رکھیں۔

(۲) امام ابن سعد نے طبقات الکبیر میں بروایت مرفوع بیان کیا ہے۔

محمدؐ ابن حنیفہ کہتے ہیں۔ میں نے اپنے باپ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا نام احمدؐ رکھا گیا تھا۔

(۳) خصائص الکبریٰ میں بیہقی کی روایت درج ہے:۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جارود بن عبداللہ (جو ملک یمن کے سب سے بڑے عیسائی تھے) آئے اور اسلام لائے تھے اور انھوں نے کہا کہ اس خدا کی قسم ہے جس نے حضورؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ میں نے آپ کا وصف انجیل میں دیکھا ہے۔ اور بتول مریم کے فرزند (عیسیٰؑ) نے آپ ہی کی بشارت دی ہے۔

(۴) امام ابن سعد نے طبقات الکبیر میں روایت کی ہے:

سہل مولیٰ عثیمہ کہتے ہیں کہ اہل مریس کے اندر ایک نصرانی تھا جو انجیل پڑھا کرتا۔ اس نے بتایا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت انجیل میں درج ہے وہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے۔ اور اُن کا نام احمدؐ ہوگا۔

(۵) صحیح مسلم میں بروایت جبیر بن مطعم عن ابیہ ہے:۔

کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے کئی نام ہیں۔ مَیں محمدؐ ہوں میں احمدؐ ہوں۔ مَیں ماحی ہوں: کہ خدا تعالےٰ نے میرے ذریعہ سے کفر کو محو کیا۔ میں حاشر

ہوں کہ سب لوگ میرے قدم پر قیامت کو اٹھیں گے۔ میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۶) یہی حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے:۔ صحیحین کی حدیث پر غور کرنا چاہیئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (۵) نام بتائے۔ ان میں سے دو اسم محمدؐ و احمدؐ کے نام کے معنی نہیں بتائے۔ اور (۳) اسماءِ ماحی و حاشر، و عاقب کے معنے بتائے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ محمدؐ و احمدؐ حضورؐ کے ذاتی نام ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک نام بھی وصفی ہوتا تو اس کے معنی بھی اس طرح بیان فرما دیتے۔ جیسا کہ اسم نمبر ۳ نمبر ۴ نمبر ۵ کے معنی بتائے تھے۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۲)

۱۵۲۔ بعثتِ انبیاء کی ضرورت اور قانونِ الٰہی

بعثتِ انبیاء بمعنے انبیاء علیہم السلام کو پیدا کرنا + قانونِ الٰہی معنے خدا تعالےٰ کا قاعدہ و دستور۔ اس صورتِ حال کے بعد کہ ہمارا علم شک اور تردد سے خالی نہیں اور ہماری عقل کی رسائی حواسِ ظاہری سے آگے نہیں اور خدا ہمیں ان آنکھوں سے اس مادی دنیا میں دکھائی نہیں دے سکتا جس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ میں اور خدا میں کوئی اشتراک نہیں۔ وہ غنی ہے تو ہم فقیر و محتاج ہیں۔ وہ غیر محدود ہے تو ہم حرص و ہوا میں گرفتار اور چار سمتوں میں محدود و محصور ہیں۔ وہ باقی ہے تو ہم فانی ہیں، وہ قدیم بالذات ہے (یعنی اپنی حقیقت کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ سے ہے) تو ہم حادث بالغیر (یعنی نو پیدا شے کے ساتھ) ہیں، وہ واجب ہے تو ہم ممکن (یعنی جو قائم کیئے گیئے) ہیں۔ وہ مالک ہے تو ہم مملوک ہیں۔

اصولاً ہمارے لیے یہ تسلیم کرنا ناگزیر (یعنی بالضرور) ہے کہ بندہ کو خدا کی مرضیات کا علم حاصل کرنے کے لیئے ایک ایسے مکمل غیر متغیر (یعنی جو بدلا نہ جا سکے) قانون کی یقیناً ضرورت تھی جو خیر و شر کے راستوں کو نکھار کر سامنے رکھ دے اور جو اپنی غیر متزلزل (یعنی جو ڈگمگانے والی نہ ہو) تعلیمات و ہدایات کے لحاظ سے سورج

کی طرح نہ گھٹ سکے اور نہ بڑھ سکے اور اپنے محکم (مضبوط) اصول اور کلیات کی رو سے قیامت تک کُل اقوام عالم کے لیے یکساں موجب ہدایت و رہنمائی کامل ہو اور عالم کے یوم آخر تک وہی کُل اختلافات نوعِ انسانی کے لیے ایک حَکَم (انصاف کرنے والا۔ نیک کو بد سے جُدا کر دینے والا) اور ثالث کی حیثیت رکھے۔" (عقائد الاسلام قاسمی)

بَدامنی معنے بے چین اور آرام کا ختم ہو جانا۔

۱۵۳۔ بَدامنی :-

ملک اور قوم دونوں کے لیے بدامنی خراب ہے۔ اس سے ملک اور قوم دونوں ہی کی ترقی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا بُرا اثر ملک کی اقتصادیات پر پڑتا ہے۔ اخلاق و تہذیب، تمدن اور معاشرت سب خراب ہو جاتے ہیں۔ شرم و حیا اور ادب و احترام جاتے رہتے ہیں، ملک میں ہر چہار طرف فتنہ و فساد اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، ملک میں قزّاق، مفسد اور رہزن ہر طرف سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جان و مال عزت و آبرو حتیٰ کہ ذرائع آمد و رفت سب غیر محفوظ ہو جاتے ہیں اور سارے ملک کا امن و امان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

یہ بدامنی آخر پھیلتی کیوں ہے؟ اس کے بہت سے طریقے ہو سکتے ہیں، بہت اسباب ہو سکتے ہیں، لیکن چار اصول اس بدامنی کو پھیلانے میں زیادہ مؤثر ہو سکتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے اگر ان پر توجہ دی جائے تو بدامنی انشاء اللہ پیدا ہی نہیں ہو گی۔ وہ اصول یہ ہیں۔

(۱) اوّل خَلق (لوگوں) کے نیک و بد سے حکمران کا لاعلم ہونا۔

(۲) شراب کا اعلانیہ استعمال کیونکہ نشہ کی حالت میں لوگ ما فی الضمیر کو آزادی کے ساتھ ظاہر کر دیتے ہیں اور اس طرح باہم فتنہ و فساد کا لوگوں میں اتفاق ہو جاتا ہے۔

(۳) امراء و ذی اثر لوگوں کا ایک دوسرے سے تعلق رشتہ داری اور خلوص و محبت کا بڑھ جانا کہ ایک پر اگر آفت آجاتی ہے تو سب اس کی مدد کر رہے ہیں۔

(۴) زر و مال کی کثرت کہ جب بداصل آدمی دولت مند ہو جاتے ہیں تو ہمیشہ ان

میں خیالات فاسد ہی پیدا ہوتے ہیں۔

۱۵۴۔ بُخل اور خیرات کرنا:۔

بُخل کرنا معنے کنجوسی کرنا + خیرات کرنا معنے راہِ خدا میں خرچ کرنا۔

بُخل سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے، بچنا چاہیئے، کیونکہ یہ مسلمان کی شان نہیں ہے۔ مسلمان کا عقیدہ و ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ رَزّاق ہے وہی سب کو روزی ورزق پہنچاتا ہے۔ بُخل سے کمی آتی ہے۔ قِلّت بڑھتی ہے۔ اور خیرات کرنے سے روزی ورزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ بخلاف بُخل کے کہ اللہ تعالےٰ ناراض ہوتا ہے خیرات کرنے سے اللہ جلّ جلالہٗ خوش ہوتا ہے۔ رزق بھی بڑھتا ہے اور عُمر میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

قرآن مبارک کی سورۃ القلم میں شہر صنعاء کے قریب ایک باغ کا واقعہ ہے جس کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح تفسیر فرماتے ہیں۔ "شہر صنعاء سے تھوڑے فاصلے پر ایک باغ تھا۔ جس روز اس کے پھل توڑے جاتے، شہر کے فقراء و مساکین جمع ہوجاتے، مالک کا معمول تھا کہ اپنی سال بھر کی معاش اس میں سے نکال کر باقی تمام غلہ اور پھل فقیروں، محتاجوں میں خیرات کر دیتا تھا، اس سے اس کو بڑی برکت اور ترقی تھی، جب مالک کا انتقال ہوگیا تو اس کے پانچ بیٹے وارث ہوئے، پھل توڑنے کا دن آیا، تو پانچوں بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہم سے خیرات کرنے میں باپ کی پیروی نہ ہو سکے گی، یہ پھل جو مساکین لے جاتے ہیں اپنے ہی کام میں آئیں تو اچھا ہے، چلو صبح سویرے ایسے وقت میں پھل توڑ لائیں کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے، جب غرباء و مساکین اپنے وقت پر آئیں گے تو کٹا کٹایا پائیں گے۔

ان کو اپنی اس تدبیر کی کامیابی کا یہاں تک یقین تھا کہ انشاء اللہ تک بھی نہ کہا، یہاں بھائیوں میں یہ مشورے ہو رہے تھے اور وہاں رات ہی کو باغ میں آگ لگ گئی، جو سارے باغ کا صفایا کر گئی۔ باغ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ پہچانا نہ جاتا

تھا، پہلے تو انھیں یہ خیال ہوا کہ ہم راستہ بھول کر کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں، لیکن غور کیا تو پہچانا کہ وہی جگہ اور وہی مقام ہے، تب کہنے لگے کہ ہائے ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ۔

جب اُس بھائی نے جو ان میں نسبتاً دین دار اور فہیم تھا انھیں متنبہ کیا کہ جب تم انشاء اللہ کہے بغیر پھل توڑنے کا ارادہ کر رہے تھے تو میں نے تمھیں مشورہ دیا تھا کہ اللہ کی تسبیح کرو یعنی انشاء اللہ کہو، کیونکہ اس کی مشیئت (حق تعالےٰ کی مرضی) کے بغیر کامیابی محال ہے، مگر تم نے توجہ نہ کی، اور اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا، تب وہ سب نادم ہوئے اور غلطی کا اقرار کیا اور توبہ کی۔

حق تعالےٰ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور اس باغ کے عوض میں ان کو ایک اور باغ عطا فرمایا۔ جس میں سے خچر بھر بھر انگور بار ہا جاتے تھے، ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مومن تھے، جو پہلے بخل کے مرتکب ہوئے، مگر بعد میں تائب ہو گئے تھے "۔

۱۵۵۔ بیچ والی نماز :۔ یعنی نمازِ عصر۔ سب ہی نمازوں کی اُن کے وقت پر ادا کرنے کی شرع اسلام نے تاکید فرمائی ہے، اور نمازوں کو وقت پر ہی ادا کرنا زیادہ ثواب ہے۔ عصر کی نماز چونکہ ایسے وقت پر ہوتی ہے کہ دِن کا اختتام قریب ہوتا ہے اور رات کا آغاز بھی شروع ہونے والا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں آدمی اپنے تمام دن کے کاموں کو سمٹنا اور اکٹھا کرنے میں ہمہ تن مصروف نظر آتا ہے، اس لیئے اس کا احتمال ہوتا ہے کہ کہیں نماز نہ نکل جائے اور چونکہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ عصر کی نماز کا بھی یہی وقت ہے تو اس لیئے اس نماز یعنی عصر کی نماز کا زیادہ خیال رکھنا چاہیئے۔ اس کی حفاظت کے لیئے خصوصاً ارشاد فرمایا گیا ہے، کثرت سے علماء کا قول بعض احادیث سے یہی معلوم ہوا ہے کہ بیچ والی نماز، عصر کی ہی نماز ہے۔ کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں فجر اور ظہر کی ہیں اور دوسری طرف کی دو نمازیں مغرب اور عشاء کی ہیں، قرآن مبارک میں ارشاد باری تعالےٰ ہے :۔ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ

الْوُسْطٰی ق وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ○ (سورۃ البقرۃ) ترجمہ:۔ حفاظت کرو سب نمازوں کی (عموماً) اور درمیان والی نماز کی (خصوصاً) اور کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے۔

بدعہدی یعنی نقضِ عہد۔ معاہدہ کو توڑنا۔

۱۵۶۔ **بدعہدی**:۔ قرآن مبارک کے پارہ ۲۸ "قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ" کی سُوْرَۃُ الْحَشْرِ میں اللہ تعالیٰ نے کفار اہلِ کتاب (یعنی بنو نضیر) کو ان کے گھروں سے نکالنے کا ذکر فرمایا ہے۔ بنو نضیر جلاوطن کیے گئے تھے۔ چنانچہ اس واقعہ کی تفسیر میں حضرت مولانا (حکیم الامت) عالی جناب اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مدینہ منورہ سے دو چار میل کے فاصلہ پر یہود کی ایک قوم بنو نضیر آباد تھی انھوں نے ہجرت نبوی کے بعد صحابہ کرامؓ سے ایک معاہدہ کیا تھا، جس کی رو سے اُن پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کسی تحریک میں شامل نہیں ہوں گے، اہلِ اسلام کے ہر طرح موافق رہیں گے، اور اُن کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔ ایک دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوں بہا کے ایک مقدمہ کا تصفیہ کرنے کے لیے چند صحابہؓ کی معیت میں اُن کے ہاں تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپؐ کو دیوار کے نیچے بٹھلا کر ایک طرف تو آپؐ سے گفتگو شروع کی اور دوسری طرف باہم مشورہ کیا کہ بدنصیب اعدار آپؐ کی زندگی کا چراغ گُل کر دیں، چنانچہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے ایک بڑا پتھر چھت پر چڑھا کر آپؐ پر لڑھکا دینا چاہا۔ جھٹ جبریل علیہ السّلام پہنچے اور آپؐ کو اس سازشں کی اطلاع دی۔ آپؐ فی الفور اُٹھ کھڑے ہوئے اور صحابہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ مراجعت فرمائی۔ آپؐ نے کہلا بھیجا کہ تم نے نقضِ عہد کیا ہے یا تو دس دن کے اندر یہاں سے خود چلے جاؤ ورنہ لڑائی ہوگی۔ وہ لڑائی کے لیے تیار ہوئے، آپؐ نے ان پر لشکر کشی کی، اور ان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ آخر مجبور ہو کر نکل جانے پر راضی ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ سب ہتھیار چھوڑ جاؤ اور جس قدر اسباب اپنے ساتھ لے جاسکو، لے جاؤ۔ غرض اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے ویران کر کے چل دیئے۔

بعض لوگ خیبر چلے گئے اور دوسروں نے شام کا راستہ لیا، یہ ۳ھ کا واقعہ

ہے، بعض نے اس کو ۵ھ کا واقعہ قرار دیا ہے، وہ اپنے قلعوں کے استحکام پر ایسے مطمئن تھے کہ ان کے دل میں انتقامِ غیبی کا خطرہ بھی نہ آتا تھا۔ آخر مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکالے گئے جن کی بے سروسامانی پر نظر کر کے اس کا احتمال بھی نہ ہوتا تھا کہ یہ بے ساماں ان باسامانوں پر غالب آجاویں گے۔

عبرت حاصل کرو کہ انجام خدا اور رسولؐ کی مخالفت کا بعض اوقات دنیا میں بھی نہایت برا ہوتا ہے۔ یعنی اگر خدائے شدید العقاب (سخت سزا دینے والے) نے ان کی جلاوطنی مقدر نہ کی ہوتی تو انھیں دنیا میں اُن کی بدعہدی، غداری اور اقدامِ قتل کی کوئی اور سزا دیتا۔ بہر حال اُن کو دنیا میں جو سزا ملنی تھی وہ ملی اور آخرت میں اُن کے لیے آگ تیار ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں جب بنو نضیر اپنے قلعوں میں جا چھپے تھے اور لشکرِ اسلام نے ان قلعوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اس زمانہ میں قلعہ شکن توپیں یا کوئی اور سامان ایسا نہ تھا جو محصورین کو باہر نکل کر مقابلہ کرنے پر مجبور کرتا، لیکن خدائے معین کی نصرت نوازی ہر اقدام میں اپنے رسولؐ کی راہ نما تھی۔

چنانچہ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے ایما سے حکم دیا کہ ان کے کھیت اُجاڑ دو اور باغات کاٹ دو تا کہ یہ لوگ جلد فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں جب کھیت اُجڑنے اور باغات کٹنے لگے تو وہ لوگ بولے۔ اے محمدؐ! ہم تو غدار اور بدعہد ہیں اس لیے ہمارے درپئے قتل ہو۔ ان جرم ناآشنا کھیتوں اور باغوں نے کیا قصور کیا ہے۔ جس کی پاداش میں ان کے سر قلم ہو رہے ہیں۔" چونکہ یہ پیغام بادی النظر میں معقولیت کا پہلو لیے ہوئے تھا۔ اس لیے بعض قریب العہد صحابیوں کو بھی خلجان ہوا اور کچھ پریشانی لاحق ہوئی۔ خدائے برتر نے یہ آیت نازل فرما کر ان کا اطمینان کر دیا۔ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ .... تا .... وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ترجمہ: جو کھجوروں کے درخت کے تنے تم نے کاٹ ڈالے یا اُن کو اُن کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو (دونوں باتیں) خدا ہی کے حکم (اور رضا) کے موافق ہیں اور تا کہ کافروں کو ذلیل

کرے) کہ جو کچھ ہوا ہمارے حکم اور مشیت سے ہوا۔ یاد رہے کہ ضرورت و مصلحت کے وقت اہلِ حرب کا مال و متاع برباد اور نذرِ آتش کرنا، اُن کے اشجار و باغات کا کاٹنا غرض ہر قسم کے ضروریاتِ زندگی کا تلف کرنا جائز ہے۔"

۱۵۷۔ بھلائی اور بُرائی کی حقیقت:- حَقِیقَتُ معنے اصل۔ ماہیت کسی شے کی۔

بھلائی اور برائی، اچھائی اور خرابی یہ ایسے الفاظ ہیں جو ہر وقت اور ہر کسی چھوٹے یا بڑے اور بلا امتیاز مذہب و ملت ہر ایک کی زبان سے نکلتے ہیں یا ہم آپ سب ہی سنتے ہیں، لیکن اس کے لیے کوئی ایسا آلہ یا دوسرا اوزار نہیں ہے جس سے اس کی جانچ کر کے یہ بتایا جا سکے کہ بھلائی اور بُرائی میں کونسی بھلائی، بھلائی ہے اور کونسی بُرائی واقعی برائی ہے۔ کیونکہ جن چیزوں کی یا جن باتوں کی یا عمل کی جس کو عادت شروع سے پڑ جاتی ہے وہی اس کے دل کو بھلی یا بُری معلوم ہوتی ہیں۔

ہمارے پاس بھلائی اور برائی کے فرق کو سمجھنے کے لیے بس ایک ہی تھرمامیٹر یا طریقہ ہے کہ ہم اور آپ "سچے" اور "پکے" مسلمان ہوں۔ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے اور یہی سب سے اعلیٰ و برتر ہے۔" چنانچہ قرآن شریف میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مسلمان وہی ہے جو اپنے معاملات میں اور کاروبار میں سچا ہو، ایمان دار ہو، عہد کا پکا ہو اور وعدہ کا سچا ہو، یعنی دھوکا فریب اور امانت میں خیانت نہ کرتا ہو، کسی کا حق نہ مارتا ہو، ناپ تول میں کمی نہ کرتا ہو، جھوٹے مقدمے نہ لڑتا ہو، اور نہ جھوٹی گواہی دیتا ہو، سود اور رشوت جیسی تمام حرام کمائی سے بچتا ہو، اور جس میں یہ برائیاں ہوں۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالص مومن اور اصلی مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ ایک طرح کا منافق اور سخت درجہ کا فاسق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام برائیوں سے بچائے۔ اس بارے میں قرآن و حدیث میں سخت تاکید آئی ہے۔ قرآن شریف کی مختصر سی آیت ہے: یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ؕ ترجمہ: اے

ایمان والو! تم کسی غلط اور ناجائز طریقہ سے دوسروں کا مال نہ کھاؤ۔

دوسرا ارشاد ہے جو قرآنِ مبارک میں ہی باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ (ہم یہاں پر صرف ترجمہ پر اکتفا کریں گے) ترجمہ: اِن کم دینے والوں کے لیے بڑی تباہی (اور بڑا عذاب ہے) جو دوسروں لوگوں سے جب ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں، اور جب خود دوسروں کے لیے ناپتے ہیں تو کم دیتے ہیں، کیا اُن کو یہ خیال نہیں ہے کہ وہ ایک بہت بڑے دن اٹھائے جائیں گے جس دن کہ سارے لوگ جزا و سزا کے لیے رب العالمین کے حضور میں حاضر ہوں گے۔" دوسروں کے حق اور دوسروں کی امانتیں ادا کرنے کے لیے خاص طور سے حکم ملا ہے:۔ ارشاد ہوا ہے کہ:۔ ترجمہ:۔ "اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جن لوگوں کی جو امانتیں (اور جو حق) تم پر ہوں، وہ اُن کو ٹھیک ٹھیک ادا کرو۔" قرآن شریف میں ہی دو جگہ (ایک سورۂ مومنون میں۔ اور دوسرے سورۂ معارج میں) اصلی مسلمان کی یہ صفت اور پہچان بتلائی گئی ہے:۔ ترجمہ: "وہ جو امانتوں کے ادا کرنے والے اور وعدوں کا پاس رکھنے والے ہیں۔" اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اکثر خطبوں اور وعظوں میں فرمایا کرتے تھے کہ: ترجمہ: "یاد رکھو جس میں امانت کا وصف نہیں اُس میں ایمان بھی نہیں، اور جس کو اپنے عہد اور وعدے کا پاس نہیں، اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں۔"

ایک اور حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں اور مکر و فریب دوزخ میں لے جانے والی چیز ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو کوئی ایسی چیز کسی کے ہاتھ بیچے جس میں کوئی عیب اور خرابی ہو اور گاہک پر وہ اس کو ظاہر نہ کرے تو ایسا آدمی ہمیشہ اللہ کے غضب میں گرفتار رہے گا۔ (اور ایک روایت میں ہے) کہ ہمیشہ اُس پر اللہ کے فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔" (اسلام کیا ہے؟) بہر حال اسلام کی تعلیم کی رو سے کاروباری حالات اور دیگر معاملات میں بھلائی اور برائی کی یہ مختصراً تفصیل بیان کی گئی ہے۔ اور اب حُسنِ معاشرت، تہذیب و اخلاق اور شائستگی جو عادات

پر بھلائی اور برائی کی حقیقت بیان کر رہے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

"جو لوگ حسنِ معاشرت اور تہذیب الاخلاق و شائستگی، عادت پر بحث کرتے ہیں اُن کے لیے کسی ملک یا قوم کے کسی رسم و رواج کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھہرانا نہایت مشکل کام ہے۔ ہر ایک قوم اپنے ملک کے رسم و رواج کو پسند کرتی ہے، اور اُسی میں خوش رہتی ہے۔ کیونکہ جن باتوں کی چھٹپن سے عادت اور موانست ہو جاتی ہے وہی دل کو بھلی معلوم ہوتی ہیں، لیکن اگر ہم ان پر اکتفا کریں تو اس کے معنے یہ ہو جائیں گے کہ بھلائی اور برائی حقیقت میں کوئی چیز نہیں ہے بلکہ صرف عادت پر موقوف ہے، جس چیز کا رواج ہو گیا، عادت پڑ گئی۔ وہی اچھی ہے اور جس چیز کا رواج نہ ہوا، اور عادت نہ پڑی، وہی بری ہے، مگر یہ بات صحیح نہیں ہے، بھلائی اور برائی فی نفسہٖ مستقل چیز ہے۔ رسم و رواج سے البتہ یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ کوئی اُس کے کرنے پر نام نہیں دھرتا، عیب نہیں لگاتا، کیونکہ سب کے سب اُس کو کرتے ہیں۔ مگر ایسا کرنے سے وہ چیز اگر فی نفسہٖ بری ہے تو اچھی نہیں ہو جاتی، البتہ یہ کہنا درست ہوگا کہ ہر گاہ معیوب اور غیر معیوب ہونا کسی بات کا زیادہ تر اُس کے رواج اور عدمِ رواج پر منحصر ہو گیا ہے تو ہم کس طرح کسی امر کے رسم و رواج کو اچھا یا بُرا قرار دے سکیں گے۔ بلاشبہ یہ بات کسی قدر مشکل ہے، مگر جبکہ یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ برائی یا بھلائی فی نفسہٖ بھی کوئی چیز ہے تو ضرور ہر بات کی فی الحقیقت بھلائی یا برائی قرار دینے کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ تلاش کرنا ہوگا۔ سب سے مقدم اور سب سے ضروری امر اس کام کے لیے یہ ہے کہ ہم اپنے دل کو تعصبات اور ان تاریک خیالوں سے جو انسان کو سچی بات کے سُننے اور کرنے سے روکتے ہیں خالی کر دیں۔"

(جواہراتِ نثر صفحہ ۶۰)

"پ"

۱۵۸۔ پیدائش:۔ قرآن میں ہے:۔ "وابتغوا ما کتب اللّٰہ لکم" اللّٰہ نے تمہارے لیے جو اولاد مقدر فرمائی ہے نکاح سے

اُس کو تلاش اور حاصل کرنے کی نیت کرو، مطلب یہ ہے کہ جس طرح غذا بقائے نفس کا سبب ہے اسی طرح نکاح بقائے نسل کا سبب ہے۔ پس مستحب اور مسنون یہ ہے کہ غذا اور جماع کو [جو بظاہر حیوانی جذبہ اور فطری مطالبہ اور گویا دُنیا ہے] بسم اللہ اور سورۂ قل ہو اللہ کہہ کر شروع کیا جائے تاکہ پھر یہی چیزیں دین بن جائیں۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالےٰ سے نیک اولاد کی اور اُس کے شیطان سے محفوظ رکھنے کی دعا کرے۔

قرآن میں ہے: "اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کیا کرو۔ میں تم کو اور اُن کو دونوں کو روزی دوں گا۔"

حدیث میں ہے۔ جس نے تنگدستی کے خوف سے نکاح نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں (زین العلم) نیز حضور صلعم نے فرمایا: بیٹا دُنیا میں نور ہے اور آخرت میں سرور۔ آپؐ نے پھر فرمایا۔ "نکاح کرتے رہو..... میں تمھاری کثرت پر قیامت میں فخر کرنے والا ہوں۔" (ابو داؤدؒ)

ان ارشادات سے حسبِ ذیل باتیں سمجھ میں آتی ہیں:-

(۱) بچوں کی پیدائش سے تنگ دل نہ ہو۔ تنگدستی کا اندیشہ شیطان کی طرف سے ہے۔ روزی دینے والا خدا ہے۔ تنگی زیادہ تر فیشن کی محبت اور تجارت و محنت سے نفرت کے باعث ہوتی ہے۔

(۲) مسلمان کی کثرت کی تمنا خود رسول اکرم علیہ السلام کو ہے۔ قیامت میں مسلمان کی کثرت تو اسی وقت ہو گی جب دنیا میں مسلمانوں کی مردم شماری زیادہ ہو۔ پس مبارک ہے وہ مسلمان جو حضور صلعم کی تمنا پوری کرنا چاہے۔

(۳) اولاد سے دنیا میں ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے اور نیک اولاد تو قیامت میں بھی والدین کے کام آئے گی۔ جہاں اللہ کی رحمت اور رسولؐ کی شفاعت کے سوا اور کچھ نافع نہ ہو گا۔

(۴) برتھ کنٹرول [یعنی ضبط تولید] حکمِ خدا کے خلاف ہے۔ مسلمانوں میں یہ شیطانی چیز

نہ پھیلنی چاہیئے۔ ہاں اگر بی بی کی سخت بیماری اور ہلاکت کا اندیشہ ہو یا قوی احتمال ہو کہ اولاد ہوگی تو اُس کے لیئے باپ حرام کمائی پر مجبور ہوگا تب البتہ ضبط تولید کا کوئی جائز عمل جائز ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "برکت والی وہ عورت ہے جس کی پہلی اولاد لڑکی ہو۔" دوسری حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ "لڑکی ہونا مرد کے قوی تر ہونے کی علامت ہے۔" (بخاری) نیز فرمایا: "جو شخص کم یا زیادہ بیٹیوں میں گھر جائے اور اس نے سب کے ساتھ اچھا سلوک کیا (عمدہ پرورش کی اور اعلم و تمیز سکھائی) تو وہ سب لڑکیاں اُس کے لیئے جہنم سے آڑ اور پناہ بن جائیں گی۔" (بخاری) نیز آپؐ نے فرمایا: جس کسی کی بیٹیاں ہی ہوں اور وہ اُن کو نہ (شرم سے قتل اور) دفن کرے، نہ اُن کو ذلیل سمجھے (اور ذلت سے نہ رکھے) اور نہ اُن لڑکیوں پر لڑکوں کو (غیر شرعی) ترجیح دے تو اللہ اُسے جنت میں پہنچائے گا۔" (ابوداؤد)

پس معلوم ہوا کہ سماج اور انسانی نسل کی گاڑی کا ایک پہیہ مرد ہے اور دوسرا پہیہ عورت ہے۔ اس گاڑی کے چلنے کے لیئے دونوں ہی پہیوں کی یکساں ضرورت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک پہیہ (مرد) ذرا بڑا اور مضبوط ہے اور دوسرا پہیہ (عورت) ذرا چھوٹا اور نازک ہے۔

لڑکیاں نہ ہوں تو مرد کا ہونا بھی نسل انسانی کے لیئے بیکار ہے۔ اس لیئے لڑکیوں کے ہونے سے رنجیدہ ہونا اللہ پر اعتراض اور تقدیر کی شکایت کرنا ہے۔

آنحضرتؐ نے عورت کے لیئے (زچگی کے خون کی (زیادہ سے زیادہ) مدت چالیس دن رکھی ہے۔ (لیکن کم کی کوئی حد نہیں) لیکن یہ کہ عورت کا خون بند ہو جائے۔ چالیس دن سے کم ہی ہیں۔ (ابوداؤد) پس اگر کم میں خون بند ہو تو لازم ہے کہ نہا دھو کر نماز پڑھا کرے۔ عورتیں نماز میں بہت سستی کرتی ہیں یہ بُرا ہے۔

اذان:۔ آنحضرت صلعم کا فرمان ہے کہ جب کسی کے گھر بچہ پیدا ہو تو اُس کے

داہنے کان میں اذان کے کلمات کہے اور بائیں میں اقامت کہے تو اس سے بچّہ کو اُم الصبیان [یعنی دودھ نا پینے] کی بیماری نقصان نہیں پہنچاتی۔ (جامع صغیر) بچّہ کے کان میں اذان کہنا سنّت موکدہ ہے۔ اذان کے کلمات ذرا رُک رُک کر کہے اور تکبیر واقامت ذرا جلدی جلدی۔ اذان کہنے والا باوضو ہو۔ کوئی بزرگ و نیک آدمی اذان دے تو بہتر ہے۔ ورنہ خود باپ اذان دے۔ اذان سے پہلے اذان دینے کی نیت کرے۔

اذان اور تکبیر کے بعد ان کلمات کی برکت اور وسیلہ سے بچہ کے لیے امراض و بلاؤں اور شیطان سے محفوظ رہنے کی دعا کی جائے۔ سب سے پہلے کلمات بچہ کے کان میں پہنچنے والے اذان اور تکبیر کے کلمات ہونے چاہئیں۔ اس لیے جب تک اذان اور تکبیر نہ ہو آس پاس بیٹھنے والے لوگوں کو آہستہ آہستہ باتیں کرنی چاہئیں۔ بچّہ کے رونے سے اُکتانا نہ چاہیئے اس لیئے کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ بچہ کا رونا ذکرِ الٰہی ہے۔

تحنیک:۔ معنی ہیں تالو میں لگانا۔ اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوہارا چبا کر اُس کا لعاب بچہ کے تالو (یعنی منھ کے اندر) میں لگا دیا جائے۔

بچّہ کے پاس لوہا رکھ دینا۔ بندوق سر کرنا وغیرہ سب لغو ہے۔ دل لگا کر خصوصاً ماں باپ اللہ سے دعا کریں۔ قرآنی آیتیں روزانہ ماں پڑھ کر بچہ کو پھونک دیا کرے۔ حائضہ عورت کو قرآنی آیات کو بہ نیتِ دعا پڑھنا جائز ہے۔" (ماخوذ از معمولات نبویؐ)

۱۵۹۔ پانچ نمازیں:۔ نماز ہی وہ عبادت ہے جو آسمان پر فرض ہوئی ہے، اور ایسی مبارک رات میں جسے معراج النبیؐ کہتے ہیں۔ قیامت میں سب سے پہلے جب حساب وکتاب ہوگا تو بندوں سے سب سے پہلا سوال نماز ہی کے متعلق کیا جائے گا۔ جو اللہ کے نیک بندے اس سوال میں پورے اُتریں گے اُن کے لیے سب سوال آسان ہو جائیں گے اور جو بندے پہلے ہی سوال میں ناکام رہیں گے {اللہ تعالےٰ ہم سب کو نماز کی پابندی اور اُس کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے} آپ خود اندازہ لگائیں اُس وقت اُن کی کیا حالت ہوگی اور قیامت کا میدان ہوگا۔

فضائل نماز میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری اُمت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لیۓ عہد کر لیا ہے کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کو اُن کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے، اُس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہ کرے تو مجھ پر اُس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔"

ایک دوسری حدیث میں یہ مضمون اور وضاحت سے آیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں جو شخص ان میں لاپروائی سے کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے، اچھی طرح وضو کرے اور وقت پر ادا کرے، خشوع و خضوع سے پڑھے، حق تعالیٰ شانہٗ کا عہد ہے کہ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے اور جو شخص ایسا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد اس سے نہیں، چاہے اس کی مغفرت فرمائیں چاہے عذاب دیں، کتنی بڑی فضیلت ہے نماز کی کہ اس کے اہتمام سے اللہ کے عہد میں اور ذمہ داری میں آدمی داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ہم سب کو خشوع و خضوع سے وقت کی پابندی کے ساتھ سب نمازوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۶۰۔ پانچ چیزیں، پانچ راتیں:- اِن پانچ چیزوں کی بابت ایک پیشین گوئی ارشاد فرمائی گئی ہے اور اس پیشین گوئی میں اُمت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ اس کی برائیوں سے بچیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "میری اُمت پر ایک زمانہ آئے گا جس میں وہ پانچ چیزوں کو پسند کریں گے اور پانچ بھول جائیں گے، (۱) دُنیا سے محبت کریں گے اور آخرت کو بھول جائیں گے۔ (۲) مال پر مائل ہوں گے اور حساب و کتاب کو بھول جائیں گے۔ (۳) خلقت سے محبت کریں گے اور خالق کو بھول جائیں گے۔ (۴) گناہوں کی طرف راغب ہوں گے اور توبہ بھول جائیں گے۔ (۵) محلات و باغات کی چاہ ہو گی اور قبروں سے غافل ہو جائیں گے۔"

اسی طرح ایک اور ارشاد ہے کہ دعائیں ان پانچ راتوں میں رد نہیں ہوتیں جب

کہ رجب کی پہلی رات ہو، شعبان کے نصف کی رات، جمعہ کی رات اور ہر دو عیدین کی راتیں۔" (عزیز القلوب)

ایک اور روایت حضرت شفیق بلخیؒ مشہور صوفی اور بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ ہم نے پانچ چیزیں تلاش کیں، اُن کو پانچ جگہ پایا۔ (۱) روزی کی برکت چاشت کی نماز میں ملی۔ (۲) قبر کی روشنی تہجد کی نماز میں ملی، (۳) منکر نکیر کے سوال کا جواب طلب کیا تو اس کو قرأت میں پایا۔ (۴) پُل صراط کا سہولت سے پار ہونا روزہ اور صدقہ میں پایا۔ (۵) اور عرش کا سایہ خلوت میں پایا۔" (فضائلِ نماز)

۱۶۱۔ پُل صراط:۔ پُل صراط دو الفاظ سے مرکب ہے۔ ایک لفظ پُل بمعنی وہ گذرگاہ جو کسی دریا پر بناتے ہیں۔ اور دوسرا لفظ صراط بمعنی راہِ راست، سیدھا راستہ، نام ایک پُل کا جو دوزخ پر ہوگا، بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے تیز۔

یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ۔ (سورۃ الحدید ع ۲) ترجمہ: جس دن آپ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو دیکھیں گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی داہنی طرف دوڑتا ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان فرمائی ہے۔ یعنی یہ نور پلصراط پر سے گذرنے کے لیے اُن کے ہمراہ ہوگا۔ اس سے اگلی آیات میں ذکر ہے اُس دن کا جب مسلمان پلصراط سے گزریں گے اور ان کے پیچھے منافقین مرد اور منافقین عورتیں ہوں گی اور وہ اُن سے پکار کر کہیں گے۔ ان آیات کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "قیامت کے روز جب دوزخ پر پلصراط کے قائم کیئے جانے کا حکم ہوگا اور لوگ اس پر گذرنے لگیں گے تو مومن اپنے اپنے اعمال کے موافق تیزی سے عبور کر جائیں گے لیکن اہلِ کفر و شرک کٹ کٹ کر دوزخ میں گرنے لگیں گے۔ ہر طرف تاریکی محیط ہوگی۔ لیکن اہلِ ایمان کے آگے آگے اور داہنی طرف ان کا نورِ ایمان ان کے ساتھ ساتھ دوڑتا

ہوگا۔ منافقین بھی جو بظاہر مسلمان اور باطن میں کافر تھے اور بادی النظر (ظاہر دیکھنے) میں دنیا کے اندر مسلمانوں کے رفیق کار تھے اُن کے نور کی روشنی میں چلنے لگیں گے، لیکن ان کی سی سرعتِ رفتار کہاں سے لائیں۔ اس لیے پیچھے رہ جائیں گے اور پکاریں گے مسلمانو! ذرا ٹھہرو۔ ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ دنیا میں ہم بھی تمھارے ساتھی تھے۔ مومن کہیں گے کہ پیچھے سے روشنی لاؤ۔ مطلب یہ کہ روشنی تو دنیا میں ایمان اور عمل صالح سے پیدا کی جاتی ہے۔ دنیا میں نہ ایمان لائے نہ نیک عمل کیے۔ اب روشنی کہاں سے لائیں۔ غرض وہ پیچھے رہ جائیں گے۔ اب دونوں فریق کے درمیان ایک دیوار حائل ہو جائے گی۔"

مطلب یہ کہ مسلمان کو جلد توبہ کر لینا چاہیے کیونکہ بعض اوقات پھر توبہ کی توفیق نہیں رہتی۔ اور بعض اوقات کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح توبہ کرنے پر اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے قلبِ مُردہ کو زندہ اور درست کر دیتا ہے، پس مایوس نہ ہونا چاہیے+

رہی دنیا۔ اس کے مقاصد یہ ہیں کہ بچپن میں لہو و لعب (یعنی کھیل کود) کا غلبہ رہتا ہے اور جوانی میں زینت اور تفاخر کا، اور بڑھاپے میں مال و دولت اور آل و اولاد کو گنوانا اور یہ سب مقاصد فانی اور خواب و خیال محض ہیں۔"

فضیلت معنے بزرگی، بڑائی

۱۶۲۔ پیدائش وجۂ فضیلت نہیں :

یعنی کسی کا اچھے گھر میں، اچھے حالات میں، یا بڑے خاندان اور بڑے لوگوں میں پیدا ہونا اُس کے لیے کسی بزرگی یا بڑائی کی دلیل نہیں ہے۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اچھے خاندان میں پیدا ہونا ہی بڑائی ہے۔ مالدار لوگوں کی اولاد میں ہونا ہی فخر ہے۔ یہ سب اس فانی دنیا کے فخر و امتیاز کی باتیں ہیں، اس دنیا میں کتنے دن رہنا ہے، آخر پھر ایک دن اس کو چھوڑ دینا ہے۔ اس لیے جب اس فانی دنیا کا ہی کوئی قیام نہیں ہے تو اس کی بڑائی اور عزت ہی کی کیا حقیقت ہے، کاش کہ مسلمان اُس بڑائی اور بزرگی کو سمجھنے اور حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ہے۔ جس کا بدلہ جنت ہے۔ کیا کوئی چیز اس دنیا میں جنت سے بڑھ کر تو کیا بلکہ اس کے برابر کی بھی ہے ؟ اگر نہیں ہے تو پھر اس عالم فانی کی بڑائی و بزرگی کیا معنے رکھتی ہے۔ اور کتنے دن کی ہے۔ دراصل اللہ تعالےٰ کے نزدیک کوئی بزرگی والا نہیں سوائے اس کے جس کے اعمال نیک ہیں۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالےٰ نے جتنے اچھے وعدے فرمائے ہیں۔ وہ سب ایسے ہی لوگوں (یعنی مومنین) کے لیئے فرمائے ہیں جنھوں نے اس دنیا میں نیک عمل کیئے ہیں۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔ تم میں سب سے زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تقویٰ میں بڑا ہے۔

رہی پیدائش، " یعنی سب کو معلوم ہے کہ تمام انسان گندی اور حقیر چیز قطرۂ منی سے پیدا ہوئے ہیں۔ چونکہ اس پیدائش میں تمام انسان مساوی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیئے ظاہر ہے کہ محض پیدائش کسی کے لیئے دوسروں سے زیادہ وجہ فضیلت نہیں ہو سکتی۔ ہاں فضیلت و فوقیت اور داخلۂ جنت کا سبب ایمان باللہ و بالرسول ہے اور کافر اس سے محروم ہیں۔"

بدلہ معنے عوض۔ اَجر + صِلہ +

۱۶۳۔ پورا بدلہ :۔ یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝ (سورۂ نحل ع ۱۵) ترجمہ:۔ جس روز ہر شخص اپنی ہی طرفداری میں گفتگو کرے گا۔ اور ہر شخص کو اس کے کیئے کا پورا بدلہ ملے گا۔ اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر اس طرح تحریر فرمائی ہے۔ "یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی نہ ہوگی، گو زیادتی ہو جاوے، اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی، گو کمی ہو جاوے۔" (حضرت تھانویؒ)

یعنی بروز محشر جب سب لوگ زندہ کیئے جائیں گے اور سب پیش ہوں گے۔ باری تعالےٰ کے حضور میں تو جیسا جس نے اس دنیا میں عمل کیا ہوگا۔ خواہ نیک یا بد اُن کا انھیں پورا پورا بدلہ اللہ تعالےٰ عطا فرمائیں گے۔ اس آیت بالا میں اللہ تبارک وتعالےٰ کا یہی ارشاد مبارک ہے۔ اللہ عزّ وجلّ مسلمانوں کو نیک اعمال کی

توفیق عطا فرمائے۔ قیامت کا دن ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب لوگوں کے سامنے سب کے نامۂ اعمال صاف صاف کھلے ہوں گے اس لیئے بڑی عبرت کی جگہ ہے یہ دنیا اگر اس میں ایسی برائیوں سے پناہ چاہ لیں کہ وہاں پہنچ کر رسوائی نہ ہو۔ خدا ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے ایسی ہی توفیق عطا فرمائے کہ ہم سب اعمال صالحہ کے پابند ہو جائیں، اور بُرے اعمال ہم سے سرزد نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں ہم کو چھپالے اور اپنے ہی فضل وکرم سے جنت الفردوس عطا فرماوے۔ آمین۔

سورۂ یونس میں قولِ باری تعالیٰ ہے :۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۔ ترجمہ :۔ اور جو ایمان لے آئے اُن کو یہ خوشخبری سنائیے کہ اُن کے رب کے پاس (پہنچ کر) اُن کو پورا مرتبہ ملے گا۔

سورۂ زُمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے : اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ٥ (سورۂ زُمر ع ۲) ترجمہ :۔ صبر والوں کو اُن کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔

۱۶۴۔ پیغمبروں کے تین طبقے :۔

پیغمبر، معنے پیغام لانے والا۔ خدا کا قاصد + خدا اور بندوں کے درمیان رشتہ جوڑنے والا۔ طبقہ معنے درجہ +

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء ورسُل بھیجے ہیں۔ جنھوں نے ہر قوم کے حسب حال ان کو آسمانی ہدایتیں جو ان کو باری تعالیٰ کی طرف سے ملتی رہیں پہنچایا کرتے تھے۔ جن سب کے آخر میں سردارِ دوجہاں نبی آخر صلی اللہ علیہ وسلم کو کل اقوام عالم کا قیامت تک عالم گیر نبی ورسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اور ان کے اوپر ایک جامع کتاب الٰہی یعنی قرآنِ مبارک کو نازل فرما کر دینِ حق کو کامل کیا گیا۔

"پیغمبروں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ اور بعض روایتوں میں دو لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ لیکن قولِ راجح یہی ہے کہ انبیاء ورسل کی صحیح تعداد تو حق تعالیٰ ہی بہتر جاننے والے ہیں"۔ (عقائد الاسلام قاسمی)

پیغمبروں کے تین طبقے اس طرح بیان فرمائے ہیں۔" طبقہ اوّل حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک۔ طبقہ دوم حضرت نوحؑ سے حضرت موسیٰؑ تک۔ طبقہ سوم حضرت موسیٰؑ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ حرام وحلال کی بابت طبقۂ اول کی کوئی شریعت نہ تھی۔ صرف درود، اور وظائف اور آداب تھے۔ دوسرے طبقہ سے حلال وحرام اور عبادات کے لیے شریعت مقرر ہوئی۔ جیساکہ سورۂ شوریٰ میں خُدا نے فرمایا۔" شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ط (الشوریٰ ع ۲) ترجمہ:۔ اللہ تعالٰے نے تم لوگوں کے واسطے واسطے دین مقرر کیا جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا۔ اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے۔ اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو (مع ان سب کے اتباع کے) حکم دیا تھا (اور ان کی امم کو یہ کہا تھا) کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔"

اور جیساکہ شفاعت کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوحؑ ہوئے۔ نوح علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام تک کے انبیاء کو مخالفوں سے جہاد کا حکم نہ تھا۔ بلکہ مخالف خدا کی طرف سے ایک عام عذاب کے ذریعہ ہلاک ہوجاتے تھے جب اُن کی سرکشی حد کو پہنچ جاتی تھی۔ پھر فرعون کے ہلاکت کے تین ماہ بعد جب بنی اسرائیل ملک شام کی طرف سفر کرتے ہوئے بیابانِ سینا میں پہنچے تو کوہِ سینا میں موسیٰؑ پر توریت نازل ہوئی اور جہاد کا حکم نازل ہوا۔ اور وہ عام عذاب کا طریقہ بند ہوگیا۔ اور حضرت موسیٰؑ سے آنحضرت صلعم کے زمانہ تک جہاد کا حکم قائم رہا۔ اور قیامت تک قائم رہے گا۔ تو گویا حضرت موسیٰؑ سے تیسرا طبقہ شروع ہوا۔

چنانچہ سورۂ قصص ع ۵ میں اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى ط ترجمہ:۔ موسیٰؑ کو ہم نے اُس وقت توریت دی۔ جب قدیم قوموں کو ہم نے عام عذابوں سے ہلاک کر دیا تھا۔"
(قرآنِ الحکیم مترجم)

معنے چِلمن ۔ اوٹ ۔

۱۶۵۔ پَرْدَہ :- عورت کے لیے سب سے حسین ترین اور عزت واحترام کی چیز اس کی شرم وحیا ہے ۔ پردہ اسی شرم وحیا کا دوسرا نام ہے ۔ گو پردہ کرنے کے معنے اپنے آپ کو چھپانے کے ہیں لیکن اپنے آپ کو صرف گوشۂ تنہائی میں لے جانا پردہ نہیں ہوگا جب تک شرم وحیا کا پاس نہیں رکھا جائے گا ۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " بتاؤ عورت کے لیے سب سے بہتر چیز کیا ہے ؟" صحابہ رضؓ چپ رہے ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے گھر آکر بی بی فاطمہ رضؓ سے یہی سوال کیا تو بی بی فاطمہ رضؓ نے فرمایا ۔ عورت کے لیئے سب سے بہتر یہ ہے کہ اُس کو دوسرے مرد نہ دیکھنے پائیں "۔ حضرت علی رضؓ نے یہ جواب حضور (صلعم) کے سامنے جا کر بیان کیا تو حضور صلعم نے (خوش ہو کر) فرمایا ۔ ہاں کیوں نہ ہو فاطمہ رضؓ میرے ہی کلیجے کا ٹکڑا ہے ۔ (وہ ٹھیک سمجھی) ۔ (جمع الفوائد)

قرآن مبارک میں ہے ۔ اے عورتو ! اپنے گھروں کے اندر رہو ۔ (احزاب)

" پردہ دراصل زناکاری سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے ۔ پردہ سے عورت میں حیا اور اطاعت کا مادہ زیادہ رہتا ہے ۔ اور بزرگوں نے لکھا ہے کہ پردہ اور حیا ہی کی صورت میں عورت اپنی اصل غرض پیدائش نسل کے کام آسکتی ہے ۔

بے پردگی اور بے حیائی سے وہ اپنی غرض پوری نہیں کرسکتی ۔ پردہ کا رواج ہے تو زنا نہیں پھیل سکتا ۔ جہاں بھی زنا پھیلا ہوگا ۔ وہاں پردہ ہی سے کم یا زیادہ غفلت برتنے کی وجہ سے پھیلا ۔ دراصل عورت کے معنی ہی ہیں ۔ ڈھانکنے چھپانے کی چیز ۔ مذکورہ بالا قرآن مبارک کی آیت جس کا ترجمہ ہم اوپر ہی تحریر کرچکے ہیں یعنی قرآن میں ہے : " اے عورتو ! اپنے گھروں کے اندر رہو ۔ (احزاب) اور حدیث بالا ۔ یعنی عورت کے لیئے سب سے بہتر یہ ہے کہ اُس کو دوسرے مرد نہ دیکھنے پائیں ۔ اس کی تاکید اور حکم معلوم ہوتا ہے ۔

پس عورت کو سر سے پیر تک خاص کر اس کو اپنے بال اور گردن سے لے کر ٹخنہ

تک جسم کو بڑے اہتمام سے شوہر کے سوا سب سے چھپانا چاہیئے۔ نیز آواز میں تیزی اور بلندی نہ چاہیئے۔ دھیمی اور پست آواز میں بولنا چاہیئے۔ لہجہ سادہ ہونا چاہیئے۔ شوہر کے سوا کسی سے شوخی یا تبسم کے ساتھ بات نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۶۶- پردہ اور رشتہ:- رشتہ معنے نسبت کرنا ایک چیز کا دوسری چیز کی طرف۔ اصطلاح میں عزیز داری۔

عورت کے محرم {وہ رشتہ دار قریب جن کے ساتھ اس کا نکاح حرام ہو} یہ لوگ ہیں۔ حقیقی باپ۔ رضاعی باپ۔ خسر۔ بیٹا۔ سوتیلا بیٹا۔ سگا بھائی۔ ماں شریک بھائی۔ باپ شریک بھائی۔ ان تینوں قسم کے بھائیوں کے بیٹے۔ ان تینوں قسم کی بہنوں کے بیٹے۔ ماموں۔ چچا۔ مسلمان عورتیں۔ کافر اور مسلمان نوکرانیاں۔ پاگل اور بے عقل۔ نابالغ لڑکے۔ نابالغ دھوبی نوکر وغیرہ۔ عورت ان قسم کے لوگوں کے سامنے ہو سکتی ہے۔ اور یہ لوگ عورت کے سامنے آ سکتے ہیں۔ یعنی شوہر تو عورت کا سارا بدن اور یہ لوگ اس کا چہرہ۔ سر کے بال۔ گردن۔ پنڈلیاں۔ بازو۔ کہنی تک ہاتھ ہتھیلی۔ دونوں پاؤں کو دیکھ سکتے ہیں۔ ان اعضاء پر ان لوگوں کی نظر پڑنے میں گناہ نہیں۔

عورت کے لیے نامحرم {جن کے ساتھ اس کا نکاح ہو سکتا ہے} یعنی ناواقف۔ لوگ یہ ہیں۔ تمام اجنبی مرد مسلم ہوں یا کافر۔ کافر عورتیں۔ بالغ نوکر یا دھوبی وغیرہ۔ چچیرے ممیرے۔ پھوپھیرے۔ خلیرے بھائی۔ دیور۔ جیٹھ۔ بہنوئی۔ نندوئی۔ پھوپھا۔ خالو۔ ان قسم کے لوگوں کے سامنے نہیں ہو سکتی۔ یعنی یہ لوگ عورت کا کسی خاص وجہ سے صرف چہرہ، دونوں ہاتھ۔ دونوں پاؤں تو دیکھ سکتے ہیں مگر بال۔ گردن۔ پنڈلیاں بازو نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن یہ چہرہ کھولنا بھی ضرورت پر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بلا ضرورت ہر جگہ بے پردہ پھرے۔

مرد کے لیے تمام اجنبی عورتیں۔ بھاوج۔ چچی۔ ممانی۔ سالی۔ سالج۔ چچیری۔ ممیری خلیری۔ پھوپھیری بہنیں نامحرم ہیں ان سے اسے پردہ کرنا چاہیئے اور نابالغ لڑکیاں

بھتیجی ۔ ماں ۔ خالہ ۔ پھوپھی ۔ ساس ۔ بیٹی ۔ سوتیلی بیٹی ۔ بہن ۔ماں شریک ۔ باپ شریک بہن ۔ بھانجی " ۔ مرد کی محرم ہیں ۔ عورت کو نامحرم مردوں سے خصوصاً دیور ۔ جیٹھ بہنوئی نندوئی سے چہرہ کا لباس و زیور کا پورا پردہ کرنا چاہیئے ۔ لیکن چونکہ بعض گھرانوں میں ایسے قریبی رشتہ داروں سے پورا پردہ کرنے میں سخت تنگی پیش آتی ہے ۔ ایسی مجبوری کی حالت میں عورت کو چاہیئے کہ ان لوگوں کے ساتھ تنہائی ہرگز نہ ہونے پائے ۔ ہنسی، مذاق، شوخی سے گفتگو نہ کرے ۔ فحش باتیں نہ خود کہے نہ کسی مرد کو ایسی باتیں کرنے کا موقع دے ۔ اُن سے نظر نہ ملائے ۔ بال خوب ڈھانکے ہوئے رہے سر جھکائے ہوئے اپنے کام میں لگی رہے ۔ پانی ۔ کھانا ۔ اپنے ہاتھ سے نہ دے ۔ کسی سے بھجوا دے اس کے بعد اگر ان لوگوں کی نظر عورت کے چہرے، دونوں ہاتھ ۔ دونوں پاؤں پر پڑ جائے تو گناہ نہیں ۔ قصداً نہ دیکھے ۔

گھونگھرو دار زیور، کڑے ۔ چھڑے جو رگڑ سے بجیں ۔ صرف شوہر کے سامنے پہنے جائیں اور اگر پہنے رہے تو چلنے میں پاؤں زمین پر زور سے نہ رکھے ۔ مجبوری کے وقت عورت عزیزوں سے ضروری باتیں بھی کر سکتی ہے ۔ مگر جیسا قرآن میں ہے کھُرے لب و لہجہ میں ہو ۔ روکھے پن اور تیز آواز سے ہو ۔ لوچدار آواز سے نہ ہو ۔ یہ روکھا پن بداخلاقی نہیں بلکہ عورت کی عصمت کا محافظ ہے ۔

عورت کے لیے تفریح وسیر کو جانا مناسب نہیں ۔ عورت کو صحت قائم رکھنے کے لیے روزہ، نماز اور گھر کا جھاڑو ۔ برتن ۔ چکی پیسنا ۔ پکانا ۔ سینا ۔ دھونا وغیرہ بہت کافی ہے ۔ سفر میں محرم مرد کو لے کر ساتھ جائے ۔ خون کے رشتہ سے جس طرح محرم اور نامحرم ہوتے ہیں اسی طرح دودھ کے رشتہ سے بھی محرم اور نامحرم ہوتے ہیں اور دونوں محرموں سے پردہ نہیں ہے ۔ نامحرموں سے پردہ ہے ۔ لیکن آج کل خدا کا خوف کم اور فتنے زیادہ ہو رہے ہیں اس لیے بہتر یہی ہے کہ دودھ کے رشتہ کے محرم لوگوں سے دور ہی رہے ۔ سفر میں صرف ان لوگوں کے ساتھ کبھی نہ جائے ۔ نہ کہیں تنہائی ہونے پائے ۔" (معمولاتِ نبوی)

"ت"

۱۶۷- تجلیِ ذات :- تجلّی معنے روشن اور آشکارا کرنا۔ جلوہ کرنا۔ روشن ہونا+ فارسیوں کے استعمال میں مراد نورِ الٰہی ہے جو کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام پر ظاہر ہوا تھا۔ + ذات معنے صاحب۔ مالک اور حقیقت اور اصل ہر شے کی۔

"حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا کا وعدہ تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو تم کو "شریعت" دی جائے گی۔ اب وہ وقت آگیا کہ خدا کا وعدہ پورا ہو۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ وحی الٰہی کے اشارہ سے طور پہ پہنچے اور وہاں عبادت الٰہی کے لیے اعتکاف کیا۔ اس اعتکاف کی مدت ایک مہینہ تھی۔ مگر بعد میں دس دن اور بڑھا کر چلّہ پورا کر دیا۔

دیلمی نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا ایک ماہ کا اعتکاف ختم ہو گیا تو انھوں نے خدائے تعالےٰ سے ہم کلامی کی تیاری شروع کر دی۔ چونکہ مسلسل ایک ماہ روزہ ہی میں بسر کیے تھے اس لیے منھ میں بُو محسوس کرتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ رب العٰلمین سے اس حالت میں ہم کلام ہوں اور انھوں نے ایک خوشبودار بوٹی کو چبایا اور کھالیا فوراً ہی وحی الٰہی نے ٹوکا۔ موسیٰؑ! تم نے ہم کلامی سے پہلے روزہ کیوں افطار کر لیا۔؟ حضرت موسیٰؑ نے اس کی وجہ بیان کر دی۔ تب حکم ہوا کہ موسیٰ! اس مدت کو بڑھا کر چالیس دن کر دو۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہمارے ایک روزہ دار کے منھ کی بُو بھی مُشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے اور اس طرح یہ "چلّہ" پورا ہوا۔

مگر قرآن کریم نے صرف اسی قدر ذکر کیا ہے کہ یہ مدت اوّل تیس دن تھی اور پھر بڑھا کر چالیس دن کر دی گئی۔ وجہ بیان نہیں۔

چنانچہ جب "چلّہ" پورا ہو گیا اور اللہ تعالےٰ نے اُن کو ہم کلامی کا شرف بخشا

حضرت موسیٰؑ نے غایت کیف وانبساط{یعنی انتہا مستی و خوشی} میں عرض کیا۔ "خدایا! جب تو نے مجھ کو لذت و کیفِ سماع سے نوازا ہے {یعنی آواز کی سننے کی مستی اور مزہ بخشا ہے} تو پھر لذاتِ مشاہدہ و دیدار {یعنی آنکھوں سے دیکھنے کے مزہ} سے کیوں محروم رہوں ؟ اس سے بھی سرفراز فرما۔" وہاں سے جواب ملا۔ "موسیٰؑ! تم مشاہدہ ذات کی تاب نہ لاسکو گے۔ اچھا دیکھو ہم اپنی ذات کی تجلی کا ظہور اس پہاڑ پر کریں گے اگر یہ اس تجلی کو برداشت کرے تو پھر تم یہ سوال کرنا۔" اس کے بعد طور پر حضرتِ حق کی تجلی نے ظہور کیا تو پہاڑ کا وہ حصہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور حضرت موسیٰؑ بھی اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے اور گر پڑے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو انھوں نے خدائے برتر کی حمد و ثنا کی اور اپنے سوال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں اور ایمان لاتا ہوں کہ تیرے جمال کی تجلّی و عرفان اور نمودِ حق میں کوئی کمی نہیں۔ نقصان صرف میری اپنی ہستی کے عجز و بیچارگی کا ہے۔"

(قصص القرآن ج ۱)

۱۶۸۔ تدفین کی سُنّت :۔

تدفین معنے دفن کرنا + سُنّت معنے راہ روش۔ عادت۔ اور فقہ کی اصطلاح میں وہ امر جس کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کیا ہو۔

ہم اس عنوان میں یہ بیان کر رہے ہیں کہ آخر مسلمان اپنے مُردہ کو زمین میں ہی کیوں دفن کرتے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے اور یہ کب سے شروع ہوا۔ اول بات تو مُردہ کو زمین میں دفن کرنے کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ تبارک و تعالےٰ نے مٹی ہی سے پیدا کیا ہے۔ اس لیے اس کو اس کی اصل شے میں پہنچا دیا گیا۔ اس سے اس کے جسم کی جو اشرف المخلوقات کا شرف لیے ہوئے ہے ہر بے حرمتی سے حفاظت ہو جاتی ہے جلا بھی اسی لیے نہیں سکتے۔ کیونکہ مسلمان تو ہر مسلمان کے لیے نارِ جہنّم سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اپنی میت کو اپنے سامنے ہی آگ سے جلا دیں۔ اس کے علاوہ دفن کرنے کی عادت روزِ اول سے ہی انسان نے اختیار کر لی تھی اور

سب سے پہلے جب انسان کی موت واقع ہوئی (خواہ کسی بھی طریقہ سے) تو اُس کو زمین ہی میں دفن کیا گیا تھا۔ واقعہ اس طرح تھا مطالعہ کیجیے:۔ قصص القرآن ج اول میں تحریر ہے کہ۔ "حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ ہے۔ ان میں ایک کا نام قابیل اور دوسرے کا نام ہابیل تھا۔ قرآنِ عزیز نے حضرت آدمؑ کے ان دونوں صاحبزادوں کا نام ذکر نہیں کیا صرف "اِبنَی اٰدم" [یعنی آدم کے دو بیٹے] کہہ کر مجمل چھوڑ دیا ہے۔ البتہ توراۃ میں ان کے یہی نام بیان کیے گئے ہیں، ان کے واقعہ کے متعلق حافظِ حدیث عماد الدین بن کثیرؒ نے اپنی تاریخ سدی سے سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ سے منقول ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے۔

دنیائے انسانی میں اضافہ کے لیے حضرت آدمؑ کا یہ دستور تھا کہ حضرت حواؑ سے توام (جڑواں) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا عقد دوسرے پیٹ سے پیدا ہوئے توام بچوں کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا معاملہ پیش تھا۔ قابیل عمر میں بڑا تھا اور اُس کی ہمشیرہ ہابیل کی ہمشیرہ سے زیادہ حسین اور خوبرو تھی۔ اس لیے قابیل کو یہ انتہائی ناگوار تھا کہ دستور کے مطابق ہابیل کی ہمشیرہ سے اس کی شادی ہو۔ اور ہابیل کی اس کی ہمشیرہ سے۔ معاملہ کو ختم کرنے کے لیے حضرت آدمؑ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی حق تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں۔ جس کی قربانی منظور ہو جائے وہی اپنے ارادہ کے پورا کر لینے کا مستحق ہے۔

جیسا کہ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں قربانی (نذر) کی قبولیت کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر و قربانی کی چیز کسی بلند جگہ پر رکھ دی جاتی تھی۔ اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی۔ اسی قانون کے مطابق ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے ایک بہترین دُنبہ خدا کی نذر کیا۔ اور قابیل نے اپنی کھیتی کے غلہ میں سے ردی قسم کا غلہ قربانی کے لیے پیش کیا۔ دونوں کی حسنِ نیت اور نیتِ بد کا اندازہ اسی عمل سے ہو گیا۔ لہٰذا حسب دستور آگ نے آکر ہابیل کی نذر کو جلا دیا اور اس طرح

قبولیت کا شرف اُس کے حصہ میں آیا۔

قابیل اپنی اس توہین کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا۔ اور اُس نے غیظ و غضب میں آکر ہابیل سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کیئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ تاکہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔ ہابیل نے جواب دیا۔ میں تو کسی طرح تجھ پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ باقی تیری جو مرضی میں آئے وہ کر۔ رہا قربانی کا معاملہ سو خدا کے یہاں تو نیک نیت ہی کی نذر قبول ہو سکتی ہے۔ وہاں بدنیت کی نہ دھمکی کام آسکتی ہے اور نہ بے وجہ کا غم و غصہ۔ قابیل پر اس نصیحت کا اُلٹا اثر پڑا۔ اور اس نے غصہ سے مشتعل ہو کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

مگر قرآن عزیز میں شادی کا قصہ مذکور نہیں ہے۔ صرف قربانی (نذر) کا ذکر ہے۔ اور اس روایت سے زائد ہابیل کی نعش کے دفن کے متعلق یہ اضافہ ہے۔

قتل کے بعد قابیل حیران تھا کہ اس نعش کا کیا کرے۔ ابھی تک نسل آدمؑ موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ اور اسی لیئے حضرت آدمؑ نے مُردے کے بارے میں کوئی حکم الٰہی نہیں سنایا تھا۔ یکایک اُس نے دیکھا کہ ایک کوّے نے زمین کُرید کُرید کر گڑھا کھودا۔ قابیل کو تنبّہ ہوا کہ مجھے بھی اپنے بھائی کے لیے اسی طرح گڑھا کھودنا چاہیئے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کوّے نے دوسرے مُردے کوّے کو اس گڑھے میں چھپا دیا۔

قابیل نے یہ دیکھا تو اپنی ناکارہ زندگی پر بے حد افسوس کیا اور کہنے لگا کہ میں اس حیوان سے بھی گیا گذرا ہوں کہ اپنے اس جرم کو چھپانے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔ ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور پھر اُسی طرح اپنے بھائی کی نعش کو سپردِ خاک کر دیا۔

ہابیل خدائے تعالےٰ کا مقبول بندہ تھا اور قابیل بارگاہِ الٰہی کا راندہ ہوا۔ اس لیئے ضرورت تھی کہ ہابیل کے پاک جسم کی توہین نہ ہو۔ اور نسلِ آدمؑ کی کرامت و بزرگی قائم رکھنے کے لیئے بعد مُردن "تدفین" کی سنّت قائم ہو جائے اور تقاضائے انصاف تھا کہ قابیل کی اس کمینہ حرکت پر اس کو دنیا میں بھی ذلیل کیا جائے اور اس قابل

بنا دیا جائے کہ خود اس کو اپنی بے مائگی عقل و دانش اور کمینگی کا احساس ہو جائے۔ اس لیے نہ اس کو الہام بخشا گیا اور نہ اس کمینہ حرکت کو چھپانے کے لیے عقل کی روشنی عطا کی گئی بلکہ ایک ایسے حیوان کو اس کا رہنما بنایا گیا جو عیاری و مکاری میں طاق اور دنائتِ طبع (یعنی کمینہ پن) میں ضرب المثل ہے اور آخر کار قابیل کو یہ کہتے ہی بنا: یَا وَیْلَتَا اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ۔ (مائدہ) ترجمہ:۔ ہائے افسوس! کیا میں ایسا گیا گزرا ہو گیا کہ اس کوّے جیسا بھی نہ بن سکا۔"

۱۶۹۔ توبہ و اِستغفار:۔

توبہ معنے پشیمانی۔ ندامت۔ یعنی گناہ سے باز آنا+ اِستغفار معنے گناہوں کی بخشش چاہنا۔

انسان صبح سے رات تک نہیں معلوم کتنے واقعات سے گزرتا ہے۔ کیا کیا مرحلے اُسے پیش آتے ہیں اور ان میں نہیں معلوم کتنے گناہوں کا وہ مرتکب ہو جاتا ہے۔ کیا کبھی کوئی آدمی یہ سوچتا ہے۔ شاید اس کا جواب یہی ہوگا کہ کبھی بھولے سے بھی یہ تو خیال نہیں آتا۔ کتنے افسوس کی بات ہے اور خاص طور سے مسلمان کو جس کے مذہب اسلام نے اس کی نہایت تاکید کی ہے کہ گناہوں سے ہر وقت بچتے رہنا چاہیئے۔ یہی وہ لاپروائی ہے جو دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ لیکن اگر اس بات کا دل میں ذرا سا بھی خیال کر لیا جائے تو اوّل تو گناہ ہوگا ہی نہیں اگر ہو بھی جائے کسی غلطی کی بنا، پر تو فوراً اُس سے توبہ کر لو۔ توبہ و استغفار سے اللہ تعالےٰ بہت خوش ہوتا ہے اور اپنے بندوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یہی بتانے کے لیے اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا۔

"اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاء و رُسل کو اس دنیا میں اسی واسطے بھیجا اور اپنی کتابیں اس لیے نازل فرمائیں کہ انسانوں کو اپنا بُرا بھلا اور گناہ ثواب سب معلوم ہو جاوے۔ اور وہ بُری باتوں اور گناہوں کے کاموں سے بچیں۔ نیکی اور ثواب کے راستہ پر چل کر اللہ کی رضامندی اور مرنے کے بعد والی زندگی یعنی آخرت میں نجات حاصل کریں۔ جن لوگوں نے اللہ کے نبیوں اور رسولوں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کو نہیں

مانا۔ اور اُن پر ایمان نہیں لائے۔ ان کی پوری زندگی گویا بغاوت اور نافرمانی کی زندگی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی نازل کی ہوئی ہدایت سے وہ بالکل بے تعلق ہیں۔ اس لیے وہ جب تک اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں پر اور اُس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر خاص کر اس آخری زمانہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اُن کی لائی ہوئی خدا کی آخری کتاب قرآن مجید پر ایمان نہ لائیں اور اُس کی ہدایت کو تسلیم نہ کریں وہ اللہ کی رضامندی اور مرنے کے بعد والی زندگی میں فلاح و نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اللہ کا اور اس کے نبیوں کا اُس کی کتابوں کا انکار ایسا جرم نہیں جو قابل معافی ہو۔

اللہ کے ہر پیغمبر نے اپنے اپنے زمانہ میں اس بات کا بہت صاف صاف اعلان کیا ہے، بہرحال کفر و شرک والوں کی نجات کے لیۓ ضرور ہے کہ وہ سب سے پہلے شرک و کفر سے توبہ کریں اور ایمان و توحید کو اپنا اصول بنائیں۔ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ لیکن جو لوگ نبیوں، رسولوں پر ایمان لے آتے ہیں اور اُن کی ہدایت پر چلنے کا اقرار اور ارادہ کر لیتے ہیں، وہ بھی کبھی کبھی شیطان کے بہکانے سے یا اپنے نفس کی بُری خواہش سے گناہ کے کام کر بیٹھتے ہیں، ایسے سب گنہگاروں کے لیۓ اللہ تعالےٰ نے توبہ اور استغفار کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

توبہ واستغفار کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ سے اللہ کی نافرمانی اور گناہ کا کوئی کام ہو جائے تو وہ اس پر نادم اور شرمندہ ہو۔ اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا ارادہ کرے، اور اللہ سے اپنے کیے ہوئے گناہ کی معافی چاہے۔

قرآن و حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ اتنا کرنے سے اللہ تعالےٰ اس بندہ سے راضی ہو جاتا ہے، اور اس کا گناہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ توبہ صرف زبان سے نہیں ہوتی بلکہ کیۓ ہوئے گناہ پر دل سے ندامت اور رنج و افسوس ہونا ضروری ہے۔ اور آئندہ پھر کبھی اس گناہ کے نہ کرنے کا ارادہ بھی دل سے ہونا لازمی ہے۔ سورۂ مائدہ میں گنہ گار، خطاکار بندوں کے متعلق ارشاد

ہے :- اَفَلَا يَتُوبُونَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهٗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ط (سورۂ مائدہ ع ۱۰) ترجمہ :- وہ اللہ سے توبہ کیوں نہیں کرتے اور معافی کیوں نہیں طلب کرتے، اور اللہ تو بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ ہر رات کو اپنی رحمت اور مغفرت کا ہاتھ بڑھاتا ہے کہ دن کے گنہگار توبہ کر لیں، اور ہر دن کو ہاتھ بڑھاتا ہے کہ رات کے گنہگار توبہ کر لیں' اور اللہ کا یہ معاملہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ قیامت کے قریب سورج مغرب کی طرف سے نکلے۔

توبہ و استغفار کے کلمات ہم اگلے عنوان ؎ میں تحریر کر رہے ہیں یوں تو آپ خود بھی جانتے اور سمجھتے ہیں کہ بندہ اپنے اللہ سے جس زبان اور جن الفاظ میں بھی اللہ سے توبہ کرے اور معافی چاہے اللہ تعالےٰ اس کو سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔

۱۷۰- توبہ و استغفار کے کلمات :-

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ بندہ اپنے جن الفاظ اور جس زبان میں بھی اللہ تعالےٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی چاہے وہ سب سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رض کو توبہ و استغفار کے بعض خاص کلمے بھی تعلیم فرمائے تھے اور حضور صلعم خود بھی ان کو پڑھا کرتے تھے۔ کوئی شبہ نہیں کہ وہ کلمے بہت ہی بابرکت اور بہت قبول ہونے والے اور اللہ کو بہت ہی پیارے ہیں۔ ان میں سے ہم چند یہاں پر درج کرتے ہیں۔ آپ ان کو یاد کر لیجئے' اور ان کے ذریعہ توبہ و استغفار کیا کیجئے۔

(۱) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔

میں معافی اور بخشش طلب کرتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ حی و قیوم ہے اور میں توبہ کرتا ہوں اس کی طرف۔

حدیث شریف میں ہے کہ :- 'جو شخص اللہ سے اس کلمہ کے ذریعہ توبہ و استغفار

کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا اگرچہ اس نے جہاد سے بھاگنے کا گناہ کیا۔ جو اللہ کے نزدیک بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ :۔ جو شخص رات کو سوتے وقت تین دفعہ اس کلمہ کے ذریعہ اللہ سے توبہ و استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف کر دے گا۔ اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر کیوں نہ ہوں۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی صرف اَسْتَغْفِرُ اللّٰه (میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں) اَسْتَغْفِرُ اللّٰه (میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں) بھی پڑھا کرتے تھے۔ یہ بہت مختصر استغفار ہے۔ اس کے ہر وقت زبان پر جاری رہنے کی عادت ڈال لینا چاہیئے۔

(۳) لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ :۔ پس تو مجھے بخش دے، گناہوں کو تیرے سوا کوئی بھی نہیں بخش سکتا۔

جو بندہ اس کلمہ کے ذریعہ اس کے مضمون کے دھیان اور یقین کے ساتھ دن میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور اُس دن رات شروع ہونے کے پہلے مر جائے، تو وہ جنت میں جائے گا۔ اور جو بندہ اس طرح اس کلمہ کے مضمون کے دھیان اور یقین کے ساتھ رات میں اس کلمہ کے ذریعہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہے اور صبح ہونے سے پہلے اُسی رات میں مر جائے تو وہ جنتی ہوگا۔ یہ بہت ہی مختصر سے توبہ و استغفار کے چند کلمے تحریر کیے ہیں ان کا یاد کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ :۔ خوش خبری ہو اور مبارک ہو اُس آدمی کو جس کے اعمالنامہ میں استغفار کثرت سے درج ہو۔" (اسلام کیا ہے ؟)

۱۷۱۔ تَمْرَہ اور جَمْرَہ :۔

تَمْرَہ معنے ایک کھجور یعنی ایک عدد کھجور + جَمْرَہ معنے ایک چنگاری آگ کی۔ یعنی کھجور کا دانہ اور آگ کا انگارا .... ہم اس عنوان کے تحت یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی لُکنت کے بارے میں کچھ تحریر کر رہے ہیں جو باعثِ دلچسپی بھی ہے اور علمائے مفسرین کی نکتہ سنجیاں بھی ہیں۔ بہر حال مطالعہ فرمائیے اور کیف و سرور کے ساتھ

ساتھ اپنی معلومات میں اضافہ بھی فرمایا ہے۔ حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب قصص القرآن جلد اوّل میں تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وادی مقدس میں خدائے تعالےٰ کی جناب میں عرض کیا تھا۔" وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي "کہ میری زبان میں جو گرہ ہے اس کو کھول دے اور یہ کہ میرا بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ تو مفسرین نے اس "عقدہ" کے متعلق ایک حکایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ زمانۂ طفولیت میں ایک روز فرعون کی آغوش میں بیٹھے ہوئے تھے، اور فرعون کی داڑھی جواہرات اور موتیوں سے مرصع تھی۔ بچوں کی عادت کے مطابق حضرت موسیٰؑ نے داڑھی پر ہاتھ چلا دیا۔ اور چمکتے ہوئے موتیوں کے ساتھ فرعون کی داڑھی کے چند بال بھی اکھڑ آئے۔ فرعون کو سخت غصہ آیا۔ اور چاہا کہ ان کو قتل کرا دے۔ آسیہ زوجہ فرعون نے شوہر کا یہ رنگ دیکھا تو عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ بچہ ہے اس کو نہ مارو۔ یہ ان احترامات سے کیا واقف ہے۔ اس کے نزدیک تو "تمرہ" یعنی کھجور اور "جمرہ" یعنی چنگاری دونوں برابر ہیں۔ "راج ہٹ" پرانی مثل ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ابھی اس کا امتحان کرتا ہوں۔ اگر اس نے انگارہ کو دیکھ کر ہاتھ کھینچا تو ضرور قتل کرا دوں گا۔ خدائے تعالےٰ کو موسیٰؑ سے کام لینا تھا اس لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کا وعدہ کر لیا تھا۔ لہٰذا جب فرعون نے چند کھجور کے دانے اور چند دہکتی آگ کے سرخ انگارے منگا کر موسیٰؑ کے سامنے رکھے تو موسیٰؑ نے جلد ہاتھ بڑھا کر ایک سرخ انگارے کو اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ سکنڈ بھر کا کام تھا ہو گذرا مگر زبان پر داغ پڑ گیا۔ اور زبان موٹی ہو گئی۔ اس وقت سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت آ گئی اور مسلسل گفتگو میں رکاوٹ ہونے لگی۔ پس وادی مقدس میں خدائے تعالےٰ کے سامنے موسیٰ علیہ السلام نے اسی عقدہ (گرہ) کا ذکر کیا۔

لیکن عام مفسرین کی اس نقل حکایت سے جدا۔ اس سلسلہ میں نجار مصری نے اپنی ایک قیاسی رائے بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "میں اس قصہ کو صحیح نہیں سمجھتا

میرے خیال میں تو صرف موسیٰ علیہ السلام کی غیر فصیح بیانی اور گفتگو میں رکاوٹ کی دو وجہوں میں سے ایک ہو سکتی ہے۔

(۱) قرآنِ عزیز میں مذکور ہے کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) کو دریائے نیل میں سے نکال کر شاہی محل پہنچایا گیا تو دودھ پلانے کے لیے دایہ کی فکر ہوئی۔ شہر کی بیسیوں دایہ آئیں مگر انھوں نے کسی کا دودھ منھ سے نہ لگایا۔ تو اس واقعہ میں ضرور عرصہ لگا ہوگا اور موسیٰ علیہ السلام ایک عرصہ دودھ سے محروم رہے ہوں گے۔ ایسی حالت میں یہ تجربہ کیا گیا ہے کہ بچہ کی زبان موٹی ہو جاتی ہے۔ اور بات کرنے میں رکاوٹ کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو بھی یہی صورت پیش آئی ہوگی۔

(۲) حضرت موسیٰؑ ابتداءِ جوانی ہی میں مصر سے مدین چلے گئے اور وہاں ایک طویل عرصہ رہے۔ اگر" صاحب معالم التنزیل" یا توراۃ کی روایات کو صحیح مان لیا جائے تو بتیس سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں یہ قدرتی بات ہے کہ وہ مصری زبان سے ایک حد تک ناآشنا اور اس کے محاورات اور اس زبان میں تقریر کے ملکہ سے محروم ہو چکے ہوں گے۔ اسی کو انھوں نے "عقدۂ لسانی" فرمایا۔ اور ہارون (علیہ السلام) کے متعلق فرمایا" ھو افصح منّی" اس دوسری وجہ میں البتہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس کو صحیح مان لیا جائے تو پھر حضرت موسیٰؑ کس طرح حضرت ہارونؑ سے بے تکلف بات چیت کرنے پر قادر رہے ہوں گے۔ جبکہ حضرت ہارونؑ کبھی مصر سے باہر ہی نہیں گئے۔ اور صرف مصری زبان ہی میں بات چیت کر سکتے تھے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ہارونؑ مصری اور عبرانی دونوں زبانوں کے خوب واقف اور ماہر تھے۔ مصری زبان ان کی ملکی زبان تھی۔ اور عبرانی زبان ان کی مادری زبان تھی۔ جن کو صدیاں گذرنے کے باوجود بھی بنی اسرائیل نے محفوظ رکھا تھا۔ اور باہمی بات چیت اور نوشت و خواند میں اسی کو استعمال کرتے تھے۔ اور مدیانی اور عبرانی میں کچھ زیادہ فرق نہیں

تھا۔ اس لیے کہ دونوں زبانیں ایک ہی جدِ امجد ابراہیمؑ کی نسل سے متعلق تھیں۔

اور ان ہر دو وجوہ کو نقل کرنے کے بعد نجاؔر کہتے ہیں کہ میری طبیعت کا میلان پہلی وجہ کی جانب ہے اور میں اُسی کو راجح سمجھتا ہوں۔

(قصص الانبیاؔء عربی ص ۲۰۸، ۲۰۹)

مگر ہمارے نزدیک پہلی وجہ تو کسی طرح بھی قرینِ قیاس نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ "دآیہ" کی تفتیش کا معاملہ قرآن عزیز اور صحیح احادیث میں تو بہت ہی مختصر ہے اور اس کی تفصیل جو توراۃ اور تواریخی روایات سے نقل کی گئی ہے اُن سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصّہ صرف چند گھنٹوں کے اندر طے ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اُن کو دودھ پلانے کے لیے لے گئیں اور شاہی احکام کے بعد ایک بچّہ کے دودھ پلانے کے معاملہ میں دِنوں کی تاخیر ہو بھی کیسے سکتی تھی۔ نیز دوسری وجہ بھی کچھ زیادہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس توجیہ کے مطابق حضرت ہارونؑ کے متعلق "هو افصح منی" کا فقرہ تو سمجھ میں آسکتا ہے لیکن مصری زبان کے بھول جانے کو عقدۃً من لسانی کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ صحیح ہے تو حضرت موسیٰؑ کی دعا تو قبول کر لی گئی پھر اس بھول جانے کے کیا معنی؟

بلکہ صاف اور بے غِل و غش [یعنی بے کھوٹ اور بے عیب] بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) ایسی حالت میں مولود ہوئے کہ اُن کی زبان میں لُکنت تھی اور بات کرنے میں رکاوٹ واقع ہو جاتی تھی اور حضرت ہارونؑ لَسّان اور فصیح البیان تھے۔ پس حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے متعلق صرف اسی قدر دعا مانگی کہ زبان کا یہ حصَر [یعنی احاطہ] اور اُس کی لُکنت اس درجہ شدید نہ رہے کہ گفتگو میں عاجز ہونا پڑے۔ اگر فطری رکاوٹ دُور نہیں ہوتی نہ ہو صرف اس قدر خواہش ہے کہ مخاطبین گفتگو کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور فصاحت و طاقت لِسانی [یعنی زبان کی خوش گوئی اور روانی] کے لیے میری خواہش یہ ہے کہ میرے بھائی ہارونؑ کو میرا قوتِ بازو بنا دیجیے۔ کہ وہ میرا ویسے بھی دست و بازو ہے۔ چنانچہ دربارِ الٰہی میں دونوں باتیں قبول اور منظور

ہوگئیں۔

بعض علمائے تفسیر نے "یفقھوا قولی" میں ایک اور نکتہ پیدا کیا۔ اور فرمایا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے صرف یہ دعا مانگی کہ اُن کی زبان کی گرہ اس حد تک کھل جائے کہ جس قوم کو تبلیغ کرنے جا رہے ہیں وہ اُن کی گفتگو سمجھ سکے لہٰذا اُسی درجہ دعا قبول ہوئی اور اُن کی زبان میں قدرے لُکنت اور حصر (رکاوٹ) پھر بھی باقی رہی۔ موسیٰ (علیہ السّلام) نے شرط لگا کر دعا کا دائرہ خود ہی تنگ کر دیا ورنہ وہ بھی فصاحت اور طلاقتِ لسانی میں فرد ہو جاتے۔

میرے خیال میں اس نکتہ سنجی کی بھی یہاں مطلق ضرورت نظر نہیں آتی۔ اس لیے کہ جس مقام پر اور جس وقت میں موسیٰ علیہ السلام نے درگاہِ الٰہی میں یہ دعا فرمائی ہے اس کی برکت و عظمت کو ان نکتہ سنجوں نے بالکل فراموش کر دیا۔ اور یہ غور نہیں فرمایا کہ موسیٰ (علیہ السّلام) منصبِ نبوّت سے سرفراز کیے جا رہے ہیں۔ خدا کا انتہائی فضل و کرم بارش کی طرح اُن پر برس رہا ہے۔ آغوشِ رحمت وا ہے۔ اس حالت میں موسیٰ (علیہ السلام) معاملہ اور ذمہ داری کی اہمیت کو محسوس فرماتے ہوئے آسانی کار کے لیے دعائیں اور استدعائیں کر رہے ہیں اور خدائے تعالےٰ خود موسیٰ (علیہ السّلام) کی مشکلات اور مہم کی نزاکت کا عالم و دانا ہے۔ تو پھر کیا ایسے وقت میں خدائے تعالےٰ کی بے پایاں رحمت کا یہ تقاضا ہو سکتا تھا کہ وہ عطا و نوال [بخشش] کی بیکراں نوازش کی جگہ مول تول اور سودے کی طرح لین دین کا سا معاملہ کرتی یا حقیقتِ حال کے پیشِ نظر موسیٰ علیہ السّلام کے دعائیہ الفاظ کی لفظی گرفت سے درگذر فرما کر وہ سب کچھ عطا فرماتی جو اُن کی مشکلات کو ختم کرنے کے لیے معاون و مددگار ثابت ہو سکے۔ بیشک اس نے ایسا ہی کیا۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد میں ایک راز تھا جس کو وہ اور ان کا پروردگار دونوں سمجھتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کی اس اہم خدمت میں ان کے بھائی ہارون علیہ السّلام ضرور شریکِ کار بنیں اس لیے کہ وہ بھائی بھی ہیں اور فطری فصاحت و طلاقتِ لسانی کے مالک بھی۔

لہٰذا وہ اس سے زیادہ کے خواہش مند ہی نہ تھے کہ ان کو حصر کی دشواری سے نجات مِل جائے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ہارونؑ کو بھی یہ دولت "نبوت" عطا ہو۔ پس اُن کی سفارش کے لیے "اسی وصف" فصاحت بیانی" کو خدا کی درگاہ میں پیش کیا۔ یہ نہ تھا کہ انھوں نے الفاظ دعا میں تنگی کی تھی تو خدا نے بھی کم دینے کی خاطر ان کے الفاظ کو پکڑ لیا۔ اور اسی قدر دیا جو اُن کی دعا کے الفاظ میں محدود تھا۔

۱۷۲۔ **تعلیم**:- تعلیم معنے سیکھنا۔ علم حاصل کرنا۔ یعنی کسی بھی علم یا ہُنر و کسب کو سیکھنا اس کا نام تعلیم ہے۔ ہر انسان کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت تعلیم کا حاصل کرنا اُس کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر علم سیکھے انسان مکمل انسان نہیں بنتا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جو سب سے اوّل انسان تھے یعنی نسلِ انسانی کے باپ۔ اُن کو سب سے اوّل علم ہی سکھایا تھا۔ دنیا کے سب ہی مدبّران، فلاسفر، ذی عقل و ذی ہوش و حواس اور علماء و حکماء نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے نہایت ہی زور دار الفاظ میں تاکید فرمائی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "علم حاصل کرو چاہے تمھیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے" یعنی علم حاصل کرنے کے لیے چاہے کتنی بھی دور دراز کا تمھیں سفر کرنا پڑے۔ مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کو کون نہیں جانتا۔ آپ نے علم پر ایک نظم جو بچوں کے کورس کی کتابوں میں آتی ہے تحریر فرمائی ہے۔ ہم نے اس نظم کو جب ہم درجہ چہارم میں پڑھتے تھے تو جواہرات اردو میں پڑھا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:-

اگر چاہے تُو کرنی آدمی گھوڑے کی سائیسی ✽ تو دینا ہوگا اُس کو امتحانِ علم بیطاری
یقیں جانو کہ آئندہ ملے گی درسگاہوں میں ✽ گر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی اک پنہاری
جہاں تک دیکھیئے تعلیم کی فرماں روائی ہے ✽ جو سچ پوچھو تو نیچے علم اور اوپر خدائی ہے

تعلیم کیا ہے؟ اس کے لیے مختلف آراء موجود ہیں۔ مگر پوری دنیا جس بات پر متفق ہے وہ یہ ہے کہ "معاشرے کے بالغ افراد کی ایسی کوششیں جن سے وہ اپنی ذات اور آنے والی نسلوں کی بہتری حاصل کرسکیں۔"

جے۔ ایس مل نے تعلیم کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ "وہ انسان کو مکمل کرتی ہے۔"
افلاطون نے کہا: "انسان اپنے جسم اور روح کے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرے جو ان میں جمع ہو سکتی ہیں۔"
مسٹر ہربرٹ (جرمن فلاسفر) نے کہا ہے کہ۔ "تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ اس سے روح کو بھی خوشی ہو۔ اور اگر سائنٹیفک تعلیم حاصل کی جائے تو اس کے ساتھ نفسیات اور اخلاقیات کی تعلیم بھی حاصل کرنی چاہیئے۔" تعلیم تجارت نہیں۔ اگرچہ اس کے نتیجہ میں تجارت اور معاش کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔
پروفیسر ہمایوں کبیر فرماتے ہیں کہ "تعلیم میں قدامت پسندی زیادہ مفید ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر نئی بات کا نتیجہ بیس ۲۰ پچیس ۲۵ سال بعد ظاہر ہوتا ہے۔"
ہم یہاں پر تعلیم کے سلسلہ میں ایک دنیا کے مشہور و معروف حکیم بقراط کا بھی ذکر کر رہے ہیں جو آج سے ہزاروں سال پہلے گزرے ہیں۔ آپ نے دایہ گری کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام کیا تھا۔ حکیم موصوف کا دنیا کی عورتوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے۔ آپ کے متعلق ارتقائے انسانی میں مذکور ہے کہ:
حکیم اسقولیفس کے بعد یونان میں بقراط کا نام آتا ہے۔ وہ ۴۶۰ ق م میں جزیرہ کاس میں پیدا ہوئے۔ اس کے طریق علاج کی تعلیم کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تجربہ اور مشاہدہ میں زیادہ وقت صرف کرتا تھا۔ دواؤں کے زیادہ استعمال کا قائل نہ تھا۔ وہ دھوپ ہوا، اور غذا سے علاج کرتا۔ اس نے فن طب کو اس قدر زیادہ ترقی دی کہ مندروں کے قدامت پرست پجاری جو صحت کے مندروں میں کام کرتے تھے یعنی منتر جنتر سے علاج کرتے تھے اس کے ساتھ نہ چل سکے اور ان دونوں میں مذہبی اختلاف اور نفرت پیدا ہو گئی۔ گو اس کا علاج مذہبی اختلاف نہ تھا۔ بلکہ جدید اور قدیم طریق علاج کا اختلاف تھا۔
بقراط سے قبل حاملہ عورتوں کے ساتھ بڑی بے رحمی برتی جاتی تھی۔ وضع حمل کے وقت اُسے بستر سے اونچا اٹھا کر گرا دیا جاتا تھا۔ پیٹ بری طرح دبایا اور آٹے کی طرح

گوندھا جاتا تھا۔ اُس نے اس طریقہ کو بند کر کے دایہ گری کی باقاعدہ تعلیم کا انتظام کیا۔
بقراط کی تعلیم کی ایک بہت بڑی یادگار وہ قسم ہے جو اپنے شاگردوں کو دیتا تھا جو اسی کے نام سے موسوم ہے۔ سند پاتے وقت آج بھی ڈھائی تین ہزار سال بعد ڈاکٹر عہد کرتا ہے کہ وہ کسی شخص کو مہلک دوا نہ دے گا۔ کسی عورت کا پیٹ نہ گرائے گا۔ اُسے اغوا نہ کرے گا۔ ہر مریض کا علاج صداقت اور خلوص نیت سے کرے گا۔ اپنے پیشہ کے سلسلے میں جو کچھ سنے گا اُسے راز میں رکھے گا۔

قولِ بقراط ہے کہ "میری فضیلت کا ماحصل یہ ہے کہ میں اپنے جہل سے مطلع ہوا۔" بقراط نے ۳۷۷ ق م میں تراسی سال کی عمر میں انتقال کیا۔

۱۷۳۔ تعلیم اور حضرت ادریس علیہ السّلام :- ہم عنوان بالا یعنی عنوان ۱۷۲ میں

چونکہ تعلیم کا ذکر کر چکے ہیں اس لیے یہاں پر یہ مناسب معلوم ہوا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کی تعلیم کا بھی ذکرِ خیر ہو جانا ضروری ہے۔ کیونکہ آپ کے زمانہ میں بہتر زبانیں بولی جاتی تھیں اور آپ وقت کی تمام زبانوں کے زبان داں تھے۔

قصص القرآن ج اول میں درج ہے کہ "حضرت ادریسؑ اور اُن کی پیرو جماعت نے جب مصر میں سکونت اختیار کر لی تو یہاں بھی پیغامِ الٰہی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینا شروع کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اُن کے زمانہ میں بہتر زبانیں بولی جاتی تھیں، اور خدائے تعالیٰ کی عطاء و بخشش سے یہ وقت کی تمام زبانوں کے زبان داں تھے، اور ہر ایک جماعت کو اُسی کی زبان میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ادریسؑ نے دینِ الٰہی کے پیغام کے علاوہ سیاستِ عدن اور شہری زندگی اور بود و باند (یعنی گھروں کے رہن سہن) کے متمدن طریقوں کی بھی تعلیم و تلقین کی اور اس کے لیے انھوں نے ہر ایک فرقہ و جماعت سے طلبا جمع کیے اور ان کو مدنی سیاست اور اُس کے اصول و قواعد سکھائے۔ جب یہ طلبا رکامل و ماہر بن کر اپنے قبائل کی طرف لوٹے تو انھوں نے شہر اور بستیاں آباد کیں۔ جن کو مدنی اصول پر بسایا، ان شہروں

کی تعداد کم وبیش دو صد کے قریب تھی، جن میں سب سے چھوٹا شہر "رہا" تھا (یہ شہر صفحۂ عالم سے مٹ گیا مگر اس کے کھنڈرات باقی ہیں) حضرت ادریسؑ نے ان طلبا کو دوسرے علوم کی بھی تعلیم دی۔ جس میں علم حکمت اور علمِ نجوم جیسے علوم بھی شامل ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام پہلی ہستی ہیں جنھوں نے علم حکمت و نجوم کی ابتدا کی۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو افلاک اور اُن کی ترکیب کواکب اور اُن کے اجتماع وافتراق کے نکات اور اُن کے باہم کشش کے اسرار اور بھیدوں کی تعلیم دی اور اُن کو علم عدد و حساب کا عالم بنایا۔ اور اگر اس پیغمبر کے ذریعہ ان علوم کا اکتشاف (معلومات) نہ ہوتا تو انسانی طبائع کی وہاں تک رسائی مشکل تھی۔ انھوں نے مختلف گروہوں اور امتوں کے لیے ان کے مناسب حال قوانین وقواعد مقرر فرمائے۔ اور اقطاعِ عالم (عالم کی تقسیم) کو چار حصوں میں منقسم کر کے ہر ربع کے لیے ایک حاکم مقرر کیا جو اس حصہ زمین کی سیاست و ملوکیت کا ذمہ دار قرار پایا۔ اور ان چاروں کے لیے ضروری قرار دیا کہ تمام قوانین سے مقدم شریعت کا وہ قانون رہے گا جس کی تعلیم وحی الٰہی کے ذریعہ میں نے تم کو دی ہے۔

اس سلسلہ کے سب سے پہلے چار بادشاہوں کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ایلاوس (بمعنی رحیم) (۲) زوس (۳) اسقلیبوس (۴) زوس امدن یا ایلاوس امون یا بسلیوخس۔

حضرت ادریسؑ کی تعلیم کا خلاصہ

خدا کی ہستی اور اس کی توحید پر ایمان لانا "صرف خالق کائنات کی پرستش کرنا۔ آخرت کے عذاب سے رستگاری کے لیے اعمال صالحہ کو ڈھال بنانا" دنیا سے بے التفاتی اور تمام امور میں عدل وانصاف کو پیش نظر رکھنا اور مقررہ طریقہ پر عبادتِ الٰہی ادا کرنا۔ اور ایام بیض (یعنی ہر ماہ قمری کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ) کے روزے رکھنا۔ دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ طہارت و نظافت

{یعنی پاکی و پاکیزگی} سے رہنا خصوصیت کے ساتھ جنائت {گناہ۔ ناپاکی} گئے اور سور سے اجتناب کرنا۔ ہر نشہ آور شے سے پرہیز کرنا۔ ان کی تعلیم کا لُبِ لباب ہے۔

انھوں نے اپنے پیروؤں کے لیے بحکم الٰہی سال میں چند دن عید کے مقرر فرمائے اور چند مخصوص اوقات میں نذر اور قربانی دینا فرض قرار دیا۔ ان میں سے بعض رویت ہلال پر ادا کی جاتی تھیں اور بعض اس وقت جبکہ سورج کسی برج میں داخل ہونے لگا ہو۔ اور بعض جبکہ سیارے اپنے بیوت و برج میں داخل ہوں اور بعض سیارے بعض سیاروں کے مقابل آجائیں۔

۱۷۴۔ تربیتِ اُولاد :- تَربِیَتُ معنے پرورش کرنا۔ پالنا + اُولاد معنے نسل، بیٹا۔ بیٹی۔

ہم اس عنوان کے تحت {جہاں سب ہی کچھ مسائل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں} یہ بھی ضروری بلکہ نہایت ضروری اور مناسب سمجھتے ہیں کہ اپنے خاندان کے بچوں کا معیار بھی بلند و برتر ہو۔ اس لیئے ایسی کچھ کام کی باتیں بیان کرتے چلیں جو بچوں کے والدین کے لیے اُن کی پرورش کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہوں۔ اس لیئے بچوں کی مائیں اس طرف زیادہ توجہ فرمائیں اور ایسی باتوں پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ تب ہی آپ ایک اچھا اسلامی معاشرہ پیدا کر سکتی ہیں۔ ہم درج ذیل مضمون کتاب "حسنِ معاشرت" سے اخذ کر کے تحریر کر رہے ہیں۔ "یہ کوئی دشوار بات نہیں ہے۔ اولاد کی محبت سب کچھ سکھا دیتی ہے۔ مگر عقل و سلیقہ شرط ہے، جو بدسلیقہ ہیں اُن کو اور اُن کی اولاد کو زندگی دوبھر ہو جاتی ہے۔ پرورش پانے کو تو بچے پرورش پا جاتے ہیں مگر حیوان ہی رہتے ہیں۔ نہ خاموشی کا سلیقہ، نہ بات کرنے کا سلیقہ، بات کے وقت خاموش رہے، خاموشی کے وقت جو چاہا کہہ دیا۔ نہ کھانے کا سلیقہ نہ پینے کی تمیز۔ نہ پہننے اوڑھنے کا انداز، کپڑے پھٹے ہیں تو کچھ پروا نہیں بیمار ہیں تو بے جا علاج ہے کسی چیز سے پرہیز نہیں، اپنی زندگی سے جیئے موت آئی مر گئے۔ مر گئے تو بلا کٹی۔ ایسی بدسلیقہ ماؤں کے لیے بچوں کا ہونا قیامت ہے۔

ایک بچہ بھی آفت جان ہو جاتا ہے، اور جو سلیقہ مند تجربہ کار ہیں، جن کو لڑکے عزیز ہیں اور انجام پر نظر ہے وہ نہایت خوبی کے ساتھ پرورش کرتی ہیں، تربیت اولاد بھی اور اطاعت خاوند بھی، اور ان باتوں کو غنیمت سمجھ کر فخر کرتی ہیں اور پرورش کرتی ہیں، ایک قلیل آمدنی پر نہایت خوبی کے ساتھ گزر کرتی ہیں کہ دیکھنے والے خوش ہوتے ہیں۔

پرورش اولاد کے سلسلے میں آسان طریقہ یہ ہے کہ تم سویرے اٹھنے کی عادت ڈالو کہ دن بھر کی ضرورتوں کو بآسانی پورا کر سکو۔ اور ایک آدھ گھنٹہ نکال کر دم بھی لے لو، قاعدہ یہ رکھو کہ سویرے اٹھ کر بچوں کو فارغ کر کے بستر پر لٹا دو۔ کپڑے اور بستر پہلے سے ٹھیک رکھو۔ گدا اور چمڑا احتیاط کے لیئے اور نہالچے حسب ضرورت، تکیہ وغیرہ سب موجود رکھو، صاف رکھو تاکہ گندہ نہ ہو اور اس سے بچہ بیمار نہ پڑے۔ دوائیں بھی ان کے مرض کی مہیا رکھو تاکہ رات وغیرہ میں جبکہ کوئی دوائی نہیں مل سکتی کام میں آسکے۔ کھرل، سِل بٹہ، کوئلہ، دیاسلائی، روئی، کپڑا، چمچہ کٹوری، پتیلی، ہر قسم کے تیل، جڑی بوٹیاں وغیرہ اور دو چار مفید درخت اپنے گھر میں ہو سکیں تو لگا لو۔ مثلاً گلاب۔ چنبیلی، گل برگ وغیرہ ان سے ہوا بھی خوشگوار ملے گی اور وقت پر کام بھی آئیں گے۔ اگر یہ سب چیزیں گھر میں ہوں گی تو خدا کے فضل سے ضرورتیں بھی رفع ہوں گی، کوئی کام تمھیں دشوار نہ ہوگا، گھر داری بھی کر سکتی ہو اور شوہر کی تابعداری بھی اور تربیت اولاد بھی۔ لیکن پھر بھی ان سب کے لیے سلیقہ درکار ہے۔ ایک یہ ہے کہ بچہ کو محفوظ آرام دہ جگہ پر سُلا کر دونوں پہلو تکیہ رکھ دو، اور بے فکری سے نماز پڑھو یا ناشتہ کا انتظام کرو یا کھانے کا، طلوع آفتاب سے پہلے تمھیں بہر حال موقع مل سکتا ہے کہ ناشتہ وغیرہ سے فراغت پا کر کلام مجید پڑھو۔

اگر بچہ جاگ اٹھے تو ایسی جگہ پر بیٹھ کر بچہ کو لے لو کہ باورچی خانہ کی بھی نگرانی رہے اور بچہ بھی نہ روئے، اور جب باہر بھیجو تو ہاتھ منھ دھو کر کپڑے بدل کر تاکہ ہوا کھائے خوش رہے ایسے ۔م اور ضرورتیں پوری کر لو۔ ان کے کھانے کا بھی خیال رکھو۔ اگر وہ

بھوکے رہیں گے تو ہر چیز منہ میں ڈال لیں گے، جس سے نقصان پہنچے گا اور عادت خراب ہو گی۔ غذا دو تو ہلکی، مگر سال کے اندر اندر دینے سے پیٹ بھاری ہو جاتا ہے اور معدہ میں خرابی آجاتی ہے، سال ڈیڑھ سال بعد دینا مناسب ہے۔ وہ بھی بے وقت نہ دو، بچوں کو بہت اپنے پاس بھی نہ رکھو، ان کو لے کر بے فکری سے نہ لیٹو کہ سو جاؤ۔ جیسا کہ اکثر بیبیاں بچوں کو لے کر بے فکری سے سو جاتی ہیں، نہ گھر کی خبر نہ باہر کی خبر، مرد بھی پریشان ہیں اور عورتیں بھی۔ مگر انھیں کچھ پروا نہیں، اور بچہ بھی ماں کو نہیں چھوڑتا، بس کش مکش میں جان ہے۔ یہ طریقہ اچھا نہیں ہے، صبح دن چڑھے تک سونا نحوست ہے، ایسی سونے والی بیبیاں نماز سے محروم رہتی ہیں، یہ بہانہ مل جاتا ہے کہ کپڑے نجس ہیں، یہ کفرانِ نعمت ہے، خدا نے اولاد دی، اس کے عوض نماز کھو بیٹھیں، خدا مجھے اور ہر مسلمان کو ان خصلتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں یہ یاد رکھیے کہ بچوں کی ابتدائی تعلیم کی ابتدا خُدا کے نام پر کرو، کوئی اور لفظ نہ کہنے پائیں، ایسی باتیں نہ سکھاؤ جو آج کل رائج ہیں کہ بچپنے سے انگریزی، ہندی الفاظ سکھائے جاتے ہیں، ایسے الفاظ ان کے سامنے نہ نکالو، بچہ بہت جلد سیکھ لیتا ہے، ان باتوں سے خوش نہ ہو بلکہ افسوس کرو۔ اُن کی زبان پر نام خدا و نام رسولؐ رواں کرو، اس طرح سے کہ خدا کی وحدانیت و قدرت کا پورا یقین ہو جائے، جو چیز تم سے مانگے کہو خدا سے مانگو اور جو چیز دو کہو خدا نے دی ہے۔ ان کے ہر کام کی ابتدا بسم اللہ کے ساتھ کرو، اُن کو وہ کلمہ سکھاؤ کہ خدا اور رسولؐ کو پہچانیں، جب اُن کو سمجھ آجائے تو ان کو کلام مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتیں سورۂ اخلاص، سورۂ کوثر وغیرہ کا ایک ایک لفظ سکھاتی رہو، مع ترجمہ کے، رفتہ رفتہ بڑی سورتیں یونہی آگے چل کر سیکھ جائیں گے۔

بچوں کی نگہداشت میں بری صحبتوں سے دور رکھو، ہر وقت خیال رکھو کہ اُن کی طبیعت کسی اور طرف مائل نہ ہو، اُن کی ضد پوری نہ کرو، مانگنے سے پہلے اُن کی خواہش پوری کر دو، تاکہ ضد نہ پیدا ہو، ان کے ساتھ ایسا انداز رکھو کہ تم سے بے خوف

نہ ہوں، تمہارا اشارہ اُن کو کافی ہو، بہت مارنے اور بار بار کہنے سے بچو کہ بچے بے حیا ہو جاتے ہیں، پس اشارہ سے کام لو، ہر وقت ٹیڑھی باتیں نہ کرو۔ تھوڑی خطا پر سمجھادو، غصہ میں کوئی لفظ بے جا نہ نکالو کہ پچھتانا پڑے، ان کی طرف سے کسی کو بُرا نہ کہو بلکہ انھیں کا قصور سمجھو، ان کا کہنا نہ مانو، ہر ہر بات کی جانچ کرتی رہو۔ دوسرا شخص جو کہے اس کا یقین کرو، مگر تھوڑی دیر کے لیے، جب تک تحقیق نہ کرلو، بچے خوف سے مُکر جاتے ہیں اگر تم ان کی پاسداری کروگی تو اُن کو پھر موقع ملے گا، اگر کوئی پڑی چیز اٹھا لائیں تو فوراً اسی جگہ رکھوا دو، اگرچہ دور ہی کیوں نہ ہو۔ جھوٹ اور چغلی سے روکتی رہو، مار کر ہنسو نہیں، ان سے بے تکلف ہو کے باتیں نہ کرو کہ وہ بے حجاب ہو جائیں۔ کسی بات میں ان کی بے جا طرف داری نہ کرو، سب بچوں کو ایک نظر سے دیکھو، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو کہ ایک دوسرے کو ذلیل سمجھیں، کبھی بچوں کو ہاتھ میں پیسہ نہ دو، خود مناسب سمجھ کر چیز منگا کر سب کو برابر تقسیم کر دو، بچوں کے ہاتھ میں پیسہ دینا، اُن کی ہر خواہش پوری کرنا بڑی غلطی ہے، یہ محبت نہیں بلکہ عداوت ہے۔

لڑکیوں کے پردہ کا بہت لحاظ رکھو، جس وقت سے ان کو سمجھ آئے ہم عمر لڑکوں سے علیحدہ رکھو، ان سے بات کرنے کا موقع نہ دو، اپنے ساتھ بھی ہر روز ہر جگہ لے جانا بھی مناسب نہیں، اگرچہ چچا اور ماموں ہی کا گھر کیوں نہ ہو۔ گھر سے ممانعت نہیں بلکہ راستے کا خیال ہے، اور ان کے شوق میں ترقی ہونے کا خوف ہے، آج تمہارے ساتھ گئیں، کل کسی اور کو ساتھ لے کر جائیں گی، ہر کام میں انجام پر نظر رکھو، ان میں کسی قسم کی آزادی پیدا نہ ہو سکے، کپڑے اور زیور اپنی خوشی کے مطابق پہناؤ، ان کی رائے پر نہ چھوڑو، گزشتہ زمانہ کی حالت پر نظر رکھو، اس کے خلاف نہ کرو، بے جا کتابیں نہ دیکھنے دو، نماز پڑھنے اور قرآن و حدیث دیکھنے کی تاکید کرتی رہو، ادب لحاظ سکھاؤ، بہت بات کرنے سے روکو، کثرتِ کلام بیوقوفی کی دلیل ہے، بچیاں کم سخن اور شرمیلی بھلی معلوم ہوتی ہیں، کم بول اور شرم شریفوں کے انداز ہیں۔

بچیوں کو کاہل نہ بناؤ، ان سے کام لیتی رہو، کپڑے سلواؤ۔ کھانے پکانے میں شریک رکھو، کوئی ہانڈی خاص انھیں سے پکواؤ، خانہ داری میں شریک کرتی رہو کہ ان کو مہارت ہو جائے اور واقف ہو جائیں، حساب خانہ داری انھیں کے ہاتھ میں رکھو مگر ان سے حساب لیتی رہو، یہاں تک کہ جتنی ضرورتیں تمھیں پیش آتی ہیں اور وہ ان کو بھی بھگتنی پڑیں گی۔ وہ سب ان سے پوری کراتی رہو، لیکن اتنا بھی چھوڑ کر نہ بیٹھو کہ جب یہ چلی جائیں گی تو تمھیں مصیبت پیش آئے۔ ہر کام کو اُلٹتی پلٹتی رہو کہ کرنے کی عادت رہے۔ غرض یہ کہ نہ تم اور نہ لڑکیاں کسی کام میں محتاج رہیں، کتر بیونت اور دستکاری میں ایسی مشاق رہیں کہ دوسروں کو ان سے مدد ملتی رہے، سلیقہ شعار عورتوں کے لیئے یہ سب سے ضروری ہے۔ اگر یہ باتیں ہوئیں تو قلیل آمدنی میں بھی آرام پا سکتی ہیں، جہاں تک ہو لیکن معیوب نہ ہو بچیوں کو ہر کام کا آدمی بنانا چاہیئے۔ کسی وقت وہ بے کار نہ رہیں، آج ان کی محنت اگر تم سے دیکھی نہیں جاتی تو کل جب انھیں پہاڑ اٹھانا پڑے گا تو یہی مثل ٹھیک اُترے گی کہ "اب پچھتائے کا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

۱۷۵۔ تانبے کے چشمے:- تانبہ بھی ایک قسم کی دھات ہے۔ یہ بھی دوسری دھاتوں کی طرح زمین میں پایا جاتا ہے + چشمے جمع ہے چشمہ کی معنی پانی کا سوت۔ یعنی تانبہ کی سوتیں۔

ہم یہاں پر اس عنوان کے تحت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے جہاں اور بہت سے معجزات یعنی تسخیر ریاح، تسخیر جن اور منطق الطیر عطا فرمائے تھے اُن میں ایک "نشان" تانبہ کے چشمے کا بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ سے قبل کوئی شخص زمین کے اندر دھات کے چشموں سے آگاہ نہیں تھا۔

حضرت شاہ عبدالقادر (نور اللہ مرقدہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) پر ایسے عظیم الشان احسانات کیئے اور پھر یہاں تک فرما دیا کہ اس بے انتہا دولت و ثروت کے صرف و خرچ داد و دہش اور روک کر رکھنے میں تم

سے کوئی باز پُرس بھی نہیں ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود حضرت سلیمان (علیہ السلام) اس دولت و حکومت کو مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیئے "امانتِ الٰہی" سمجھ کر ایک حبّہ اپنی ذات پر صرف نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اپنی روزی ٹوکریاں بنا کر حاصل کرتے تھے۔"

آپ کو بڑی عالی شان عمارات بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ اور ایسی تعمیرات کے استحکام میں بہت دل چسپی رکھتے تھے۔ اسی لیئے آپ کی خواہش تھی کہ گارے چونے کے علاوہ کسی پگھلی ہوئی دھات کو گارے کی طرح استعمال کریں۔ چنانچہ اس خواہش کے متعلق "قصص القرآن جلد دوم" میں اس طرح درج ہے کہ "حضرت سلیمان (علیہ السلام) چونکہ عظیم الشان عمارات، پُر شوکت و پُر ہیبت قلعوں کی تعمیر کے بہت شائق تھے اور ایسی تعمیرات کے استحکام میں بہت دل چسپی رکھتے تھے۔ اس لیئے ضرورت تھی کہ گارے اور چونے کی بجائے پگھلی ہوئی دھات گارے کی طرح استعمال کی جائے۔ لیکن اس قدر کثیر مقدار میں یہ کیسے میسّر آئے یہ سوال تھا۔ جس کا حل حضرت سلیمان (علیہ السلام) چاہتے تھے۔

چنانچہ اللہ تعالٰے نے حضرت سلیمانؑ کی اس مشکل کو اس طرح حل کر دیا کہ اُن کو پگھلے ہوئے تانبہ کے چشمے مرحمت فرما دیئے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی حسبِ ضرورت سلیمانؑ کے لیئے تانبے کو پگھلا دیتا تھا۔ اور یہ حضرت سلیمانؑ کے لیے ایک "نشان" {یعنی معجزہ} تھا۔ اور اس سے قبل کوئی شخص دھات کا پگھلانا نہیں جانتا تھا۔

اور نجار کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے حضرت سلیمان (علیہ السلام) پر یہ انعام کیا کہ زمین کے جن حصوں میں ناری مادہ کی وجہ سے تانبا پانی کی طرح پگھل کر بہہ رہا تھا اُن چشموں کو حضرت سلیمانؑ پر آشکارا کر دیا اور ان سے قبل کوئی شخص زمین کے اندر دھات کے چشموں سے آگاہ نہیں تھا۔

چنانچہ ابنِ کثیر بروایتِ قتادہ ناقل ہیں کہ پگھلے ہوئے تانبے کے یہ چشمے یمن میں تھے جن کو اللہ تعالٰے نے حضرت سلیمانؑ پر ظاہر کر دیا تھا۔

قرآنِ عزیز نے اس حقیقت کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور سطور بالا دونوں توجیہات آیت زیرِ بحث کا مِصداق (یعنی سچائی و گواہ) بن سکتی ہیں۔ اس لیئے ان دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب صاحبِ مطالعہ کے اپنے ذوق پر ہے۔

تحمّل معنے برداشت کرنا۔

۱۷۶۔ تحمّل اور غُصّہ کی برداشت :-

دینِ اسلام نے غصہ کی نہایت مذمت فرمائی ہے۔ جو لوگ غصہ کو برداشت نہیں کرتے وہ نقصان میں رہتے ہیں۔ شیطان اُن پر غالب آجاتا ہے۔ اور وہ سب کچھ کرا دیتا ہے جو وہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور جو کچھ لوگ اپنے اندر تیز و تند اور ناگوار باتوں کے سہنے اور برداشت کرنے کی قوت رکھتے ہیں وہ ہمیشہ نفع میں رہتے ہیں، اللہ اور اُس کے رسول صلعم ایسے لوگوں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ ہوتے ہیں جنھیں دنیا والے "میاں لوگ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اُن کا احترام کرتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے تحمّل اور برداشت کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔

"ناگوار باتوں کو برداشت کرنا" اور ایسے موقع پر غصہ کو پی جانا بھی اُن اخلاق میں سے ہے جن کو اسلام سب انسانوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور اللہ کے نزدیک اُن اہلِ ایمان کا بڑا درجہ ہے جو اپنے اندر یہ حقیقت پیدا کر لیں۔

قرآن شریف میں جہاں اُن لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے لیئے جنت سجائی گئی ہے وہاں ایسے لوگوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے؛ ارشاد ہے:-

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط (آل عمران ع ۱۴)

ترجمہ:- جو غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرنے والے ہیں۔

ایسے لوگوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ جو شخص اپنے غصہ کو روکے گا اللہ تعالےٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو غصہ آنے کے وقت ان آیتوں اور حدیثوں کو یاد کر کے اپنے غصہ کو روک لیں۔ اور اس کے بدلہ میں اللہ تعالےٰ اُن سے اپنے

عذاب کو روک لے۔ (اسلام کیا ہے؟)

۱۷۷۔ تقویٰ تمام امور کی جڑ ہے:۔ تقویٰ معنے پرہیز گاری + امور جمع امر کی بمعنی نیک کام۔

تقویٰ حقیقتاً تمام امور کی جڑ ہے، جو اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہیں اُن سے پھر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اللہ کا خوف ہی ایسا ہے کہ جو گناہوں کے لیے ڈھال بن جاتا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ:۔ جو شخص تقویٰ حاصل کرے تو حق تعالےٰ اُس کے لیے ہر تنگی میں کوئی راستہ نکال دیتے ہیں اور اس طرح اُس کو روزی پہنچاتے ہیں جس کا اس کو گمان بھی نہیں ہوتا......

"تقویٰ کی اصل وقایہ یعنی نہایت محفوظ رکھنا ہے۔ عرف شرع میں ان چیزوں سے اپنے تئیں محفوظ رکھنا ہے کہ جو اس کو آخرت میں مضر ہیں۔

اسلام کا ایک روشن اصول تقویٰ بھی ہے کہ جس سے اس کو جمیع مذاہب پر شرف ہے۔ تقویٰ کے دو جزء ہیں ایک اچھی باتوں کا عمل میں لانا۔ دوسرا بری باتوں سے بچنا۔ پھر اچھی باتوں کی دو قسم ہیں۔ ایک اعلیٰ دوسری ادنیٰ، اعلیٰ قسم امور حقہ کی تصدیق ہے کہ جو قلب کا کام ہے۔ اور وہ بدن سے روح جدا ہونے کے بعد بھی روح کے ساتھ رہتی ہے۔ اور جس طرح قلب کو جمیع اعضاء بدن پر شرف ہے اسی طرح قلب کے عمل کو بھی اعضاء کے عمل پر شرف ہے، اس درجہ اعلیٰ کو ایمان کہتے ہیں۔

قسم دوم۔ اعمال صالحہ ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسم ہیں۔ بدنی اور مالی۔ بدن کے اعمال میں سب سے بڑھ کر نماز ہے۔ اور مال میں زکوٰۃ اور اس سے دوسرے مرتبہ کو اعمال صالحہ کہتے ہیں۔" (تفسیر حقانی ج دوم)

۱۷۸۔ تقلید:۔ تقلید معنے اپنے ذمہ کوئی کام لینا مجازاً کسی کی پیروی کرنا۔

"تقلید کے معنی ہیں لغوی طور پر پیروی کرنا۔ اور اصطلاحی

معنی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت میں یہ ہیں۔ ان یکون اتباع الروایۃ دلالۃ ...... یعنی بات ثبوت کی ہو (روایت) اور الفاظ مجتہد کے دوالتہ ہوں۔ اس کو مان لینا تقلید ہے۔

جب کہ ہر شخص میں اس کی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ بذاتِ خود نُصُوصِ شرعیہ {یعنی وہ آیاتِ قرآنی جن کے معنی ظاہر اور صاف صاف ہوں} اور دلائل شرعیہ {یعنی شرعی طور پر وجہ ثبوت} میں غور و فکر کر سکے اور احکامات کا استنباط {یعنی بات کی کھود} کر سکے؛ تو لازمی امر ہے کہ اہلِ تحقیق اور صاحب نظر و فکر {یعنی کھوج لگانے والوں اور غور و فکر کرنے والوں} کی اتباع کرنا۔ جس کو دوسرے الفاظ میں تقلید سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حافظ ابنِ قیمؒ اعلام میں تحریر فرماتے ہیں:

"حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے تبلیغ "دو" طرح کی ہے، الفاظِ نبوت کی تبلیغ اور معانی کی تبلیغ ۔ اس کے بعد دوسری قسم پر بحث کرتے ہوئے ارقام {یعنی تحریر} فرماتے ہیں۔

دوسری قسم ان فقہائے اسلام {یعنی مذہب اسلام کی علم شریعت کے جاننے والوں} کی ہے۔ جن کو مسائل نکالنے کی نِعمَتْ اَرْزانی ہوئی۔ {یعنی جن کو اللہ تعالٰے نے دریافت طلب باتوں پر دسترس عطا کر کے آسانی فرما دی} اور جو حلال و حرام کے ضابطے {یعنی طریقے دستور} بتانے کے لیے متوجہ ہوئے۔ ان فقہاء کا مقام زمین میں ایسا ہے جیسے ستارے آسمانوں میں۔ ان کے ذریعہ تاریکیوں میں سرگرداں {یعنی پریشان} راستہ معلوم کرتے ہیں۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کھانے اور پینے سے زیادہ ہے۔ اور ان کی اطاعت والدین سے بھی زیادہ از روئے قرآن ضروری ہے۔ اس کے بعد یہ آیت قلم بند فرماتے ہیں:۔ ترجمہ:۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا۔ اور حکم مانو رسولؐ کا اور اولی الامر کا جو تم میں سے ہوں۔

اس آیت کی رو سے فقہاء اور مجتہدین کی اطاعت فرض ہے۔ اور اس آیت میں عبداللہ بن عباسؓ، جابر بن عبداللہؓ، حسن بصریؒ، ابوالعالیہؒ، عطاء بن

رباحؒ، ضحاکؒ اور مجاہدؒ کے خیال میں اولی الامر سے حکام نہیں بلکہ فقہائے اسلام مراد ہیں۔"

(ماخوذ از مذاہب ائمہ اربعہ)

۱۷۹۔ تلاوتِ زبور :۔ تلاوت معنے پڑھنا۔+ زبور معنے لکھی ہوئی چیز۔ تحریر۔ اور نام ہے جناب داؤد علیہ السلام کی کتاب کا۔

لغت میں زبور کے معنے پارے اور ٹکڑے کے ہیں۔ کیونکہ یہ کتاب دراصل توراۃ کی تکمیل کے لیے نازل ہوئی تھی۔ اس لیئے گویا اس کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہے۔

"بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لیے "اصل اور اساس" توراۃ تھی لیکن حالات و واقعات اور زمانہ کے تغیرات کے پیش نظر حضرت داؤد (علیہ السلام) کو بھی خدا کی جانب سے زبور عطا ہوئی۔ جو توراۃ کے قوانین و اصول کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی رشد و ہدایت کے لیے بھیجی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ نے شریعت موسویؑ کو از سرِ نو زندہ کیا۔ اسرائیلیوں کو راہ راست و راہِ ہدایت دکھائی۔

زبور خدا کی حمد کے نغموں سے معمور تھی اور حضرت داؤدؑ کو اللہ تعالےٰ نے ایسا لہجہ اور سحر آگیں لحن عطا فرمایا تھا کہ جب زبور کی تلاوت فرماتے تو جنّ و انس حتیٰ کہ وحوش و طیور تک وجد میں آجاتے۔ اس لیے آج تک "لحن داؤدی" ضرب المثل ہے۔

مصنّف عبدالرزاق میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ابو موسیٰ اشعری کے حسنِ صوت کو سنتے تو ارشاد فرماتے۔ ابو موسیٰ کو اللہ تعالےٰ نے لحن داؤدی عطا فرمایا ہے۔

زبور ایسے قصائد اور مسجّع {یعنی قافیہ بندی کیئے ہوئے} کلمات کا مجموعہ تھا جس میں خدا کی حمد و ثنا اور انسانی عبدیت و عجز کے اعتراف اور پند و نصائح اور بصائر و حکم کے مضامین تھے۔ مسند احمدؒ میں ایک روایت منقول ہے کہ زبور کا نزول رمضان میں ہوا۔ اور وہ مواعظ و حکم کا مجموعہ تھی۔ نیز بعض بشارات اور پیشین گوئیاں بھی منقول تھیں چنانچہ بعض مفسرین نے یہ تصریح کی ہے کہ آیات مسطورہ ذیل میں زبور کے جس واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی

بشارت سے متعلق ہے اور وہی اس کا مصداق ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء) ترجمہ: اور بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ کہہ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

قرآن نے جگہ جگہ توراۃ، انجیل اور زبور کو خدا کی وحی فرمایا ہے اور منزل من اللہ بتایا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ بنی اسرائیل نے دیدہ و دانستہ خدا کی ان کتابوں کو بدل ڈالا اور جگہ جگہ اپنی مرضی کے مطابق ان میں تحریف کر دی حتیٰ کہ اب ان کے حقائق پر اس قدر پردہ پڑ گیا ہے کہ اصل اور جعل کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔

بخاری کتاب الانبیاء میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت داؤدؑ پوری زبور کو اتنے مختصر وقت میں تلاوت کر لیا کرتے تھے کہ جب وہ گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو تلاوت بھی شروع کرتے اور جب کس کر فارغ ہوتے تو پوری زبور ختم کر چکے ہوتے۔

گذشتہ سطور میں ذکر آچکا ہے کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) جب گھوڑے پر زین کسنا شروع کرتے تو اس سے فارغ ہونے تک مکمل زبور کی تلاوت کر لیا کرتے تھے تو حضرت داؤد (علیہ السلام) کا یہ معجزہ "حرکت زبان" سے تعلق رکھتا ہے۔ گویا خدائے تعالیٰ حضرت داؤد (علیہ السلام) کے لیے زمانہ کو اس مدت میں ایسا سمیٹ دیتا تھا کہ عام حالت میں وہ گھنٹوں کی مقدار بن سکتا ہے یا حضرت داؤدؑ کو سرعتِ ادائے الفاظ کی اس درجہ قوت عطا کر دی گئی تھی کہ دوسرا شخص جس کلام کو گھنٹوں میں ادا کرے، داؤد علیہ السلام اُس کو بخاری کی نقل کردہ روایت کے مطابق مختصر وقت میں ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور یہ تو آج بھی مسلم ہے کہ سرعتِ حرکت کے لیے کوئی حد معین نہیں کی جا سکتی۔" (قصص القرآن ج دوم)

۱۸۰۔ ترتیبِ قرآن شریف :- ترتیب معنے ہر چیز کا درجہ قائم کرنا۔ اور اس کو اس کی جگہ پر رکھنا۔

"قرآن شریف کی موجودہ ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی ترتیب ہے جو ٹھیک مطابق لوح محفوظ کے ہے۔ مگر ضرورت مقام اور موقع کی وجہ سے نزول آگے پیچھے ہوتا رہا۔ اسی وجہ سے جب کوئی آیت یا کامل رکوع یا سورت نازل ہوتی تھی تو آنحضرت صلعم صحابہؓ سے فرماتے تھے کہ اس کو قرآن کے اس مقام میں رکھو۔ اور اسی طرح یاد کرو۔ صحابہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق و ترتیب کے مطابق یاد کرتے تھے۔ پھر اسی ترتیب کے مطابق صحابہؓ نے قرآن شریف کو مرتب کیا جو ہمارے آگے موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تحریف کردہ کتب آسمانی کو دیکھ کر رسول کریمؐ کو تردد ہوا کہ میرے بعد میری امت کہیں قرآن میں رد و بدل نہ کردے، تب خدا نے یہ آیت نازل فرمائی، اِنَّا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون:

ترجمہ:- ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ (بخاری و بیہقی)
یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ قرآن کے ایک لفظ میں بھی آج تک فرق نہ آیا۔ بلکہ جس رسم الخط سے صحابہؓ نے لکھا تھا۔ وہ بھی اب تک قائم ہے۔ جو شخص اس آیت کے مضمون کے خلاف یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن میں رد و بدل ہوکر حفاظت نہیں ہوئی وہ پورا مسلمان نہیں۔" (حضرت تھانویؒ)

۱۸۱۔ تہجد کی نماز :- تہجد معنے رات کو نہ سونا، رات کو جاگتے میں کاٹنا۔ مجازاً وہ نمازیں جو بعد نصف شب کے زاہد لوگ نیند سے اٹھ کر پڑھتے ہیں۔

"مسلمان جب تک پانچوں نمازوں کا اہتمام کرتا رہتا ہے۔ شیطان اس سے ڈرتا رہتا ہے اور جب وہ نمازوں میں کوتاہی کرنے لگتا ہے تو شیطان کو اس پر جرأت ہوجاتی ہے اور اس کے بہکانے کی طمع کرنے لگتا ہے۔ سب سے افضل عمل اوّل وقت نماز پڑھنا ہے۔ نماز ہر متقی کی قربانی ہے۔ صبح کو جو شخص نماز کو جاتا ہے اس

کے ہاتھ میں ایمان کا جھنڈا ہوتا ہے، اور جو بازار کو جاتا ہے اس کے ہاتھ میں شیطان کا جھنڈا ہوتا ہے۔

ظہر کی نماز سے پہلے چار رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا کہ تہجد کی چار رکعتوں کا۔ ظہر سے پہلے چار رکعتیں تہجد کی چار رکعتوں کے برابر شمار ہوتی ہیں۔ جب آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے تو رحمت الٰہی اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ افضل ترین نماز آدھی رات کی ہے مگر اس کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں۔ حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت جبریلؑ آئے اور کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ کتنا ہی آپؐ زندہ رہیں آخر ایک دن مرنا ہے اور جس سے چاہے محبت کریں آخر ایک دن اُس سے جُدا ہونا ہے۔ اور آپ جس قسم کا بھی عمل کریں (بھلا یا بُرا) اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اس میں کوئی تردّد نہیں کہ مومن کی شرافت تہجد کی نماز ہے۔ اور مومن کی عزت لوگوں سے استغنا ہے۔ اخیر رات کی دو رکعتیں تمام دنیا سے افضل ہیں۔ اگر مجھے مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو امت پر فرض کر دیتا۔ تہجد ضرور پڑھا کرو کہ تہجد صالحین کا طریقہ ہے اور اللہ کے قُرب کا سبب ہے۔ تہجد گناہوں سے روکتا ہے۔ اور خطاؤں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ اس سے بدن کی تندرستی بھی ہوتی ہے۔ حق تعالٰے شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اے آدم کی اولاد تو دن کے شروع میں چار رکعتوں سے عاجز نہ بن، میں تمام دن تیرے کاموں کی کفالت کروں گا۔" (فضائل نماز)

۱۸۲۔ تِلاوتِ قرآن کے باطنی آداب :-

تلاوت معنے پڑھنا۔
+ باطنی معنے اندرونی
+ آداب جمع ادب کی بمعنی طور۔

واضح ہو کہ قرآن شریف اللہ جلّ شانہٗ کا کلام ہے اس کی تلاوت کرتے وقت جتنا بھی ادب و احترام کیا جا سکتا ہے، کرنا ضروری ہے۔ تلاوت کرتے وقت دل میں بھی کلام اللہ کا احترام ہو، کبھی کبھی تلاوت کی فضیلت کا انتہائی درجہ حاصل کرنے کا شوق ہونا چاہیئے۔ تلاوت کی مقدار کا بھی لحاظ رکھو۔ ادنیٰ

درجہ تو یہ ہے کہ مہینہ میں ایک بار قرآن ختم کرو، اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تین دن میں قرآن ختم ہو۔

"تلاوت قرآن کے باطنی آداب حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی صاحبؒ نے پانچ بیان فرمائے ہیں جو تبلیغ دین میں مذکور ہیں۔ (۱) اول یہ کہ جس طرح اللہ کی عظمت و عزت اور جلال دل میں ہے۔ اسی طرح اس کے کلام کی عظمت ہو۔ (۲) دوم یہ کہ اگر قرآن مجید کے معنے سمجھتے ہو تو ایک آیت بھی بلا سمجھے تلاوت نہ کرو۔ (۳) سوم یہ کہ فہم قرآن اور تدبر سے معرفت الٰہی کی گوناگوں شاخوں سے پھل پھول بھی چنتے رہو۔ (۴) چہارم یہ کہ قرآن کریم کا مطلب سمجھنے سے جو امور مانع ہوں ان کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ (۵) پنجم یہ کہ آیاتِ کلام الٰہی سے صرف تجلیات اور معرفت الٰہی کے حاصل کرنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ حالت اور اثر بھی ظاہر ہونا چاہیئے۔

۱۸۳۔ تقرب الٰہی اور مصائب :-

تَقَرُّب بمعنے نزدیکی + مَصَائِب جمع مصیبت کی بمعنی دکھ، تکلیف۔

مذہب اسلام نے ہر ہر مسئلہ پر مسلمانوں کو اہم تعلیمات سے نوازا ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ ہر مسلمان سچا اور پکا مسلمان بنے۔ خوشی و غم، راحت و پریشانی، آزمائش و ابتلاء غرض ہر قسم کے حالات و کیفیات پر صبر و ضبط، استقلال و استقامت اور مصائب و بلا میں شکر و سپاس گزاری کی تعلیم دی ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ ہر حال میں ایک سچے اور پکے مسلمان کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ مسلمان کا یہ ایمان و عقیدہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہر چیز خدا کی طرف سے ہے اور اس میں اس کی کوئی مصلحت اپنے بندوں کے لیئے کارفرما ہے۔ اس مسئلہ پر کبھی انسان کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ اور یہ بات قطعی سمجھ لینا چاہیئے کہ جو جتنا قریب ہوگا اس کے لیے آزمائش و امتحان بھی اتنا ہی قریب ہوگا۔ وہ بلا یا مصائب کی بھٹی میں زیادہ تپایا جاتا ہے۔ قصص القرآن ج دوم میں مذکور ہے کہ "بندگانِ خدا میں سے جس کو خدائے تعالےٰ کے ساتھ جس قدر تقرب حاصل ہوتا ہے اسی نسبت سے وہ بلایا مصائب اس کے درجات تقرب کی رفعت و بلندی کے سبب بن جاتے ہیں۔

چنانچہ اس مضمون کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الصالحون ثم الامثل فالامثل (الحدیث) (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۱۸۰ منقول از صحاح} ترجمہ: مصائب میں سب سے زیادہ سخت امتحان انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد صلحاء کا نمبر ہے۔ اور پھر حسب مراتب و درجات۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبتلی الرجل علیٰ قدر دینہ فان فی دینہ صلابۃ زید فی بلائہ {الحدیث ایضاً} ترجمہ:۔ انسان اپنے دین کے درجات کے مناسب آزمایا جاتا ہے۔ پس اگر اس کے دین میں پختگی اور مضبوطی ہے تو وہ مصیبت کی آزمائش میں بھی دوسروں سے زیادہ ہوگا۔

وجاہت و عزت، دولت و ثروت اور خوش حالی و رفاہیت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی شکر گذاری اور احسان شناسی کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے اور اگر رَعُونَتْ وَاَنَانِیَتْ {غرور و خود بینی} کارفرما نہیں ہے تو بہت آسان ہے، لیکن مصیبت و بلاء، رنج و محن اور عسرت و تنگ حالی میں رضا بقضا، رہ کر حرف شکایت تک زبان پر نہ لانا اور صبر و استقامت کا ثبوت دینا بہت مشکل اور کٹھن ہے۔ اس لیے جب کوئی خدا کا نیک بندہ اس زبوں حالت میں ضبط و استقلال کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و شکر کا مسلسل مظاہرہ کرتا ہے تو پھر اللہ کی صفت "رحمت" بھی جوش میں آجاتی ہے۔ اور ایسے شخص پر اس کے فضل و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ غیر متوقع طور پر بے نہایت افضال و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔ اور دین و دنیا دونوں کی کامرانی کا حق دار بن جاتا ہے۔

۱۸۴۔ تعبیرِ خواب:۔

تعبیر معنے خواب کے معنی بتانا + خواب معنے نیند میں جو دکھائی دے۔

اس عنوان کے تحت ہم یہاں پر ایک خواب کی تعبیر کا نقشہ پیش کر رہے ہیں تاکہ ہمارے معزز ناظرین کو اپنے یا کسی دوست و احباب کے خواب کی تعبیر معلوم کرنے میں سہولت حاصل ہو سکے۔ یہ ایک مختصر نقشہ ہے اور اس کو ہم نے قرآن مجید مترجم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اخذ کیا ہے:
چند خوابوں اور اُن کی تعبیر کو بطور نمونہ ہم یہاں درج کر رہے ہیں باقی کو غور فرما کر ان پر قیاس فرمائیں:۔

خواب	تعبیر	خواب	تعبیر
بہتا پانی دیکھنا	مشکل کام بخیر و خوبی و حسن انتظام انجام پذیر ہوں گے۔		بہت ہو۔
بند پانی دیکھنا	فائدہ ہوگا۔ فساد کا اندیشہ جاتا رہے گا۔	اولے کا پانی دیکھنا	خوش حال یا فارغ البال ہو۔
صاف پانی دیکھنا	درازئ عمر و نعمت حاصل ہوگی	اپنے آپ کو خود ہلاک کرنا	گناہوں سے تائب ہو کر افعالِ نیک کی طرف راغب ہو۔
آگ دیکھنا	مال دار عورت پائے۔		
آسمان کی طرف اُڑنا	سفر در پیش ہو یا کامیابی حاصل ہو۔	اپنے کو قتل کرتے دیکھنا	درازئ عمر کی علامت ہے۔
آئینہ دیکھنا	دوست یا رفیق خدمتگار ملے، تمنائے دل برآئے۔	بادشاہ کو دیکھنا	دولت و عزت پائے حکومت ملے۔
اشرفی ملتے دیکھنا	فرزند نصیبہ ور پیدا ہو۔ مال و دولت بڑھے۔	بال سر کے کٹے دیکھنا	قرض ادا ہو۔ امانت سے سبکدوشی ہو۔ بیٹا پیدا ہو۔
		بالاخانہ دیکھنا	عالی مرتبہ پانا۔
انار پانا	نیک خصلت اولاد پیدا ہو۔	باتیں بہت کرنا	وکالت حاصل ہو۔
انگشتری دیکھنا	بیٹا پیدا ہو۔ مویشی ہاتھ آئیں۔ حکومت پائے۔	بچھونا۔ زمین پر بچھانا	عمر دراز ہو۔ راحت ملے۔
انگور سفید دیکھنا	فائدہ کثیر حاصل ہو۔ صاحبِ تدبیر ہو۔	بطخ دیکھنا	حاکم وقت یا سردار سے نفع حاصل ہو۔
اونٹ پر سوار ہونا	سفر در پیش ہو۔ یا فائدہ	بوسہ دینا یا مصافحہ کرنا	مطلبِ دلی حاصل ہو۔

خواب	تعبیر	خواب	تعبیر
	اعمال نیک کی رغبت ہو۔		توقیر حاصل ہو۔
دشمن سے مصافحہ کرنا	آپس کی عداوت دور ہو۔	تربوز کھانا	نعمت ملے۔ ہم چشموں میں آبرو ہو۔
بوڑھا آدمی دیکھنا	سفر سے بخیریت مراجعت ہو	تکیہ دیکھنا	بزرگی ملے۔ بلند مرتبہ پائے۔
بیمار یا مُردے کو گود میں دیکھنا۔	علامت صحت یا تندرستی کی ہے۔	تبسم کرنا	خوشی حاصل ہو۔ غم دور ہو جائے۔
بھونرا دیکھنا	خوشی ہو۔ رنج و فکر دور ہو۔	تالاب میں نہانا	الائش دنیا سے پاک ہو۔
چشمہ یا تالاب کا پانی دیکھنا	بے شمار مال و دولت حاصل ہو۔	تار دیکھنا	رشتۂ حیات مضبوط ہو۔
سارے دریا کا پانی پی جانا	مال دار ہو۔ اپنی قوم میں ذی وقار ہو۔	جنگل دیکھنا	رنج دفع ہو جائے۔
پائجامہ زریں دیکھنا	عیش۔ دوست عورت ملے۔	جہاد کرنا	دشمن پر فتح ہو۔ دنیا میں ذی وقار ہو۔ قوم کا سردار ہو۔
تابوت اپنا دیکھنا	جس دشمن کا خوف ہو اُس پر فتح پائے۔	چاندی دیکھنا	دولت مند ہو۔ مال سے گھر بھر جائے۔
تانبا دیکھنا	بادشاہ یا امیر سے نفع ہو۔	چاندی پانا	رنج و غم دور ہو۔ آرام حاصل ہو۔
		چشمہ دیکھنا	خیر و برکت و حصول نعمت ہو۔

کتب معتبرہ میں ہے کہ صبح کے قریب کے خواب کا ظہور جلد ہوتا ہے۔ اور نصف شب یا اس کے قریب کے خواب کا ظہور چالیس دن سے سات برس تک کی مدت میں

ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے بن دیکھے جھوٹا خواب بیان کیا اُس کو قیامت کے دن عذاب ہوگا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر کسی نے بُرا خواب دیکھا جس سے اس کا دل پریشان ہوا تو آنکھ کھلنے پر زمین پر تھوک دے اور اعوذ باللہ تا آخر پڑھے تو اس کا اثر بد جاتا رہے گا۔ اور ایسے خواب کو کسی سے بیان نہ کرے۔ اور جب اچھے خواب کو کسی سے بیان کرنا ہو تو یاد رہے خواب صرف صاحبِ علم یا عقل مند کے آگے بیان کرنا چاہیئے۔ حدیث میں ہے کہ تعبیر دینے والے کو مناسب ہے کہ پہلے غور سے کیفیت خواب کو معلوم کرے اور جلدی نہ کرے۔ پھر تعبیر دے تاکہ مسلمان بھائی کا دل پریشان نہ ہو۔ اور نقصان سے بچے۔ مخفی نہ رہے کہ جو تعبیر بادشاہ کے خواب کی ہے۔ وہ عوام کی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا مراتب و مدارج کا خیال ضروری ہے اور خواب کافر اور مشرک اور حائضہ {وہ عورت جس کو حیض آیا ہو} کا اکثر جھوٹا ہوتا ہے۔ اور کبھی سچ بھی ہوتا ہے جیسا کہ اصحاب سجن یوسف و بخت نصر یا فرعون کا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ خواب مسلمانوں کا مُرتد و کافر کے خواب سے بہتر ہے۔ عالم کا جاہل کے خواب سے۔ خواب مرد کا عورت کے خواب سے۔ علیٰ ھذا القیاس۔

۱۸۵۔ تین چیزیں تاخیر نہ کرو:۔

تاخیر کرنا معنے دیر کرنا۔ واضح ہو کہ دیر تو ہر چیز میں ہی اچھی نہیں ہے۔ اور خاص طور سے جو چیزیں ادا کی جانی چاہییں اُن کو جتنی جلدی ہو سکے ادا کر دے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیز میں تاخیر نہ کرو۔

"ایک نماز جب اس کا وقت ہو جائے"۔ دوسری جنازہ جب تیار ہو جائے۔ تیسری بے نکاحی عورت جب اس کے جوڑ کا خاوند مل جائے۔ {یعنی فوراً نکاح کر دینا} بہت سے لوگ جو اپنے کو دین دار بھی سمجھتے ہیں اور گو یا نماز کے پابند بھی ہیں۔ وہ کئی کئی نمازیں معمولی بہانہ سے سفر کا ہو، دوکان کا ہو، ملازمت کا ہو، گھر آکر اکٹھی پڑھ لیتے

ہیں۔ یہ گناہ کبیرہ ہے کہ بلا کسی عذر بیماری وغیرہ کے نماز کو اپنے وقت پر نہ پڑھا جائے۔ گو بالکل نماز نہ پڑھنے کی برابر گناہ نہ ہو، لیکن بے وقت پڑھنے کا بھی سخت گناہ ہے اس سے خلاصی نہ ہوئی۔

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص نماز کا اہتمام کرے تو نماز اس کے لیے قیامت کے دن نُور ہو گی اور حساب پیش ہونے کے وقت حُجت ہو گی اور نجات کا سبب ہو گی۔ اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے اس کے لیے قیامت کے دن نہ نور ہو گا اور نہ اس کے پاس کوئی حجت ہو گی۔ اور نہ نجات کا کوئی ذریعہ۔ اس کا حشر فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔

فرعون کو ہر شخص جانتا ہے کہ کس درجہ کا کافر تھا حتیٰ کہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ اور ہامان اس کے وزیر کا نام تھا۔ اور اُبی بن خلف مکہ کے مشرکین میں سے بڑا سخت دشمنِ اسلام تھا۔

ابنِ حَجر ؒ نے ..... کتابُ الزّواجر میں قارون کا بھی فرعون وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ان کے ساتھ حشر ہو گا۔ اور ان کے ساتھ حشر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ان ہی وجوہ سے نماز میں سستی ہوتی ہے جو ان لوگوں میں پائی جاتی تھیں پس اگر اس کی وجہ مال و دولت کی کثرت ہے تو قارون کے ساتھ حشر ہو گا اور اگر حکومت و سلطنت ہے تو فرعون کے ساتھ۔ اور وزارت (یعنی ملازمت یا مصاحبت) ہے تو ہامان کے ساتھ۔ اور تجارت ہے تو اُبی بن خلف کے ساتھ اور جب ان لوگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو گیا تو پھر جس قسم کے بھی عذاب احادیث میں وارد ہوئے ان میں کوئی اشکال نہیں رہا۔ کہ جہنم کے عذاب سخت سے سخت ہیں۔ البتہ یہ ضرور..... ہے کہ اس کو اپنے ایمان کی وجہ سے ایک نہ ایک دن ان سے خلاصی ہو جائے گی۔ اور وہ لوگ ہمیشہ کے لیے اس میں رہیں گے۔ لیکن خلاصی ہونے تک کا زمانہ کیا کچھ ہنسی کھیل ہے۔ نہ معلوم کتنے ہزار برس ہوں گے۔"

(فضائل نماز از شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

۱۸۶۔ ترکِ سلام وکلام:۔ ترک معنے چھوڑنا۔ چھوڑ دینا + سلام معنے دعا دینا۔ گردن ڈال دینا اطاعت کے لئے۔ خدا کا نام۔ + کلام معنے بات کرنا۔ اصطلاحِ علم نحو میں وہ عبارت جو مرکب ہو دو کلموں سے۔ اور مفید علم ہو۔

مخلوق کے حقوق قائم رکھنے میں جن باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیئے اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ اگر تمھاری کسی سے رنجش ہو جائے تو اس سے تین دن سے زیادہ علیحدگی نہ رکھو۔ اور سلوک کرتے وقت اہل اور نااہل نہ دیکھو۔ لوگوں سے ان کی حالت کے موافق برتاؤ کیا کرو یعنی جاہل میں اس کمال اور تقوئی کو مت دیکھو {یعنی مت ڈھونڈو} جو علما میں ہوا کرتا ہے۔ برتاؤ کے وقت لوگوں کے مرتبہ کا لحاظ رکھو۔ یعنی اگر کوئی دنیا دار باعزت آدمی تمھارے پاس آجائے تو اس کی عزت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "جب کسی قوم کا کوئی بڑا شخص تمھارے پاس آیا کرے تو اس کی عزت کرو۔

ترکِ سلام وکلام کے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سورۂ توبہ کی ایک آیت کی تفسیر میں اس طرح ارشاد فرماتے ہیں کہ "کسی شخص کو بوجہ ازتکاب امر خلاف شرع کے یہ سزا دینا کہ اس سے ترکِ سلام وکلام کر دیں جائز ہے۔ اور حدیثوں میں جو ممانعت آئی ہے کہ تین روز سے زیادہ ترکِ کلام نہ کرے۔ مراد اس سے وہ ہے جس کا سبب کوئی دُنیوی رنج ہو۔"

۱۸۷۔ تابوتِ سکینہ:۔ تابوت معنے صندوق۔ + سکینہ معنے آرام وآسائش اور وہ چیز جس سے آرام حاصل ہو۔ نام اُس شے کا جو تابوت بنی اسرائیل میں تھی۔

یہ بنی اسرائیل کا متبرک صندوق تھا۔ "چوتھی صدی عیسوی کے آخر میں عیلی کاہن کے زمانہ میں اشدود حوالی غزہ کی فلسطینی قوم نے اُن پر زبردست حملہ کیا اور شکست دے کر متبرک صندوق "تابوت سکینہ" بھی چھین کر لے گئے۔ اس متبرک صندوق

میں توراۃ کا اصل نسخہ، حضرت موسیٰ و ہارون {علیہم السلام} کے عصا اور پیرہن اور منّ کا مرتبان محفوظ تھے۔ فلسطینیوں نے اس کو اپنے مشہور مندر "بیت دجون" میں رکھ دیا۔ یہ مندر ان کے سب سے بڑے دیوتا "دجون" کے نام سے موسوم تھا۔ دجون کا جسم انسانی چہرہ اور مچھلی کے دھڑ سے مرکب بنایا گیا تھا اور اسی مندر میں نصب تھا۔ نجار مصری کہتے ہیں کہ فلسطین کے مشہور شہر رملہ کے قریب آج بھی ایک بستی بیت دجون کے نام سے پائی جاتی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ توراۃ میں دجون کے جس مندر کا ذکر ہے وہ یہیں واقع ہوگا۔ اور اسی نسبت سے بستی کا نام بھی بیت دجون رکھا گیا۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ اس متبرک صندوق یعنی تابوت سکینہ میں حضرت موسیٰ وہارون {علیہم السلام} کے عصا، پیرہن اور منّ کا مرتبان محفوظ تھے۔ اور منّ کے مرتبان کے ساتھ ان کے علاوہ دوسرے تبرکات بھی تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو حکم دیا تھا کہ تم منّ کو محفوظ کر لو۔ تاکہ تمھاری آئندہ نسلیں بھی مشاہدہ کریں کہ تم پر خدا کا انعام ہوا تھا۔" (قصص القرآن ج ۲)

۱۸۸۔ تابوت سکینہ کی بنی اسرائیل کو واپسی :- بنی اسرائیل سے اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام۔

تابوت سکینہ کی بنی اسرائیل کو واپسی کے متعلق ایک طویل داستان ہے۔ جس کو قرآن عزیز نے بھی بیان فرمایا ہے اور توراۃ میں تو اس کے متعلق ایک بہت لمبی داستان بیان کی گئی ہے۔ یہ واقعہ یعنی تابوت کی واپسی حضرت شموئیل (علیہ السلام) کے زمانہ میں ہوئی۔ بہر حال ہم اس تابوت سکینہ کی واپسی کا واقعہ کتاب قصص القرآن جلد دوم سے نہایت اختصار کے ساتھ اخذ کر کے یہاں پر بیان کریں گے۔

"بہر حال جب شموئیل (علیہ السلام) کے زمانہ میں بھی عمالقہ {ایک قوم} کی دست برد اور ظالمانہ شرارتیں اسی طرح جاری رہیں۔ تو بنی اسرائیل نے اُن سے درخواست کی کہ وہ ہم پر ایک بادشاہ (حاکم) مقرر کر دیں جس کی قیادت میں ہم ظالموں کا مقابلہ کریں اور

جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ دشمنوں کی لائی ہوئی مصیبت کا خاتمہ کر دیں۔ توراۃ میں بنی اسرائیل کے اس مطالبہ کی "کہ ہم پر ایک سلطان مقرر کر دیجئے" وجہ یہ بیان کی ہے۔ "اور ایسا ہوا کہ جب شموئیل بوڑھا ہو گیا تو اُس نے اپنے بیٹوں کو مقرر کیا کہ بنی اسرائیل کی عدالت کریں اور اُس کے پہلوٹے کا نام یوآیل تھا۔ اور اُس کے دوسرے بیٹے کا نام ابیاہ دونوں بیر سبع میں قاضی تھے۔ پر اُس کے بیٹے اس کی راہ پر نہ چلے بلکہ نفع کی پیروی کرتے اور رشوت لیتے اور عدالت میں طرف داری کرتے تھے۔ تب سارے اسرائیلی بزرگ جمع ہو کے رامتہ میں شموئیل کے پاس آئے اُسے کہا دیکھ تو بوڑھا ہوا اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے۔ اب کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر جو ہم پر حکومت کیا کرے جیسا کہ سب قوموں میں ہے۔"

قرآن عزیز میں ہے کہ جب بنی اسرائیل نے حضرت شموئیل (علیہ السلام) سے بادشاہ کے تقرر کا مطالبہ کیا تو انھوں نے ارشاد فرمایا۔

"مجھے یہ خوف ہے کہ ایسا نہ ہو جب تم پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیا جائے اور وہ تم کو دشمنوں کے مقابلہ کے لیے "جہاد" کا حکم دے تو تم بزدل ثابت ہوا اور جہاد سے انکار کر جاؤ۔"

آخر کار۔ جب حضرت شموئیل (علیہ السلام) نے اتمام حجت کر لیا تو اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رجوع کیا۔ حق تعالیٰ نے ان کو مطلع فرمایا کہ بنی اسرائیل کی درخواست منظور ہوئی اور ہم نے طالوت جو علمی اور جسمانی دونوں لحاظ سے تم میں نمایاں ہے۔ تم پر بادشاہ مقرر کر دیا۔ بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو منہ بنانے لگے۔ اور ناگواری سے کہنے لگے یہ شخص تو غریب ہے مال دار تک نہیں یہ کس طرح ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے اور دراصل بادشاہت کے لائق تو ہم میں سے کسی کو مقرر کیجیے۔

بنی اسرائیل کی اس رد و کد نے یہاں تک طول کھینچا کہ انھوں نے شموئیل (علیہ السلام) سے مطالبہ کیا کہ اگر طالوت کا تقرر منجانب اللہ ہے تو اُس کے لیے خدا کا کوئی "نشان" دکھایئے۔ حضرت شموئیل (علیہ السلام) نے فرمایا۔ اگر تم کو خدا کے اس فیصلہ کی تصدیق مطلوب ہے تو اتمام حجت کے لیے وہ بھی تم کو عطا کی جا رہی ہے اور وہ یہ کہ جو متبرک

صندوق {یعنی تابوت سکینہ} تمھارے ہاتھوں سے چھن گیا ہے اور جس میں "توراۃ" اور حضرت موسیٰ و ہارون (علیہم السلام) کے تبرکات محفوظ ہیں وہ طالوت کی بدولت تمھارے پاس واپس آجائے گا۔ اور حکمتِ الٰہی سے ایسا ہوگا کہ تمھاری دیکھتی آنکھوں فرشتے اُسے اٹھا لائیں گے اور وہ دوبارہ تمھارے قبضہ میں آجائے گا۔

حضرت شموئیل (علیہ السلام) کی یہ بشارت آخر بروئے کار آئی اور بنی اسرائیل کے سامنے "ملائکۃ اللہ" نے "تابوتِ سکینہ" طالوت کو پیش کر دیا۔ اور اس طرح اُن پر یہ ظاہر ہوگیا کہ اگر وہ حضرت شموئیل (علیہ السلام) کے اس الہامی فیصلہ کو قبول کرلیں تو کامیابی و کامرانی یقینی اور حتمی ہے۔

توراۃ میں "تابوت سکینہ" کی واپسی کی داستان جس پیرایہ میں بیان کی گئی ہے وہ بہت دلچسپ ہے اور اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

"سفرِ صموئیل میں ہے کہ جب سے "بیت دجون" میں تابوت سکینہ لاکر رکھا گیا اس وقت سے فلسطینیوں نے روزانہ یہ منظر دیکھا کہ جب صبح کو وہ اپنے معبود "دجون" کی عبادت کے لیے جاتے ہیں تو اُس کو منھ کے بل اوندھا پڑا پاتے ہیں اور صبح کو جب وہ اُس کو دوبارہ اپنی جگہ پر قائم کر دیتے ہیں تو شب گذرنے پر پھر اُسی طرح اوندھا گرا ہوا پاتے ہیں۔ پھر ایک نئی بات یہ ہوئی کہ اس شہر میں اس کثرت سے چوہے پیدا ہوگئے کہ انھوں نے اُن کے تمام حاصلات کو خراب اور تباہ کر دیا۔ اور ایک خاص قسم کی گلٹیوں کی وبا نے وہاں گھر کر لیا۔ جس سے سخت نقصانِ جان ہونے لگا۔ فلسطینیوں نے جب کسی طرح ان باتوں سے نجات نہ پائی تو غور وفکر کے بعد کہنے لگے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہم پر یہ تمام نحوست اس صندوق کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا اس کو یہاں سے نکالو۔

یہ سوچ کر فلسطینیوں نے اپنے کاہنوں اور نجومیوں کو جمع کیا اور اُن سے تمام واقعات بیان کیے اور علاج کا مطالبہ کیا۔ کاہنوں اور نجومیوں نے کہا کہ اس کا صرف یہی علاج ہے کہ جس طرح ممکن ہو جلد اس تابوت کو یہاں سے خارج کر دو۔

اور اس کی صورت یہ ہے کہ سونے کے سات چوہے بنائے جائیں اور سات گلٹیاں اور اُن کو ایک گاڑی میں تابوت کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ اور اس گاڑی میں دو ایسی گائیں جوڑی جائیں جو دودھ دے رہی ہوں اور اُن کو بستی کے باہر لے جاکر سڑک پر چھوڑ دیا جائے کہ جس جانب اُن کا رُخ ہو صندوق کو لے جائیں۔

چنانچہ فلسطینیوں نے ایسا ہی کیا۔ خدا کی قدرت دیکھیے کہ وہ گائیں خود بخود ایسے رخ پر چل پڑیں کہ جو بنی اسرائیل کی بستیوں کی جانب تھا۔ اور آخر چلتے چلتے ایک ایسے کھیت پر جاکر کھڑی ہوئیں جہاں اسرائیل اپنا کھیت کاٹ رہے تھے۔ اسرائیلیوں نے جب صندوق کو دیکھا تو مسرت وخوشی سے مدہوش ہو گئے اور دوڑے دوڑے شہر بیت شمس میں جاکر خبر کی اور اُس کے بعد بیت یعریم کے یہودی آکر اُس کو بڑے احترام سے لے گئے اور ابنداب کے گھر میں جو ٹیلہ پر واقع تھا حفاظت کے ساتھ اس کو رکھا۔ {سموئیل ا باب ۶ و باب ۷۔ آیات ۱-۲}

۱۸۹۔ تقدم فی الاسلام :- تَقَدُّم معنے پہلے ہونا۔ پیش پیش ہونا + یعنی سب سے پہلے اسلام میں داخلہ یعنی مشرف به اسلام ہونا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا نکاح اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوا۔ اس نکاح کی درخواست حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جانب سے کی گئی تھی۔

"حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی قریشیۃ الاسدیۃ ان کے والد خویلد عرب کے مشہور تاجر اور قریش میں معزز ونامور تھے۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ ان کا سلسلہ نسب بھی نبی صلعم کے ساتھ نویں پشت میں شامل ہو جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ رض کے چچا عمرو بن اسد نے ان کا نکاح نبی صلعم سے کیا۔ مہر میں (۲۰) اونٹ مقرر ہوئے تھے۔ اس وقت حضرت خدیجہ رض کی عمر چالیس سال اور نبی صلعم

کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی۔

ان کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوا تھا۔ [مورخین میں اختلاف ہے کہ عتیق سے پہلا نکاح ہوا یا ابوہالہ سے۔ قتادہ نے عتیق کو پہلا بتایا ہے۔ اور جرجانی نے ابوہالہ کو۔ صاحب الاستیعاب نے بھی قول جرجانی کو صحیح کہا ہے۔ میں نے قول قتادہ کو اس لیے پسند کیا کہ صاحب الاستیعاب نے ہند کو ربیب رسول اللہ صلعم لکھا ہے۔ اور یہ تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ ابوہالہ کے بعد ہی نبی صلعم کا نکاح ہوا ہو] اُس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے فوت ہو جانے کے بعد۔ دوسرا نکاح ابوہالہ ہند بن نباش تمیمی سے ہوا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پہلا نکاح تھا۔ اس نکاح کی درخواست حضرت خدیجہؓ کی جانب سے کی گئی تھی۔ نکاح کے بعد نبی صلعم ذکرِ ربانی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے تھے۔ پانی کی مشک اور ستوؤں کی تھیلی لے کر غار حرا میں عبادت کیا کرتے حضور صلعم کی واپسی تک طاہرہ خدیجۃ الکبریٰؓ اُور ستو تیار کر چھوڑتیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا لقب جاہلیت میں بھی طاہرہ تھا۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئیں۔ ان پر کسی مرد یا عورت کو تقدم فی الاسلام حاصل نہیں۔"

(رحمۃ اللعالمین ج دوم)

۱۹۰۔ توحید و شرک جمع نہیں ہو سکتے :- توحید معنے ایک ماننا، ایک جاننا + شرک

معنے خدائے لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ (نعوذ باللہ) کفر ہے۔

ہم اس عنوان سے سورۃ الکٰفرون کے نزول کا ذکرِ خیر کریں گے۔ ایک دفعہ چند مشرکین کے رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس سورت الکٰفرون کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"اس سورت کا سببِ نزول یہ ہے کہ ایک بار چند رؤسا نے آپؐ سے عرض

کیا کہ آئیے ہمارے معبودوں کی آپ عبادت کیا کیجئے اور آپ کے معبود کی ہم عبادت کیا کریں جس میں ہم اور آپ طریق دین میں شریک رہیں۔ جونسا طریقہ ٹھیک ہوگا اس سے سب کو کچھ کچھ حصہ مل جائے گا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ موحد ہوکر بلائے شرک میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ نہ اب نہ آئندہ۔ اور تم مشرک ہوکر موحد قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ نہ اب نہ آئندہ۔ یعنی توحید و شرک جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی جب تک تم اپنے معبودوں کے عابد اور مشرک رہو گے اس وقت تک میرے معبود کے عابد یعنی موحد نہ سمجھے جاؤ گے:۔

باری تعالےٰ نے اس سورت میں ارشاد فرمایا:۔ ترجمہ:۔ آپ (ان کافروں سے) کہہ دیجئے کہ اے کافرو (میرا اور تمہارا طریقہ متحد نہیں ہو سکتا اور) نہ (تو فی الحال) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں۔ اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو۔ اور نہ آئندہ استقبال میں) میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے۔ تم کو تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا۔

۱۹۱۔ تعلیم پا جانا:۔ تَعْلِیْم معنے سیکھنا۔ علم پانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں یعنی آپ خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آنے والا ہے۔ آپ پر اللہ تعالےٰ نے دین ختم کر دیا ہے۔ دین مکمل ہوگیا ہے۔ وہ دین اسلام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی اللہ تعالےٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہیں ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

"عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ" یعنی تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔

اب لفظ عَلَّمَكَ ظاہر کرتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوتِ شنوائی و بینائی یعنی حسیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام "تعلیم پا جانا" رکھا جاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیم اُن کے قلب سے شروع ہوتی ہے :۔ اَنْزَلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ لہٰذا اللہ کی تعلیم دینے میں اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت {یعنی فرق} ہے۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى :۔ ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔

تعلیم ربّانی کا نسیان {یعنی بھول جانا} سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلّم یا متعلّم میں نہیں پائی جا سکتی۔ جب ہم قرآن پاک پر تدبّر کی نگاہ ڈالتے ہیں۔ اور احادیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ {یعنی گذرے ہوئے حالات} بھی موجود ہیں۔ اور اخبار مستقبلہ {یعنی آنے والے وقت کی خبریں} بھی مذکور ہیں اور عہد حال کے احکام بھی بکثرت ہیں۔ تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی الامیؐ کو ٹھیک اللہ تعالٰے ہی سے تعلیم ملی تھی۔ جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو اَن پڑھ ہونے پر فخر تھا۔ ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متمدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے۔ پھر چالیس سال تک حضور صلعم کی زبان تعلیم و تعلّم سے نا آشنا بھی رہی۔ لیکن جب رب العالمین نے حضور صلعم کو اپنے تلمّذ {یعنی شاگردی} میں لیا تو حضور صلعم نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کھول دیئے۔

آیتِ اوّلین :۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ط ترجمہ :۔ پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔

پر نگاہ ڈالیئے کہ حضور صلعم کی الف با یا حقیقت خلقتِ انسانی سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں منتہی {یعنی انتہا کو پہنچنے والے} فلسفی

بھی حیران ہیں۔

۱۹۲۔ تقلید ائمہ اربعہؒ:۔

تَقلِید معنے کسی کی پیروی کرنا۔ + ائمہ اربعہؒ معنے چاروں امام۔

مذہب کی راہ اختیار کرنے میں تاکہ مذہب پر صحیح طور وطریقہ سے چل سکیں یہ ضروری ہے کہ ان چاروں ائمہ میں سے کسی ایک کی پیروی کی جائے۔ اس لیے اس سلسلہ میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مذاہب ائمہ اربعہؒ سے کچھ اخذ کرکے اپنے معزز ناظرین کے مطالعہ کے لیئے تحریر کرتے چلیں۔ مذکور ہے کہ:۔

"علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان حضراتِ ائمہ اربعہؒ میں سے کسی ایک امام کی اتباع کرنا اور تقلید کرنا ضروری ہے۔ اور اس امر کو ضروری قرار دیا ہے کہ کسی بھی ایک امام کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے۔ موٗرخ ابن خلدونؒ نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔

"دنیا میں صرف ان چار ائمہ کی تقلید جاری ہوئی۔ اور دیگر ائمہ مقلدین کے نام و نشان نہیں رہے۔ اور لوگوں نے خلاف کا دروازہ اور اس کے تمام طریقے بند کر دیئے۔ اس لیئے کہ علمی اصطلاحات بکثرت قائم ہو کر رتبۂ اجتہاد پر پہنچنے سے مانع ہو گئی اور ڈر لگتا ہے کہ کہیں نااہل اور کمزور رائے رکھنے والے اپنے کو فقیہہ کہلانا شروع نہ کر دیں۔ تو جمہور نے صاف طور پر عجز و معذوری کا اظہار کرکے ان ائمہ کی تقلید کی طرف لوگوں کو متوجہ کر دیا۔ یہاں تک کہ ہر شخص کسی نہ کسی امام کی تقلید سے مختص (خاص) ہو گیا۔ اور ایک امام کی تقلید چھوڑ کر دوسرے کی تقلید کو ناجائز اور ممنوع کر دیا۔ کیونکہ اس میں تلاعب پائے جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے صرف ان چاروں کے مذاہب کی نقل اور تقلید رہ گئی مگر اصولِ تصحیح {یعنی درست کرنا} اور ان کی سند کی روایت کا اتصال شرط قرار پایا۔ آج کل اسی کو تقلید فقہ کہتے ہیں۔ اور بس، اور اس زمانہ میں اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور تمام اہلِ سنت ان چاروں ائمہ کی تقلید سے مقلد ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "عقد الجید" میں ارقام فرماتے ہیں "ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے اور ان سب سے روگردانی کرنے میں بڑا فساد ہے۔ اور ہم اس بات کو کئی وجہوں سے بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد مفصل یہ تین وجوہات بیان فرماتے ہیں:-

(۱) امت کا اجماع ہے کہ معرفتِ شریعت میں سلف کا اتباع کریں اور یہ مذاہب اربعہ چونکہ اقوالِ سلف بسند صحیح ماخوذ ہیں تمام مسائل منقحہ [پاک اور صاف] ہیں اس لیئے ان کا اتباع ضروری ہوا۔

(۲) حدیث میں ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم اور تمام مذاہب ختم ہو کر صرف چار ہی رہ گئے سوادِ اعظم انہی چار کی متبع ہوئی۔ لہذا اتباع مذاہبِ اربعہ لازم ہوا۔

(۳) زمانہ طویل ہو گیا۔ امانتیں ضائع ہو گئیں۔ لہذا علماء سوء [یعنی غلط علماء] یا ایسے لوگوں کی پیروی نہ چاہیئے جن کے متعلق متحقق نہیں کہ شرائط اجتہاد موجود ہیں یا نہیں؟ اور تحقق مشکل ہے۔ اس لیئے مذاہب اربعہ مشہورہ متبوعہ ہی کی پیروی کی جاتے۔"

۱۹۳۔ توحید و رسالت :- توحید معنے ایک ماننا۔ ایک جاننا۔ + رسالت معنے پیام پہنچانا۔ پیامبری۔

اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں، یعنی مذہبِ اسلام کے پانچ رکن ہیں جن پر دین اسلام کی بنیادیں قائم ہیں ان پر یقین کرنا، دل سے ماننا اور دل سے ان پر ایمان لانا ہی اسلام کہلاتا ہے۔ اور یہی ارکانِ اسلام کہے جاتے ہیں۔

اوّل کلمۂ طیبہ۔ دوسرے نماز۔ تیسرے روزہ۔ چوتھے زکوٰۃ اور پانچویں حج۔

کلمۂ طیبہ :- "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" [اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (یعنی کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس (خدا) کے رسول ہیں] یہی کلمات اسلام کا دروازہ اور دین و ایمان کی جڑ بنیاد ہے۔

"اس کلمہ کو قبول کر کے اور اعتقاد کے ساتھ پڑھ کر عمر بھر کا کافر اور مشرک بھی مومن اور مسلمان اور نجات کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مگر یہ شرط ہے کہ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ

کی توحید اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا جو اقرار ہے اُس کو اُس نے سمجھ کر مانا اور قبول کیا ہو۔

اس کلمہ کے دو جزو ہیں :- پہلا جزو ہے :- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس میں اللہ تعالےٰ کی توحید کا اقرار ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو عبادت و بندگی کے لائق ہو۔ بس اللہ تعالےٰ یہی ایک اکیلی ایسی ہستی ہے جو عبادت اور بندگی کے قابل ہے۔ کیونکہ وہی ہمارا اور سب کا خالق و مالک ہے۔ وہی پالنے والا روزی دینے والا ہے۔ وہی مارنے والا اور جلانے والا ہے۔ بیماری اور تندرستی، امیری اور غریبی اور ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور نفع و نقصان صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور اس کے سوا زمین و آسمان میں جو ہستیاں ہیں خواہ انسان ہوں یا فرشتے سب اُس کے بندے اور اُس کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ اُس کی خدائی میں کوئی اُس کا شریک و ساجھی نہیں ہے اور نہ اُس کے حکموں میں اُلٹ پلٹ کا کسی کو اختیار ہے۔

وہی حقیقی مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے یعنی ساری دنیا کا بادشاہ ہے۔ اور سب حاکموں سے بالاتر اور بڑا حاکم ہے۔ الغرض جب ہم نے جان لیا اور مان لیا کہ بس ایک اللہ ہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور ہم صرف اسی کے بندے ہیں، تو چاہیے کہ ہمارا عمل بھی اسی کے مطابق ہو۔ اور دنیا کے لوگ ہمیں دیکھ کر سمجھ لیا کریں کہ یہ صرف اللہ کے بندے ہیں جو اللہ کے حکموں پر چلتے ہیں اور اللہ ہی کے لیے جیتے اور مرتے ہیں۔

الغرض :- لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمارا اقرار اور اعلان ہو۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمارا اعتقاد اور ایمان ہو۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہمارا عمل اور ہماری شان ہو۔

یہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دین کی بنیاد کی پہلی اینٹ اور سارے نبیوں کا سب سے اہم اور اوّل سبق ہے۔ اور دین کی تمام باتوں میں اس کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ حضور صلعم

کی مشہور حدیث ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔ ایمان کے ستر سے اوپر شعبے ہیں اور اُن میں سب سے افضل اور اعلیٰ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا قائل ہونا ہے (بخاری و مسلم)

ہمارے کلمہ کا دوسرا جزء ہے:۔ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"

اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ خدا ہونے کا اقرار اور اعلان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا تھا اور آپؐ نے جو کچھ بتلایا اور جو خبریں دیں وہ سب صحیح اور بالکل حق ہیں۔ مثلاً قرآن مجید کا خدا کی طرف سے ہونا۔ فرشتوں کا ہونا۔ قیامت کا آنا۔ قیامت کے بعد مُردوں کا پھر سے زندہ کیا جانا۔ اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جانا۔ وغیرہ۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ خدا ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ نے جو باتیں اس طرح دنیا کو بتلائی ہیں وہ خدا کی طرف سے خاص اور یقینی علم حاصل کر کے بتلائی ہیں۔ اور وہ سب بالکل حق اور صحیح ہیں جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور اسی طرح آپ نے لوگوں کو جو ہدایتیں کیں اور جو احکام دیئے وہ سب دراصل خدا کی ہدایات اور خدائی احکام ہیں جو آپؐ پر وحی کیے گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول اسی واسطے بناتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں کو اپنے وہ احکام بھیجے، جن پر وہ اپنے بندوں کو چلانا چاہتا ہے:۔ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ط {اور ہم نے ہر رسول کو اسی لیے بھیجا کہ ہمارے فرمان سے اس کی اطاعت کی جائے یعنی اس کے حکموں کو مانا جائے}

الغرض رسول پر ایمان لانے اور اُس کو رسول ماننے کا مقصد و مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کی ہر بات کو بالکل حق مانا جائے۔ اور اس کی تعلیم و ہدایت کو خدا کی تعلیم و ہدایت سمجھا جائے۔ اور اس کے حکموں پر چلنے کا فیصلہ کر لیا جائے۔

کھُلی ہوئی بات ہے کہ جب ہم نے کلمہ پڑھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا

برحق رسول مان لیا تو ہمارے لیئے ضروری ہو گیا کہ اُن کے حکموں پر چلیں، اور سب باتیں مانیں، اور اُن کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کریں۔" (اسلام کیا ہے؟)

:: ج ::

۱۹۴۔ جمعہ میں ایک ساعت :۔ جُمُعَہ معنے ساتواں دن مسلمانوں کی تعطیل کا۔ یعنی ہفتہ کا ساتواں دن + ساعت معنے گھڑی۔ گھنٹہ۔

جمعہ مسلمانوں کا مبارک دن ہے۔ اس دن کی بہت فضیلتیں آئی ہیں۔ اس کو عیدالمؤمنین بھی کہا جاتا ہے۔

"اس دن میں نماز جمعہ فرض ہے۔ اس دن مسجد میں جمع ہونا۔ خطبہ پڑھنا۔ خطبہ سننا واجب ہے۔ نماز جمعہ کے لیئے غسل کرنا۔ صاف یا نئے کپڑے پہننا۔ خوشبو لگانا۔ مسواک کرنا مسنون ہے۔ مسجد میں اگربتی اور خوشبو جلانا مسنون ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ یہودیوں کو سبت {یعنی سنیچر} کا دن ملا۔ نصاریٰ کو اتوار اور ہم کو جمعۃ المبارک کا دن ملا۔ (بخاری و مسلم) آپؐ نے ارشاد فرمایا اِسی دن خطبۂ جمعہ سے لے کر نماز جمعہ ختم ہونے تک ایک گھڑی ایسی ہے جس میں دعا مقبول ہوتی ہے (مسلم) مزید فرمایا کہ اس دن عصر اور مغرب کے درمیان بھی دعا مقبول ہوتی ہے۔ (ترمذی)

ارشاد فرمایا کہ جمعہ کی شب میں اور جمعہ کے دن مجھ پر کثرت درود بھیجو۔ (مشکوٰۃ)

جمعہ کے دن {نماز جمعہ سے قبل یا بعد} جس نے سورۂ کہف پڑھ لی۔ اس کے سات دن کے اندر کے گناہ {گناہ صغیرہ} بخش دیئے جائیں گے۔ واضح رہے کہ جمعہ کے دن سفر نہ کرے۔ {یعنی نماز جمعہ سے قبل سفر نہ کرنا چاہیئے کہ کہیں نماز نہ چھوٹ جائے} (معمولات نبویؐ)

صحیح بخاری میں ہے کہ جمعہ کے دن اس حالت میں کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو، چپ رہنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے پاس والے سے کہے کہ چپ رہو تو اُس نے بھی لغو حرکت کی۔

حضرت سلمانؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ناقل ہیں کہ جب امام خطبہ پڑھنے لگے تو مقتدی

کو چاہیئے کہ چپ رہے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کا ذکر فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ اُس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اُس کو جو مسلمان بندہ پا جائے اور وہ کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو اور اللہ تعالےٰ سے کچھ مانگے تو اللہ تعالےٰ اس کو وہ چیز ضرور دے دے گا۔ اور آپ نے اپنے ہاتھ سے اس ساعت کی کمی بیان کرنے کے لیے اشارہ فرمایا۔"

۱۹۵- جنت الماویٰ یا جنتِ ارضی :- جنت الماویٰ یعنی جنّۃ الخلد۔ + جنتِ ارضی

یعنی زمین پر بنائی گئی جنت۔ {جو محض ایک خیالی دلیل ہے} حضرت آدم علیہ السلام جس جنت میں مقیم تھے اور جہاں سے اس دارِ فانی میں بھیجے گئے اُس جنّت کے متعلق علماءِ تحقیق میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور اس اختلاف کے ثبوت میں ہر جماعت کے علماء اپنے اپنے دلائل پیش کرتے ہیں وہ اُن کے اپنے خیالات ہیں۔ اس لیے ہم اس اختلاف پر اپنا پکا اور پختہ خیال یہ رکھتے ہیں کہ وہ دراصل جنت الماویٰ ہی تھی اور اُسی میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام مقیم تھے۔ اس سلسلے میں ہم حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی کتاب موسومہ "قصص القرآن جلد اوّل" میں ارشاد فرمایا ہے اس کو یہاں پر قلم بند کرتے ہیں:۔ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:" حضرت آدم (علیہ السلام) جس جنت میں مقیم تھے، اور جہاں سے انھیں زمین پر اترنے کا حکم دیا گیا وہ جنت کون سی جنت ہے۔ "جنت الماویٰ"، جو بعد قیام قیامت اہلِ ایمان کا مستقر ہے۔ یا "جنتِ ارضی" جو اسی سرزمین میں کسی بلند پُر فضا مقام پر آدمؑ کی حکومت کے لیے بنائی گئی تھی۔

جمہور علمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ یہ "جنت الماویٰ" ہی تھی۔ جس کا وعدہ آخرت میں مسلمانوں کے لیے کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آیاتِ واحادیث کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً:۔

قُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ : ہم نے کہا اے آدم تم اور تمھاری بیوی (حوّا) جنت میں رہو۔

اس جگہ جنت کو عربی قاعدہ سے "الجنّۃ" الف لام کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اسی مشہور جنت کا ذکر ہے جس کو جگہ جگہ قرآنِ عزیز میں قیام قیامت کے بعد مومنوں کا وطن بنایا گیا ہے۔ ورنہ اگر کسی نئے مقام کا تذکرہ ہوتا تو پہلے اس کی حقیقت کا اظہار ہوتا۔ پھر اس کو جانی پہچانی چیز کی طرح ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا جاتا۔

اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا۔ : تم وہاں سے ایک ساتھ اُترو۔

ہبوط : (اترنا) بلندی سے پستی کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے یہ جنتِ ارضی نہیں ہو سکتی بلکہ "جنۃ ماوی" ہی ہو سکتی ہے۔

مسلم میں ایک طویل حدیث ہے جس میں یہ جملہ موجود ہے :۔ يجمع الله الناس فيقوم المؤمنين حين تزدلف لهم الجنة فيأتون آدم فيقولون يا ابانا استفتح لنا الجنة فيقول : وهل اخرجكم من الجنة الا خطيئة ابيكم (الحديث) اللہ تعالےٰ لوگوں کو جمع کرے گا۔ پس اہلِ ایمان کھڑے ہوں گے جب جنت اُن کے قریب ہوگی۔ پھر وہ آدمؑ کے پاس آئیں گے اور کہیں گے۔ اے ہمارے باپ ہمارے لیے اس جنت کو کھولیے۔ اس پر حضرت آدمؑ فرمائیں گے کیا تم کو جنت سے تمھارے باپ کی خطا کاری ہی نے نہیں نکالا تھا۔

اس کے برعکس علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ "جنت" دنیا ہی کے مقامات میں سے کسی مقام پر تھی۔ "جنت الماوی" نہ تھی۔ اور اپنے قول کی تائید میں یہ کہتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی اس کو ظاہر کرتی ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آدمؑ و حوّاؑ کو وہاں کھانے پینے کا مکلف بنایا اور ایک درخت کے نہ کھانے کی تکلیف دی۔ پھر وہاں آدمؑ خواب راحت میں بھی رہتے تھے اور وہاں ابلیس بھی آتا جاتا رہتا تھا۔ اور اُس نے حضرت آدمؑ کو بہکا بھی دیا۔ اور پھر آدمؑ و حوّاؑ۔ اور ابلیس وہاں سے نکالے بھی گئے۔ تو یہ تمام وہ امور ہیں جو دنیا کے ساتھ مخصوص ہیں اور "جنۃ الماوی" میں اُن کا وجود نہیں ہے۔ نہ وہ عالمِ تکلیف

ہے اور نہ اُس میں داخلہ کے بعد اخراج ہے۔ یہ قول بھی بڑے بڑے علمائے اسلام کی طرف منسوب ہے۔ اور ان دُو راویوں کے علاوہ اس سلسلہ میں دُو رائیں اور بھی ہیں اور وہ اس طرح اس مسئلہ میں چار اقوال ہو جاتے ہیں۔

۱۔ یہ جنۃ الماویٰ ہے۔

۲۔ یہ جنتِ ارضی ہے۔

۳۔ یہ جنت الماویٰ اور جنتِ ارضی کے علاوہ ایک اور جنت ہے جو صرف اسی غرض سے تیار کی گئی تھی۔

۴۔ اُس معاملہ میں توقف اور سکوت کرنا چاہیئے۔ اور اسے خدا کے حوالہ کر دینا چاہیئے۔

یہ بحث بہت طویل ہے اور حافظ عماد الدین بن کثیر نے اپنی تاریخ البدایۃ و النہایہ میں اس کو بڑے شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور تمام اقوال کے مفصل دلائل اور نظائر کو بھی نقل کیا ہے۔ تفصیل دیکھنے کے لیے اس کی مراجعت کرنی چاہیئے۔

بہر حال حقیقتِ حال کا عالم تو خدا ہی ہے لیکن تمام دلائل و براہین کے دیکھنے کے بعد ہماری رائے تو یہی ہے کہ یہ معاملہ بلاشبہ "جنۃ الماویٰ" ہی میں پیش آیا ہے اور کھانے، سونے اور شیطان کے وسوسے ڈالنے کے لیئے تمام معاملات "جنۃ الماویٰ" میں اُس وقت پیش آئے ہیں جبکہ انسان ابھی تک عالمِ تکلیف میں نہیں آیا تھا پس جو کچھ ہوا مشیتِ الٰہی (حق تعالے کی مرضی و خواہش) کی حکمتِ بالغہ کے زیرِ اثر اس لیئے ہوا کہ یہ تمام تکوینی امور (یعنی یہ سب وجود میں لانے والے کام) انسان کے زمین پر آباد ہونے اور "خلافت الٰہیہ" کے حق دار بننے کے لیے ضروری تھے۔

جو علماء اس کے قائل ہیں کہ یہ "جنۃ الماویٰ" ہے۔ اُن پر دوسرے علماء کا یہ اعتراض ہے کہ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے (اور یہ ظاہر ہے کہ اسی کا دوسرا نام جنۃ الخلد ہے) تو حضرت آدمؑ سے ابلیس کا یہ کہنا کہ میں تمھیں شجر خلد کا پتہ بتاؤں کیا معنی رکھتا ہے؟ لیکن اوّل الذکر علماء ان حضرات سے جو جنتِ ارضی کے قائل ہیں پلٹ کر یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ جنتِ ارضی تھی تو اس دارِ فانی میں ابلیس حضرت آدمؑ سے ایسی بحث ہی

کیسے کر سکتا ہے کہ دنیا اور اس کی تمام اشیاء تو فانی ہیں۔ مگر اس میں ایک شجرِ خلد بھی ہے دار فانی میں خُلود (ہمیشگی پن) کہاں۔ اس کو تو معمولی عقل کا انسان بھی تسلیم نہیں کر سکتا چہ جائیکہ حضرت آدم علیہ السلام۔"

۱۹۶۔ جواہر پارے:۔ جواہر جمع ہے جوہر کی۔ یہ لفظ معرب ہے گوہر کا بمعنی قیمتی موتی۔ اصل ہر شے کی۔ + پارے جمع ہے پارہ کی بمعنی ٹکڑا۔ حصہ۔ تحفہ۔ + جواہر پارے یعنی بزرگوں کے زرّیں اقوال۔

ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ جہاں کتاب ہذا میں انسانیت کے قائم رکھنے اور اسلام کی سچی تعلیم سے اپنے معزز ناظرین کی واقفیت میں اضافہ کیا جائے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ کچھ بزرگوں کے قیمتی اقوال بیان کر دیئے جائیں۔

(۱) عبادت میں دل کی۔ مجلس میں زبان کی، غضب میں ہاتھ کی، دسترخوان پر شکم سیری کی حفاظت کرو۔ تاکہ مصائب سے محفوظ رہو۔ (۲) عقلمند جانتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ بیوقوف جانتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ (شیخ سعدیؒ)

(۳) مال و زر و رشتہ داری کا نام دنیا نہیں بلکہ خدا فراموشی کا نام دنیا ہے۔ (مولانا رومؒ)

(۴) جو شخص اپنے قصور کو تسلیم کرے اور اپنے کیئے پر ندامت کا اظہار کرے وہ شخص قابلِ معافی ہے اُسے معاف کر دینا نیکی ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

(۵) اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوئی آپ کو پسند کرے تو اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ اس شخص کو پسند کریں جس کی پسند آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (۶) اپنی شخصیت کے معمار آپ خود ہیں۔ آڑے وقتوں کے لیے طاقت و قوت کا ایک خزانہ محفوظ رکھیئے۔ اپنا جسم طاقتور بنایئے اور دل استقلال پسند (سکندر اعظم) (۷) اتحاد سے انسان بڑی بڑی دقتیں سر کر لیتا ہے۔ نفاق سے قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ (۸) شرافت عقل و ادب سے ہے نہ کہ مال و نسب سے۔ اس لیئے ہمیشہ سچی شرافت حاصل کرو۔ (۹) خاموشی غصہ کا بہترین علاج ہے۔ غصہ تھوکنے کے لیئے خاموش ہو جاؤ۔ (۱۰) نیکی انسان کی سب سے بڑی صفت اور سب سے بڑی عظمت ہے۔ (۱۱) زندگی کو خوشگوار

بنانے کے لیے نیکی اور سچائی کا راستہ بہترین راستہ ہے۔ (فارسی مقولہ) (۱۲) جاہل وہ ہیں جو جوانی یہ کہہ کر گزار دیتے ہیں کہ یادِ خدا بڑھاپے میں کریں گے اور بڑھاپا جوانی پر آنسو بہانے میں گزار دیتے ہیں۔ (فارسی مقولہ) (۱۳) احساس کمتری کامیاب زندگی کے لیے زہر قاتل ہے اسی طرح مایوسی عظیم ترین گناہ۔ (۱۴) خدا نے زندگی اچھے کاموں میں فروغ میں استعمال کرنے کے لیے عطا کی ہے۔ کوشش کیجیے کہ ہر روز آپ کم از کم ایک کام ایسا ضرور کر ڈالیں جس میں سب کی بھلائی ہو۔ (۱۵) اس خالقِ دوجہاں سے منکر ہونا خود اپنے آپ اور زندگی کو دھوکا دینا ہے۔ (۱۶) خدا اور موت کو یاد رکھ اپنی نیکی اور دوسروں کی بدی کو بھول جا۔ (لقمان)۔ (۱۷) متلاطم سمندروں اور بلند ترین پہاڑوں کو پھاند جانے والا انسان بھی آرزوؤں سے نجات حاصل نہیں کر سکتا ہے (ارسطو) (۱۸) خدا کے نزدیک سب سے پیاری بات والدین کی اطاعت ہے۔

۱۹۷۔ جنسِ بشری یا تیاندرتال } جنس معنے ہر چیز کی ایک نوع جس کے نیچے بہت سی قسمیں مندرج ہوں۔ اور منطقیوں کی اصطلاح میں جنس وہ ہے جس کے نیچے چند نوعیں ہوں اور نوع وہ ہے جس کے نیچے چند صنف ہوں اور صنف وہ ہے جس کے نیچے افراد ہوں۔ پس حیوان جنس ہے اور انسان نوع۔ اور فرنگی و حبشی و ہندی صنف اور ہر صنف کے اشخاص افراد ہیں۔

جنسِ بشری یا تیاندرتال کا ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس کو علمارِ طبقات الارض نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ موجودہ انسانی دنیا سے پہلے بھی ربع مسکون پر عالم انسانی کا وجود رہا ہے۔ ہم اس مسئلہ کے متعلق حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاداتِ عالیہ جو آپ نے اپنی کتاب " قصص القرآن ج اوّل ص۴۳۷ پر تحریر فرمائے ہیں سپردِ قلم کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد دراصل ایسی تمام چیزوں کا بیان کتاب ہذا میں بیان کر دینا صرف اس لیے ہے تاکہ ہمارے کرم فرما معزز ناظرین کی واقفیت میں اضافہ کا باعث ہو۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو ایسی واقفیت سے نیک

راہ پر چلنے کی ہدایت عطا فرمائے اور غلط واقعات و کمزور عقیدوں سے دور رکھے۔ آمین
نہایت ادب اور استدعا کے ساتھ احقر بھی آپ سے طالبِ دعا ہے۔

"حضرت آدمؑ دنیائے انسانی میں پہلے انسان اور کائناتِ بشری کے پہلے ابوالبشر ہیں یا اس سے بھی پہلے اس قسم کی دنیائے انسانی کا وجود اس کائنات میں رہا ہے اور اس کے لیئے بھی اسی طرح ایک آدم ابوالبشر کی ہستی رہی ہے؟

اس مسئلہ کے متعلق اگرچہ بعض علمائے طبقات الارض نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ انسانی دنیا سے قبل بھی ربع مسکون پر عالمِ انسانی کا وجود رہا ہے۔ اور آج سے تیس ہزار سال قبل کی اس جنسِ بشری کا نام "تیاندرتال" تھا۔ اور اس کا موجودہ نسلِ انسانی سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا بلکہ وہ مستقل نسل تھی جو ہلاک ہو گئی۔ اور اس کے بعد موجودہ نسل انسانی نے جنم لیا۔ مگر ان کی یہ تحقیق تخمینی اور قیاسی ہے جو انسانی ڈھانچوں اور ان کی ہڈیوں کی تحقیق (ریسرچ) پر مبنی ہے اور کسی یقینی اور علمِ حقیقی پر مبنی نہیں ہے۔ اور قرآن عزیز نے ہم کو اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ نہ کسی موقع پر اس کے بارے میں کوئی اشارہ کیا۔ اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کوئی تصریح موجود ہے۔ لہٰذا ہمارے یقین اور اعتقاد کے لیئے اسی قدر کافی ہے جو ہم کو قرآن کے یقینی علم اور وحی الٰہی کی صاف اور صریح اطلاع سے حاصل ہوا ہے۔

دراصل اس قسم کے مباحث علمیہ کے لیئے اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو مسائل علم یقین اور مشاہدہ کی حد تک پہنچ چکے ہیں اور قرآن علوم اور وحی الٰہی ان حقائق کا اس طرح انکار نہیں کرتے جس طرح آج وہ مشاہدہ اور بداہت (بے سوچ و سمجھ) کے درجہ میں نظر آتے ہیں۔ اُن کو بلاشبہ تسلیم کیا جائے اور ان کا انکار بے جا تعصب اور تنگ نظری کے سوا کچھ نہیں۔ اور جو مسائل ابھی تک یقین اور جزم (پکے ارادے) کی اُس حد تک نہیں پہنچے جس کو مشاہدہ اور بداہت کہا جا سکے۔ مثلاً "مسئلہ" زیر بحث تو ان کے متعلق قرآنِ عزیز کے مطالب میں تاویلات نہیں کرنی چاہیئں۔ اور خواہ مخواہ ان کو جدید تحقیقات کے سانچہ میں ڈھالنے کی سعی ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ وقت کا انتظار

کرنا چاہیئے۔ کہ وہ مسائل اپنی حقیقت کو اس طرح آشکارا کر دیں کہ ان کے انکار سے مشاہدہ اور بداہت کا انکار لازم آجائے۔ اس لیے کہ یہ حقیقت ہے کہ مباحث علمیہ کو بارہا اپنی جگہ سے ہٹنا پڑا ہے۔ مگر علوم قرآنی کو کبھی ایک مرتبہ بھی اپنی جگہ سے ہٹنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اور جب کبھی مسائل علمیہ بحث و نظر کے بعد یقینیات اور مشاہدات کی حد تک پہنچے ہیں۔ وہ ایک نقطہ بھی اُس سے آگے نہیں گئے۔ جس کو قرآن نے پہلے سے واضح کر دیا ہے۔

البتہ اگر کسی مفسر نے ایک آیت کی ایسی تفسیر کر دی ہے جو اس مسئلہ کی اصل حقیقت کے خلاف پڑتی ہے تو بلاشبہ اُس کے بیان کردہ معانی کو نظر انداز کر دینا اور آیاتِ قرآن کو اصل حقیقت کے مطابق ظاہر کرنا قرآن عزیز کا اپنا مطالبہ ہے جو تعقل (سمجھنا) تفکر اور تدبر کی بار بار دعوت سے ظاہر ہوتا ہے:۔ افلا تعقلون۔ افلا یتدبرون افلا یتفکرون۔

لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ یہ بحث صرف ان ہی مسائل سے متعلق ہے جو تاریخی، جغرافیائی اور طبعی حقائق سے تعلق رکھتے ہیں اور قرآنِ عزیز نے اس حد تک ان کی طرف توجہ کی ہے۔ جس سے اُس کے مقصد ارشاد و ہدایت کو مدد مل سکے۔ باقی وہ تمام مسائل جن کا تعلق ایک مسلمان کے۔ "مسلم" ہونے اور عقائد و اعمال کے اعتبار سے اُس کے "مومن" کہلانے سے ہے۔ سو ان کو قرآن عزیز نے حسب یقین اور علم حقیقی (وحی الٰہی) کے ذریعہ بیان کر دیا ہے۔ ان میں مطلق کسی قسم کے تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی تحقیق اور ریسرچ کے محتاج، مثلاً خدا کی ہستی، آخرت کے وجود، ملائکۃ اللہ، تقدیر اور انبیاء و رسل سے متعلق ایمان و اعتقاد یا نماز و روزہ کی اصل حقیقت، حج و زکوٰۃ کے معنی و مفہوم وغیرہ۔ یہ تمام مسائل ایک مسلمان کے لیے مطلق کسی جدید تحقیق کے محتاج نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے حقائق کے متعلق نصوص {وہ آیات قرآنی جن کے معنے ظاہر اور صاف صاف ہوں} نے ہم کو دوسروں سے قطعی بے نیاز کر دیا ہے اور اس کا دیا ہوا علم، علم یقین (وحی الٰہی) پر مبنی ہے جو

اپنی ابدیت کے ساتھ اٹل اور غیر متبدّل ہے۔"

۱۹۸۔ جُنُب کا قبل از غُسل سونا:۔

جُنُب معنے ناپاک آدمی۔ بے غسل آدمی۔ + غُسل معنے تمام بدن سے نہانا۔

جب آدمی ناپاک ہو تو کیا وہ غسل سے پہلے سو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے:۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ مدینہ کی کسی گلی میں انھیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے اور ابو ہریرہؓ جُنُب تھے، پس (وہ کہتے ہیں کہ) میں آپؐ سے علیحدہ ہو گیا اور جاکر غسل کیا۔ پھر آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ "اے ابو ہریرہؓ تم کہاں (چلے گئے) تھے۔ ابو ہریرہؓ نے کہا کہ میں جُنُب تھا۔ اور ناپاکی کی حالت میں میں نے آپؐ کے پاس بیٹھنا بُرا جانا۔ آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ مومن (کسی حال میں) نجس نہیں ہوتا۔"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا کہ، کیا ہم میں سے کوئی بحالتِ جنابت سو سکتا ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا ہاں۔ جب کہ وضو کرے اور اپنے عضو خاص کو دھو ڈالو بعد اس کے سو رہو۔"

(صحیح بخاری اُردو ج ۱)

۱۹۹۔ جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں وہاں فرشتے نہیں جاتے:۔

تَصوِیر معنے صورت۔ صورت اور شکل کسی چیز کی تیار کرنا۔ + فرشتے جمع ہے فرشتہ کی بمعنی خدا کا قاصد نورانی۔ آج کل یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے گھروں اور نشست گاہوں کو خوب صورت تصویروں سے سجاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ فلمی اداکاروں سے زیادہ دل چسپی رکھتے ہیں۔ اگر وہ قدرت کے مناظر کے شائق ہوں تو یہ اُس سے کہیں اچھا ہے۔ اچھی سبزیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ دل خوش ہوتا ہے۔ قدرت کی کاریگری کو دیکھ کر اللہ تعالےٰ کی کرشمہ سازیوں کا پتہ چلتا ہے۔ کاش یہ نوجوان اس سے باخبر ہو جائیں کہ جو کچھ تم اپنے مکانوں اور کمروں کو سجانے میں کسی مردِ

عورت یا کسی دوسرے جاندار کی تصویروں سے ہی دل خوش کرتے ہو۔ یہ بُرا ہے، تم خود اپنے گھروں سے رحمت کے فرشتوں کو روک رہے ہو۔ اور شیطان کو آنے کی دعوت دے رہے ہو۔ ایک حدیث میں آیا ہے :۔ "ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک مسند خریدی جس میں تصویریں تھیں۔ پھر جب اُسے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ گھر کے اندر نہ گئے۔ (حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں) جب میں نے آپؐ کے چہرۂ مبارک میں ناراضگی (کی کیفیت) دیکھی تو میں نے کہا۔ یا رسول اللہؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اللہ اور رسولؐ کے سامنے توبہ کرتی ہوں۔ میں نے کیا گناہ کیا۔ (آپؐ مجھ سے کیوں ناخوش ہیں؟) تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مسند کیسی ہے؟ حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں، میں نے عرض کیا کہ یہ میں نے آپؐ کے لیے خریدی ہے تاکہ آپؐ اُس پر بیٹھیں اور اُس سے تکیہ لگائیں تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان تصویروں کے بنانے والوں پر قیامت کے روز عذاب کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو صورتیں تم نے بنائی ہیں ان کو زندہ کرو۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں وہاں فرشتے نہیں جاتے ہیں۔" (صحیح بخاری ج ۱)

۲۰۰۔ جھوٹی قسم :۔ قسم معنے قسم۔ سوگند۔ مشہور لفظ ہے۔ واضح ہو کہ قسم کا کھانا اچھا نہیں ہے کوشش کرنی چاہیے کہ قسم نہ کھائی جائے خواہ سچی قسم ہو۔ اور جھوٹی قسم تو بالکل بھی نہ کھانی چاہیے۔ اگر کوئی ایسا موقع پیش آجائے کہ اس وقت قسم کھانا نہایت ہی ضروری ہو جائے تو بھی اگر قسم کی ضرورت پڑ جائے تو قسم صرف اللہ تعالےٰ کی کھاؤ۔ قرآن کریم یا کسی اور کی قسم کھانا منع ہے۔ اس کی احتیاط رکھنی چاہیے۔ اور جھوٹی قسم تو کبھی بھولے سے بھی نہ کھاؤ۔ سخت گناہ ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ : حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جھوٹی قسم مال کو کھوٹا کر دیتی ہے اور برکت

کو مٹا دیتی ہے۔

ایک دوسری حدیث ہے: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کچھ مال بازار میں رکھا اور اللہ کی قسم کھائی کہ مجھے اتنی قیمت اس کی مل رہی ہے حالانکہ اس قدر قیمت نہ ملتی تھی۔ یہ اُس نے اس واسطے کیا کہ اس میں کسی مسلمان کو پھانس دے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِ اللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۔ الآیہ:۔ ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض میں کچھ دام لیتے ہیں (اُن کا بُرا درجہ ہوگا)

۲۰۱۔ جھگڑالو لوگ:۔ اُس کا گناہ (بہت بڑا ہے) جو کسی جھوٹی بات میں دیدہ و دانستہ (کسی سے) جھگڑا کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿جھگڑا کرنے کی برائی پر دلالت کرتا ہے﴾ ترجمہ:۔ اور وہ (بدکردار) شخص سخت جھگڑالو ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ سب سے زیادہ ناپسند اللہ تعالےٰ کو وہ شخص ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

ایک دوسری حدیث ہے: حضرت اُمِ سلمہ رضؓ زوجۂ نبیؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے اپنے حجرہ کے دروازہ پر کچھ جھگڑے کی آواز سُنی تو آپؐ باہر تشریف لے گئے ﴿اور آپؐ کے سامنے وہ مقدمہ پیش ہوا﴾ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں بھی ایک بشر ہوں اور میرے پاس اہلِ خصومت (یعنی جھگڑا کرنے والے) آتے ہیں۔ تو شاید تم میں ایک شخص باعتبار ﴿یعنی بھروسہ کرنے کے لائق﴾ دوسرے کے زیادہ بلیغ ﴿یعنی جو حسب حال گفتگو کرے جس کی زبان بہت فصیح ہو﴾ تو میں سمجھوں گا کہ اسی نے سچ کہا ہے۔ اور میں اس سبب سے اسی کے موافق فیصلہ کر دیتا ہوں۔ پس اگر میں (بوجہ اپنی لاعلمی کے) کسی کو کسی دوسرے مسلمان کا حق دلا دوں تو (وہ سمجھ لے کہ) یہ دوزخ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اب چاہے لے اور چاہے اُسے چھوڑ دے۔" (صحیح بخاری ج ۱) جو شخص ایسا ہو کہ جب جھگڑا کرے تو گالی بکنے لگے وہ منافق ہے۔

جماعت :۔ معنے گروہ آدمیوں کا۔

۲۰۲۔ جماعت کی تاکید اور فضیلت :- +تاکید معنے بار بار کہنا۔ بات کا مضبوط کرنا۔ + فضیلت معنے بزرگی، بڑائی۔

ہم اس عنوان سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت و بزرگی اور بڑائی کی تعریف بیان کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اس کے یہ بھی تحریر کر رہے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے کی کس قدر تنبیہہ کی گئی ہے اس پر غور کرنا چاہیئے۔

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اصل فضیلت اور برکت حاصل ہونے کے لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا بھی شرط ہے۔ اور اس کی اتنی سخت تاکید ہے کہ جو لوگ غفلت سے یا سستی سے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔ اُن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا تھا کہ: "میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔" (صحیح مسلم)

بس اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جماعت کا چھوڑنا اللہ اور رسول صلعم کو کس قدر ناپسند ہے اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ: "جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب تنہا پڑھنے سے ۲۷ گنا زیادہ ہوتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

واضح رہے کہ جماعت کی یہ تاکید اور فضیلت صرف مردوں کے لیے ہے۔ حدیث شریف میں صاف موجود ہے کہ عورتوں کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے کا ثواب مسجد میں پڑھنے سے زیادہ ملتا ہے۔ (اسلام کیا ہے؟)

قوم معنے گروہ آدمیوں

۲۰۳۔ جب قوم ہدایت پر کان نہ دھرے :- کا + ہدایت معنے رہنمائی۔ راہ دکھانا۔ + کان نہ دھرنا معنے نہ ماننا۔

ہم اس عنوان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس مبارک دعا کا ذکرِ خیر کر رہے ہیں جو آپؐ نے اپنی امت کے لیے خدائے تعالےٰ سے مانگی تھی کہ وہ میری امت (امتِ دعوت ہو یا امتِ اجابت) میں عذابِ عام مسلط نہ فرمائے۔

"سنت اللہ یہ رہی ہے کہ اگر وہ اپنے پیغمبر کو کسی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجے اور قوم اُس کی ہدایت پر کان نہ دھرے تو ضروری نہیں کہ وہ قوم ہلاک ہی کر دی جائے۔ لیکن جو قوم اپنے نبی سے اس وعدہ پر نشان (معجزہ) طلب کرے کہ اگر ان کا مطلوب نشان ظاہر ہو گیا تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے اور پھر وہ ایمان نہ لائے تو اس قوم کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرتا۔ تا آنکہ وہ تائب (توبہ کرنے والا) ہو جائے۔ اور خدا کے دین کو قبول کرے اور یا عذابِ الٰہی سے صفحۂ ہستی سے مٹ کر دوسروں کے لیے عبرت کا سبب بن جائے۔

مگر اس سنت اللہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام رسالت مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ آپؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ میں نے خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ میری امت (اُمتِ دعوت ہو یا اُمتِ اجابت) میں عذابِ عام مسلط نہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور قرآنِ عزیز میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اس تصریح (یعنی ظاہر کرنے) کی یہ کہہ کر تصدیق بھی فرما دی:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ ترجمہ:۔ اے رسول اس حال میں کہ تو ان میں موجود ہے خدائے تعالیٰ (ان کافروں) پر عام عذاب مسلط نہ کرے گا۔"

(قصص القرآن ج ۱)

۲۰۴۔ جب ظلم، سرکشی اور غرور کسی قوم کا مستقل شعار بن جائے۔

ظُلم معنے بے انصافی، سختی کرنا، کسی کا حق کم کرنا۔ + سرکشی معنے نافرمانی، بغاوت + غرور معنے گھمنڈ۔ فریب۔ + شعار معنے نشان۔

یاد رکھیے بلکہ اس بلا سے بچنے کی ہر آن (یعنی ہر وقت) کوشش کیجیے کہ کسی پر سختی و زیادتی یا کسی کے ساتھ بے انصافی کرنا نہایت ہی برا ہے اور اس کا انجام اُس سے بھی بدتر ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ اور اس پر جو عذاب ہوگا۔ اُس سے پناہ مانگیے۔ رہا کسی بھی چیز پر غرور کرنا، گھمنڈ کرنا اس کا انجام تو شیطان

ملعون پر جو ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مردود سے اپنی پناہ عطا فرمائے۔ آمین!

"یہ مہلک غلطی (یعنی ہلاک کرنے والی غلطی) اور نفس کا دھوکا ہے کہ انسان خوش عیشی، رفاہیت (یعنی تن آسانی و فراخ عیشی) اور دنیوی جاہ و حشم (یعنی دنیا میں مرتبہ و عزت اور نوکر چاکر خدمت گار کی بہتات) کو دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے کہ جس قوم یا جس فرد کے پاس یہ سب کچھ موجود ہے۔ وہ ضرور خدائے تعالیٰ کے سائے میں ہے۔ اور یہ کہ ان کی یہ خوش عیشی اس کی علامت ہے کہ خدائے تعالیٰ کی خوشنودی ان کے ساتھ ہے۔

اس دھوکے اور غلطی کی جگہ جگہ یہ تصریح موجود ہے کہ بعض مرتبہ زیادہ سے زیادہ رفاہیت اور خوش عیشی زیادہ سے زیادہ عذاب و ہلاکت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اگرچہ قوموں کے لیے اس کی مدت چند ماہ یا چند سال نہیں بلکہ گھبرا دینے والی مدت ہی کیوں نہ ہو۔ مگر یہ قسم کی دنیوی کامرانیوں اور خوش عیشیوں کے ساتھ ساتھ جب ظلم، سرکشی اور غرور کسی قوم کا مستقل شعار بن جائے تو سمجھو کہ اس کی تباہی و ہلاکت کا وقت قریب آ پہنچا:۔ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ۔ ترے خدا کی پکڑ بہت سخت ہے۔"

(قصص القرآن ج ۱)

۲۰۵۔ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے:

نماز معنے پرستش۔ دعائے شوق۔ فرشتہ معنے خدا کا قاصد نورانی۔ اعلان معنے ظاہر کرنا۔ کھول دینا۔ بتانا۔

آپ روزانہ دن رات میں دیکھتے اور سنتے ہیں کہ جب جب نماز کا وقت شروع ہوتا ہے تو چاروں طرف سے مؤذنوں کے اذان دینے کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اب تھوڑی دیر میں نماز پڑھنے کا وقت آجائے گا۔ اس لیے اس کے لیے ابھی سے تیاری شروع کر دی جائے۔ اسی اعلان کے سلسلے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔ ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ ہم یہاں پر درج کر رہے ہیں:

"حضورؐ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ اے آدم کی اولاد اٹھو اور جہنم کی اس آگ کو جسے تم نے (گناہوں کی بدولت) اپنے اوپر جلانا شروع کر دیا ہے، بجھاؤ۔ چنانچہ (دین دار لوگ) اُٹھتے ہیں وضو کرتے ہیں، ظہر کی نماز پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے اُن کے گناہوں کی (صبح سے ظہر تک کی) مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح پھر عصر کے وقت پھر مغرب کے وقت پھر عشاء کے وقت (غرض ہر نماز کے وقت یہی صورت ہوتی ہے) عشاء کے بعد لوگ سونے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد اندھیرے میں بعض لوگ برائیوں (زناکاری، بدکاری، چوری وغیرہ) کی طرف چل دیتے ہیں، اور بعض لوگ بھلائیوں (نماز وظیفہ ذکر وغیرہ) کی طرف چلنے لگتے ہیں۔" (فضائل نماز)

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو نیکی کی طرف چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۰۶۔ جب کوئی تنگی وضرورت یا حادثہ پیش آئے تو نماز کی طرف رجوع کریں :-

تنگی معنے سکڑا ہوا۔ بھنچا ہوا۔ اصطلاحاً کمی + ضرورت معنے جس کے بغیر کام نہ چلے۔ حاجت۔ + حادثہ معنے واقعہ۔ مصیبت۔ + رجوع معنے پھرنا لوٹنا۔ بازگشت۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس کو ادا کرنے میں خدا اور اُس کا رسول صلعم بہت خوش ہوتے ہیں، دنیا والوں کی نظروں میں بھی ایک نمازی کی بہت قدر و منزلت ہے۔ نمازی ہر وقت پاک وصاف رہتا ہے۔ اور نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جو انسان کو گناہوں سے بچاتی ہے۔ روز اول بھی سب سے پہلے جب آدمی خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس سے پہلا سوال نماز ہی کا ہوگا۔ انسان کے ہر مشکل کام اور ضرورت کو رفع کرنے کے لیے نماز سب سے بڑی مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم اور آپ سب کو پکے اور سچے نمازی بنا دے۔ آمین۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ہماری سب حاجات وضروریات کو پورا فرما دیں۔ اور ہم سے خوش ہو کر اپنے فضل وکرم سے

جنت الفردوس عطا فرماوے ۔ ثم آمین ! روایت یہ ہے کہ "حضرت نضر رضؓ کہتے ہیں کہ دن میں ایک مرتبہ سخت اندھیرا ہوگیا ۔ میں دوڑا ہوا حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے دریافت کیا کہ حضورؐ کے زمانے میں بھی کبھی ایسی نوبت آئی ہے ۔ انھوں نے فرمایا خدا کی پناہ، حضورؐ کے زمانہ میں تو ذرا بھی ہوا تیز چلتی تھی تو ہم سب مسجدوں کو دوڑ جاتے تھے کہ کہیں قیامت تو نہیں آگئی ۔ (ابوداؤد) عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر کسی قسم کی تنگی پیش آتی ۔ تو اُن کو نماز کا حکم فرمایا کرتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے : وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۔ الآیۃ :۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرتے رہیئے اور خود بھی اس کا اہتمام کیجئے، ہم آپ سے روزی کموانا نہیں چاہتے ۔ روزی تو آپ کو ہم دیں گے ۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو کوئی بھی ضرورت پیش آئے ۔ دینی ہو یا دنیوی اس کا تعلق مالک الملک سے ہو یا کسی آدمی سے ۔ اس کو چاہیئے کہ بہت اچھی طرح وضو کرے ۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے ۔ پھر اللہ جل شانہ، کی حمد وثنا کرے اور پھر درود شریف پڑھے ۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھے تو انشاء اللہ اس کی حاجت ضرور پوری ہوگی ۔ دعا یہ ہے :۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ٥

وہبؓ بن منبہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حاجتیں نماز کے ذریعہ طلب کی جاتی ہیں اور پہلے لوگوں کو جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا وہ نماز ہی کی طرف متوجہ ہوتے تھے ۔ جس پر بھی کوئی حادثہ گزرتا وہ جلدی سے نماز کی طرف رجوع کرتا، کہتے ہیں کوفہ میں ایک قلی تھا جس پر لوگوں کو بہت اعتماد تھا ۔ امین ہونے کی وجہ سے

تاجروں کا سامان روپیہ وغیرہ بھی لے جاتا، ایک مرتبہ وہ سفر میں جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک شخص اس کو ملا، پوچھا کہاں کا ارادہ ہے، قلی نے کہا فلاں شہر کا، وہ کہنے لگا مجھے بھی جانا ہے، میں پاؤں چل سکتا تو تیرے ساتھ ہی چلتا کیا یہ ممکن ہے کہ ایک دینار کرایہ پر مجھے خچر پر سوار کرے، قلی نے اس کو منظور کر لیا۔ وہ سوار ہو گیا۔ راستہ میں ایک دو راہہ ملا۔ سوار نے پوچھا کدھر کو چلنا چاہیئے۔ قلی نے شارعِ عام (یعنی سب لوگوں کے چلنے کا راہِ راست) کا راستہ بتایا۔ سوار نے کہا یہ دوسرا راستہ قریب کا ہے اور جانور کے لیے بھی سہولت کا ہے کہ سبزہ اس پر خوب ہے۔ قلی نے کہا میں نے یہ راستہ دیکھا نہیں۔ سوار نے کہا میں بارہا اس راستہ پر چلا ہوں۔ قلی نے کہا اچھی بات ہے۔ اسی راستہ کو چلے۔ تھوڑی دور چل کر وہ راستہ ایک وحشت ناک جنگل پر ختم ہو گیا جہاں بہت سے مردے پڑے تھے۔ وہ شخص سواری سے اُترا اور کمر سے خنجر نکال کر قلی کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ قلی نے کہا ایسا نہ کر یہ خچر اور سامان سب کچھ لے لے۔ یہی تیرا مقصود ہے مجھے قتل نہ کر۔ اس نے نہ مانا۔ اور قسم کھالی کہ پہلے تجھے ماروں گا پھر یہ سب کچھ لوں گا۔ اس نے بہت عاجزی کی مگر اس ظالم نے ایک نہ سُنی اور نہ مانی۔

قلی نے کہا اچھا مجھے دو رکعت آخری نماز پڑھنے دے۔ اس نے قبول کیا اور ہنس کر کہا جلدی سے پڑھ لے۔ ان مُردوں نے بھی یہی درخواست کی تھی مگر ان کی نماز نے کچھ بھی کام نہ دیا۔ اس قلی نے نماز شروع کی۔ الحمد شریف پڑھ کر سورت بھی یاد نہ آئی۔ اُدھر وہ ظالم کھڑا تقاضا کر رہا تھا کہ جلدی ختم کر۔ بے اختیار اس کی زبان پر یہ آیت جاری ہوئی :۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ الآیۃ۔ یہ پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا کہ ایک سوار نمودار ہوا جس کے سر پر چمکتا ہوا خود (لوہے کی ٹوپی) تھا اس نے نیزہ مار کر اس ظالم کو ہلاک کر دیا، جس جگہ وہ ظالم مر کر گرا آگ کے شعلے اس جگہ سے اٹھنے لگے۔ یہ نمازی بے اختیار سجدہ میں گر گیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ نماز کے بعد اس سوار کی طرف دوڑا۔ اس سے پوچھا کہ خدا کے واسطے اتنا بتا دو کہ تم کون

ہو کیسے آئے۔ اس نے کہا کہ میں اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ کا غلام ہوں۔ اب تم مامون ہو جہاں چاہے جاؤ۔ یہ کہہ کر چلا گیا (نزہتہ) درحقیقت نماز ایسی ہی بڑی دولت ہے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ دنیا کے مصائب سے بھی اکثر نجات کا سبب ہوتی ہے۔ اور سکونِ قلب تو حاصل ہوتا ہی ہے۔

ابنِ سیرینؒ کہتے ہیں کہ اگر مجھے جنت کے جانے میں اور دو رکعت نماز پڑھنے میں اختیار دے دیا جائے تو میں دو رکعت ہی کو اختیار کروں گا۔ اس لیے کہ جنت میں جانا میری اپنی خوشی کے واسطے ہے۔ اور دو رکعت نماز میرے مالک کی رضا ہے۔" (فضائل نماز)

۲۰۷۔ جہاد سے فرار ہونا اور مسئلہ تقدیر:۔

جہاد معنے کافروں سے لڑنا۔ فرار معنے بھاگ جانا۔ بھاگنا۔ + تقدیر معنے اندازہ جو خدا نے پہلے سب کا کر لیا ہے۔ مسلمانوں کے لیے جہاد ایک ایسی لڑائی اور معرکہ ہے جس میں فی سبیل اللہ یعنی خدا کی راہ میں اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے کافروں سے لڑنا ضروری ہے۔ یہ مسلمانوں کے لیے ایک امتحان ہے کہ آیا وہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے اپنی جانِ عزیز کی بازی لگاتے ہیں یا اپنی جانِ عزیز کو ہی عزیز سمجھتے ہیں۔ جو اس امتحان میں کامل و مکمل ہو گیا بس وہی سچا اور پکا مسلمان ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول صلعم اُس سے خوش ہوں گے اور اُس کو اپنے دین اسلام کی حفاظت کرنے کا ایک شرفِ خاص عطا ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ مسلمانوں کا امتحان اس لیے کہ کون حکم الٰہی کو جان پر ترجیح دیتا ہے۔ اور کفار کا امتحان یہ کہ اس عقوبت سے متنبہ (یعنی اس عذاب سے آگاہ) ہو کر کون حق کو قبول کرتا ہے۔ پس اس مصلحت کے لیے بھی جہاد مشروع (یعنی جائز) کیا گیا۔

جہاد سے فرار ہونے کے متعلق اللہ جل شانہٗ نے جو وعید (یعنی عذاب کا وعدہ) فرمایا ہے اس کی تفصیل ہم "قصص القرآن" سے اخذ کر کے تحریر کر رہے ہیں۔ اور

اس کے ساتھ ساتھ اپنے تبصرہ سے بھی آپ کی واقفیت میں اضافہ کرنے کی مزید کوشش کریں گے۔

"شریعت محمدیہ میں بھی میدانِ جہاد سے فرار" شرک باللہ کے بعد" سب سے بڑا گناہ شمار ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲) اور حقیقتِ حال بھی یہی ہے کہ خدا پر ایمان لانے کے بعد جبکہ انسان اپنی جان و مال کو اس کے سپرد کر دیتا ہے اور سپردگی ہی کا نام اسلام ہے تو اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ حق نہیں رہتا کہ وہ اس کے حکم کے خلاف جان کو بچانے کی فکر کرے۔ جُبن اور نامردی (یعنی بُزدلی اور حوصلہ نہ ہونا) اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہوتی اور راہِ حق میں شجاعت ہی اسلام کا طغرائے امتیاز (یعنی شرف کی خاص پہچان) ہے۔

اسی لیے جب انسان کا اذعان واعتقاد (یعنی ظاہر اور عقیدہ) اس یقین کو حاصل کرے کہ خیر و شر اور موت و حیات سب خالقِ کائنات کے "قضاء و قدر" کے ہاتھ ہے تو پھر آنِ واحد کے لیے بھی اس کو خیال نہیں آتا کہ وہ خدا کی مقررہ قدر کے متعلق یہ باور کرے کہ اس کا حیلہ خدا کے فیصلے کو رد کر سکتا ہے اور ایک مقام پر اگر اس کی تقدیر نافذ (یعنی جاری ہونے والی) ہے تو دوسرے مقام پر وہ اس کے اثر سے آزاد رہ سکتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں تقدیر کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اپنے اندر یہ یقین پیدا کرلے کہ میرا فرض خدا کے احکام کی تعمیل ہے۔ رہا یہ امر کہ اس ادائے تعمیل میں جان کا خوف یا مال کی تباہی کا ڈر ہے تو یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر قدر کا ہاتھ جان و مال کی ہلاکت کا فوری فیصلہ کر چکا ہے تو دوسرے اسباب پیدا ہو کر عالم تکوین (یعنی وجود میں لانے والے عالم) کے اس فیصلے کو ضرور صادق (سچا) کر دکھائیں گے۔

یہی یقین انسان کو شجاع (جوانمرد) اور بہادر بناتا ہے اور جُبن و نامردی سے دور رکھتا ہے۔ اس کی نظر صرف ادائے فرض پر جم جاتی ہے اور وہ تکوینی فیصلوں کو اپنی دسترس (یعنی پہنچ) سے بالاتر سمجھ کر اُس سے بے نیاز (یعنی بے حاجت، بے خواہش)

ہو جاتا ہے۔

اسلام نے تقدیر کے یہ معنی کبھی نہیں بتلائے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یا ہاتھ پیر توڑ کر اور جدوجہد اور عمل کی زندگی کو چھوڑ کر غیبی مدد کے منتظر ہو بیٹھو۔ اور ادائے فرض کو یہ کہہ کر ترک کر دو کہ تکوینی فیصلہ کے مطابق جو کچھ ہونا ہوگا ہو رہے گا۔ دراصل یہ خیال جُبن اور نامردی کی پیداوار ہے جو ادائے فرض سے روکتا اور تن آسانی کی دعوت دے کر ذلت کے حوالہ کر دیا کرتا ہے۔

ہمارے خیال میں تقدیر کے مسئلہ پر زیادہ نہیں الجھنا چاہیئے۔ بلکہ علماءِ اسلام کا یہ فیصلہ ہے کہ تقدیر پر زیادہ بحث نہ کرنی چاہیئے۔ بس اسی پر عمل کرنا چاہیئے۔ اور یہی ہمارے اور آپ سب کے لیے بہتر اور صحیح راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے مقدرات کو ہمارے حق میں اپنی رحمتِ کاملہ کے ساتھ بہتر و برتر فرما دے۔ آمین۔ ثم آمین۔

اب ہم پھر جہاد کے بارے میں عرض کریں گے:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ:۔ اور اس کی راہ میں جنگ کرو۔ اور چونکہ فریضۂ جہاد سخت جانبازی اور فداکاری کی دعوت دیتا ہے اور موت کے ڈر کو دل سے نکالتا ہے، اس لیے یہ مناسب سمجھا گیا کہ جہاد اور موت و حیات کے فلسفہ پر کچھ روشنی ڈالنا زیادہ بہتر ہے۔

جہاد اگرچہ قوم کے بعض افراد کے لیئے پیغام موت بن کر اُن کو دنیوی لذائذ سے محروم کر دیتا ہے لیکن وہ اُمت و قوم کے لیئے اکسیر حیات ہے اور نظامِ قومی و ملّی کے لیئے بقاء دوام (یعنی باقی و ہمیشگی) کا کفیل اور ساتھ ہی آغوشِ موت میں جانے والے افراد کے لیے فانی اور ناپائدار حیات کے عوض حیاتِ سرمدی (یعنی دائمی زندگی) عطا کرنے والا ہے۔ یہی موت کا وہ فلسفہ ہے جس نے مسلمانوں کی زندگی کو دوسروں قوموں سے اس طرح ممتاز کر دیا تھا کہ خدا کا کلمہ بلند کرنے والا انسان حیاتِ دُنیوی سے اگر شادکام رہا تو غازی (قتل کرنے والا کافروں کا جنگ یعنی لڑائی میں) اور

مُجاہد (یعنی کوشش کرنے والا خدا کی راہ میں) ہے اور اگر موت کا شربت حلق سے اتار لیا تو شہید (یعنی وہ شخص جو راہِ خدا میں بے گناہ قتل ہوا) ہے۔ اسی لیے ارشاد ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ط بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (بقرہ) ترجمہ:۔ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مُردہ نہ کہو بلکہ حقیقی حیات تو اُن ہی کو حاصل ہے لیکن تم اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہو۔

اور اسی لیے اس زندگی سے جان چُرانے والے کے لیئے یہ وعید ہے:

وَمَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰہُ جَھَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ (انفال)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی اُس روز (جہاد کے روز اُن (کافروں) کو اپنی پیٹھ دے گا، سوائے اُس شخص کے جو لڑائی کی جانب واپس آنے والا ہو یا اپنی جماعت میں پناہ تلاش کرنے والا ہو۔ وہ اللہ کے غضب کی طرف لوٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔

اسلام شجاعت کو خلقِ حسن قرار دیتا ہے بزدلی کو اخلاقِ رذیلہ میں شمار کرتا ہے ایک حدیث میں مختلف اعمالِ بد کو شمار کراتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی لغزش اور خطا کی راہ سے ان اعمال کا صدور ممکن ہے لیکن اسلام کے ساتھ جُبْنٌ (بزدلی)، کسی حال میں بھی جمع نہیں ہو سکتی۔ مگر یاد رہے کسی پر بے جا قوت آزمائی کا نام شجاعت نہیں ہے بلکہ امرِ حق پر قائم ہوجانا اور باطل سے بے خوف بن جانا شجاعت ہے۔

واضح رہے کہ جہاد کے معنے اصطلاح میں مذہبی لڑائی کے ہیں نہ کہ وہ لڑائی جو مذہب کے پھیلانے کی خاطر کی جائے اور جس میں منکروں کو تلوار کے زور سے مسلمان کیا جائے۔ بلکہ وہ لڑائی جو مسلمانوں کے امن اور مذہب میں خلل واقع ہونے کے دفعیہ کے واسطے کی جائے۔ ایسی لڑائی میں لڑنا خدا کی راہ میں لڑنا ہے۔ چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری میں ذکر ہو چکا ہے کہ آپ کی سب لڑائیاں مسلمانوں کا مال و جان

اور مذہب بچانے کی خاطر کی گئی تھیں اور مشرکوں کے ساتھ جب عہد و پیمان ہو چکتے تو انھیں کوئی تکلیف نہ دی جاتی تھی۔

۲۰۸۔ جہنم میں گزر کسی کا دُخولاً اور کسی کا عُبوراً ہوگا :- جہنم معنے گہرا کنواں اور نام دوزخ کے پہلے طبقے کا۔ + دُخولاً معنے داخل کرنا۔ + عُبوراً معنے پُل کے پار جانا۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے۔ اور اپنے فضل وکرم سے جہنم کے عذاب سے اپنی پناہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین۔ جس مقام کا نام لیتے ہوئے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور ہو بھی جانے چاہیئں۔ کیا حال ہوگا اُس مقام کا۔ اللہ! بیشک تو بڑا غفور الرحیم ہے۔ ہمارے گناہوں کو بخشش دے۔ ہماری توبہ۔ اے اللہ! اپنے محبوب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ میں ہمیں معاف فرما دے۔ ہم تیرے محبوب صلعم کے اُمتی ہیں۔ ہم پر رحم فرما دے اور ہمیں توفیق عطا فرما دے کہ ہم سب مسلمان تیرے اور تیرے محبوب صلعم کے بتائے ہوئے سیدھے راستہ پر چل سکیں تاکہ صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

اس جہنم سے سب کو گزرنا پڑے گا۔ مومن کو بھی اور کافر کو بھی۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ مریم کے رکوع ۵ کی ایک آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :- "گزر کسی کا دُخولاً کسی کا عبوراً :- جہنم کا وجود ایسا یقینی ہے کہ اس کا معائنہ سب مومن و کافر کو کرایا جائے گا۔ گو صورت اور غرض معائنہ کی مختلف ہوگی۔ کفار کو بطور دخول کے اور تعذیب ابدی کے واسطے۔ {یعنی کفار کو داخل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کی سزا کے واسطے} اور مومنین کو بطور عبور پُل صراط کے اور زیارت شکر اور فرح کے واسطے {یعنی مومنین کو پل صراط سے گذرنے پر اللہ کی بیحد شکر گذاری اور خوشی و شادمانی کے واسطے} اور بعض عُصاۃ (یعنی گنہ گاروں) کو سزائے محدود کے لیے جو کہ تطہیر (یعنی پاک کرنا) ہے۔"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ہم اُس پل صراط کا بھی ذکر کر دیں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ گو ہم اس پل صراط کو عنوان ۱۶۱ بعنوان پلصراط قبل ازیں مکمل طور پر کر چکے ہیں۔ بہر حال نہایت مختصراً تحریر کر رہے ہیں۔ واضح ہو کہ پل صراط دو الفاظ سے مرکب ہے۔ ایک لفظ پل بمعنی وہ گذرگاہ جو کسی دریا پر بناتے ہیں۔ اور دوسرا لفظ صراط بمعنی راہِ راست، سیدھا راستہ، نام ایک پل کا جو دوزخ پر ہوگا۔ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے تیز۔ یہ پلصراط کے لغوی معنی ہیں۔ اب سنیئے پلصراط کی حقیقت کیا ہے اور وہ کہاں پر ہوگا۔ سورۃ الحدید کی آیات کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ہم مختصر کر کے عرض کریں گے۔ کیونکہ یہ عنوان اس سے قبل آچکا ہے۔ "قیامت کے روز جب دوزخ پر پلصراط کے قائم کیئے جانے کا حکم ہوگا اور لوگ اس پر سے گزرنے لگیں گے تو مومن اپنے اپنے اعمال کے موافق تیزی سے عبور کر جائیں گے لیکن اہل کفر و شرک کٹ کٹ کر دوزخ میں گرنے لگیں گے۔ ہر طرف تاریکی محیط ہوگی۔ لیکن اہل ایمان کے آگے آگے اور داہنی طرف ان کا نورِ ایمان ان کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہوگا۔۔۔۔۔"

"دوزخ کے اوپر ایک پل صراط ہے جو بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اس کے آخری سرے پر جنت واقع ہے۔ یوم حساب میں ہر ایک نیک و بد کو حکم ہوگا کہ وہ اس پر سے ہو کر جنت میں جائے۔ اس کی مسافت پندرہ ہزار میل بتلائی گئی ہے۔ چنانچہ جن کے اعمال جس قدر زیادہ بہتر ہوں گے۔ اسی قدر ان کی رفتار تیز ہوگی۔ کوئی بجلی کی طرح سے کوندکر اس مسافت کو طے کرے گا۔ کوئی اونٹ گھوڑے جیسی رفتار سے اس مسافت کو ختم کرے گا۔ کوئی بڑی مشکل سے گرتا پڑتا اس پر سے گذرے گا۔ غرض جیسے جس کے اعمال ہوں گے ویسے ہی اس کی رفتار ہوگی۔ جو منافق و اہل کفر ہوں گے وہ اس دھارے سے زخمی ہو کر جہنم میں جا پڑیں گے۔"

(عقائد الاسلام قاسمی)

۲۰۹۔ جاہلی دور میں اہلِ عرب :۔

جاہلی دَور معنے وہ زمانہ جو مسلمانوں سے پہلے تھا جبکہ لوگ بُت پرستی کرتے تھے۔

اہل عرب جاہلی دور میں سب سے زیادہ توہم پرست تھے۔ نہیں معلوم کتنے بتوں کو یہ لوگ اپنے دیوتا مانتے اور ان کی پرستش کیا کرتے تھے۔ بلکہ یہاں تک تھے کہ ہر ایک خاندان وقبیلہ کا ایک الگ بت ہوتا تھا۔ دوسرے خاندان کا دوسرا بت ہوتا تھا۔

چنانچہ جاہلی دَور میں جب اہل عرب کسی وادی یا خوفناک بیابان سے گزرتے تو کہا کرتے :۔ اَعُوْذُ بِسَیِّدِ ھٰذَا الْوَادِیْ مِنْ سُفَہَآءِ قَوْمِہٖ۔ {میں اس وادی کے سردار اس کی قوم کے بیوقوفوں سے پناہ چاہتا ہوں} اُن کے گمان میں بیابانوں پر جنات کا تسلط تھا۔ اور جنوں کے سردار کی اس لیئے پناہ طلب کرتے تھے کہ اس کے ماتحت بسنے والے جن کچھ اذیت (یعنی دُکھ) نہ پہنچائیں۔ مطلب یہ کہ اس قسم کے رسوم اور اقوال سے آدمیوں نے ان جنات کو اور زیادہ مغرور بنا دیا تھا۔

۲۱۰۔ جنّات کا کلام مجید سُننے کا شوق :۔

جنّات جمع ہے جنّ کی۔ بمعنی بھوت۔ دیو۔ یہ اسم جنس ہے ایک اور ہزار وغیرہ پر بھی اطلاق کر سکتے ہیں جس طرح انسان اسم جنس ہے۔ + کلام مجید معنے خدائے تعالےٰ کا بزرگ کلام۔ + شوق معنے خواہش دل کی۔ کسی چیز کی طرف مشتاق ہونا۔

جنّ ایک مخلوق آگ سے بنائی گئی ہے اور اس کو جِن کہتے ہیں۔ یہ ناری مخلوق بھی بوجہ آگ کی لطافت کے ہم کو دکھائی نہیں دیتی ہے۔ اس مخلوق میں سرکشی ونافرمانی کا مادہ بھی ہے اور اپنے مادہ کی خاصیت کی بنا ءپر ایسا ہونا بھی چاہیئے۔ کیونکہ آگ کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ سر اٹھائے اور سوزش اور جلن کو نتیجہ میں دکھلائے۔ جنوں میں نیک اور بزرگ بھی ہوتے ہیں۔ اور شریر وبد نفس بھی۔ یہ مخلوق بھی

مختلف روپ دھار سکتی ہے۔ انہیں میں ایک جنّ کا نام ابلیس ہے جو انسان کی دشمنی میں اندھا ہو کر رہ گیا ہے اور ہمیشہ نسل آدم کی بیخ کنی میں سرگرداں رہتا ہے ہم نے ابھی ابھی بیان کیا ہے کہ ان میں نیک اور بزرگ بھی ہیں۔ دیکھیے اسی نسل کے جنات کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔

ان ہی کی نسل میں وہ جنات تھے جن کو کلام مجید سننے کا شوق پیدا ہوا۔ قرآن مجید کے پارہ ۲۹ تبٰرکَ الَّذِی سورۂ جِنّ میں تفسیر بیان کی گئی ہے کہ:۔ "جنات نے درخواست کی تھی یارسول اللہ! ہم کو بھی اجازت دیجیے کہ ہم آپؐ کے ساتھ مسجد میں حاضر ہو کر نماز باجماعت ادا کیا کریں۔ (چنانچہ) جنات حضرت سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھتے کہ کس طرح خشوع و خضوع (یعنی عاجزی وخوف) سے اپنے خالق کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر اس کا معجز کلام خلوص دل سے پڑھ رہے ہیں۔ پھر کبھی جھکتے ہیں کبھی اپنے مولیٰ کے آگے پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ اور صحابہؓ ہیں کہ دست بستہ پیچھے کھڑے ہیں اور جس طرح پیشوائے امت کر رہا ہے وہ بھی کرتے جاتے ہیں تو یہ حالت دیکھ کر جنات کلام مجید سننے کے شوق میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ہجوم کرتے تھے اور کچھ پچ ایک دوسرے سے چمٹے جاتے تھے۔"

۲۱۱۔ جبریلؑ اپنی اصلی صورت میں :۔ جبریل یعنی یہ نام ہے ایک فرشتہ کا جو مقرب و مشہور ہے۔

جبرئیل علیہ السلام ہی وہ فرشتے ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی لایا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک آپ اسی کام پر مامور تھے۔ آنحضرت صلعم کے بعد چونکہ آپؐ آخری نبی ہیں اس لیے کوئی نبی اب اس دنیا میں آنے والا نہیں ہے۔ اس لیے وحی الٰہی کا اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنا بند ہو گیا ہے اور اسی لیے اب جبریل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کے پارۂ ۲۷ سورۂ النجم میں ایک تفسیر بیان کرتے ہوئے اس طرح رقم طراز ہیں کہ :- "جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دحیہ کلبیؓ نام ایک صحابی کی شکل میں آیا کرتے تھے۔ جو بہت حسین وجمیل تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے جبریلؑ سے فرمایا کہ میں تمھیں تمھاری اصلی صورت میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حرا میں تھے۔ (نام اُس غار کا جس میں آنحضرت صلعم عبادت کیا کرتے تھے) کہ حضرت جبریل علیہ السلام مطلع آفتاب میں آسمان کے کنارے نمودار ہوئے۔ چھ سو پر تھے اور قد اور جسم اور پَروں نے آسمان کے دونوں کنارے چھپا رکھے تھے۔"

قوّت معنے طاقت، زور۔

۲۱۲۔ جبریل علیہ السّلام کی قوت :-

فرشتوں کی طاقت وقوت کا ہم کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ جبکہ وہ فرشتے ہی ہیں۔ یہ نام ایک مخلوق کا ہے جو نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ بھلا ہم کیسے ایسی مخلوق کی طاقت کو معلوم کر سکتے ہیں۔ نور اور پھر اُس کی طاقت ورفتار اس کا بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہے۔ البتہ ایک تفسیر قرآنی میں جبریل علیہ السلام کی قوت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قوم لوطؑ کی بستیاں ایک بازو پر تحت الثّریٰ (یعنی مراد زیر زمین ہے اس لیے کہ ثریٰ خاک نم ناک کو کہتے ہیں) سے اٹھا کر اُلٹ ماریں۔ اور ایک ہی چنگھاڑ سے قوم ثمودؑ کے جگر پھاڑ دیئے۔"

جماعت معنے گروہ آدمیوں کا۔ +

۲۱۳۔ جماعت حقہ کی پہچان :-

جماعت حقہ معنے اللہ کے سچے پکے ماننے والے یعنی علماء اسلام + پہچان معنے شناخت کرنا۔

یوں تو آپ جن کو پسند کرتے ہیں وہ اچھے ہیں اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ اپنی پسند کے موافق ٹھیک ہی ہوا کرتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ دین کے بارے میں جو لوگ دیندار ہیں، اچھے عمل کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے بھی یہی کوشش کرتے ہیں کہ وہ اچھے ہی

عمل کریں۔ دین اسلام ایسے ہی لوگوں کو اچھے لوگ یا جماعت حقہ کی جماعت کہتا ہے یعنی "جس طبقہ حقہ کی تعلیم سے مسلمان پہ مراتب ایمان و شوکت طے کریں۔ وہ ماانا علیہ واصحابی کے طریقہ پاک پر ہے۔ اور جس طبقہ کی تعلیم سے مسلمان لٹ پٹ کر راہبانہ زندگی بسر کرنے کے خوگر ہو جائیں یا صرف دنیا طلبی کو اپنا مقصود حیات قرار دے کر حرام و حلال تک سے قطع نظر کرلیں وہ طبقہ ماانا علیہ واصحابی کے طریقہ مبارک سے خارج ہے۔ جس سے ملت اسلامیہ کو بچنا لازم ہے۔" (عقائد الاسلام قاسمی)

"چ"

۲۱۴۔ چار مُرغ خلیل:۔ مُرغ معنے ہر پرند جانور منقار وار اُڑنے والا+ منقار معنے چونچ پرند کی۔ یعنی ہر وہ چونچ والا اُڑنے والا جانور جو اپنے پیروں کے ساتھ فضا میں اُڑ سکتا ہو۔+ خلیل معنے سچا دوست اور لقب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا۔

خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جناب باری تعالےٰ کی جناب میں عرض کیا تھا کہ اے میرے پروردگار، مجھ کو دکھلا دیجیے کہ آپ مُردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تم چار پرندے لو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ چار جانور حاصل کیے۔ (۱) کبوتر۔ کوّا۔ مور اور مرغ یعنی خروس (مُرغ گھر کا پلا ہوا) ان چاروں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بموجب حکم خدا ذبح کر کے ان کا گوشت وغیرہ ایک میں ملا کر پہاڑ پر رکھ دیا۔ اور پھر ایک ایک کو بلایا۔ بحکم خدا ہر ایک زندہ ہو کر آپ کے پاس چلا آیا۔

اس واقعہ کو اللہ جلّ جلالہٗ نے قرآن مجید کے پارہ ۳، تلک الرسل سورۃ البقرۃ ع ۳۵ میں ارشاد فرمایا ہے:۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ۔۔۔۔ تا ۔۔۔۔ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ ترجمہ: اور (اس وقت کو یاد کرو) جبکہ ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھلا دیجیے کہ آپ مُردوں

کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ ارشاد فرمایا کیا تم یقین نہیں لائے؟

انھوں نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا و لیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو سکون ہو جاوے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو، پھر ان کو (پال کر) اپنے لیے ہلالو۔ پھر ہر پہاڑ پر ان میں کا ایک ایک حصہ رکھ دو۔ (اور) پھر ان سب کو بلاؤ (دیکھو) تمھارے پاس سب دوڑتے چلے آویں گے۔ اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالےٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

اسی واقعہ کی یعنی آیات مذکورہ کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ "یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے مگر عقلاً اس کی مختلف کیفیتیں ہیں لیکن ان میں سے معلوم نہیں کون سی کیفیت ہو گی۔ اس واقعہ کو دکھلا کر اللہ تعالےٰ نے کیفیت احیاء یوم قیامت کی بتلادی کہ اسی طرح اوّل اجزاء بدنیہ مختلف مقامات سے جمع ہو کر اجساد (جمع جسد یعنی بدن) تیار ہوں گے۔ پھر ان میں روح پڑ جائے گی۔"

احیاء یوم قیامت کا ایک اور واقعہ اسی رکوع میں اللہ تعالےٰ قادرِ مطلق، خالقِ کائنات نے ارشاد فرمایا ہے، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ کی واقفیت کے لیے اس کو بھی کیوں نہ بیان کرتے چلیں۔ یہ ایک بزرگ کا قصہ ہے۔ روح المعانی میں بروایت حاکم حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے اور بروایت اسحٰق بن لبشر حضرت ابن عباسؓ اور عبداللہ رضؓ سے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگ عزیز علیہ السلام ہیں۔ ہم اس واقعہ کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔

"ان کا ایک ایسی لبستی پر گزر ہوا جس کی یعنی پہلے چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں، مراد یہ کہ کسی حادثہ سے وہ بستی بالکل ویران ہو گئی تھی، اور سب آدمی مر مرا گئے تھے۔

یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالےٰ قیامت میں مردوں کو جلادیں گے۔ مگر اس وقت کے جلانے کا جو خیال غالب ہوا تو بوجہ امر عجیب ہونے کے ایک حیرت سی دل پر غالب

ہوگئی۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ ایک کام کو کئی طرح کر سکتے ہیں۔ اس لیے طبیعت اس کی جویاں ہوئی کہ خدا جانے جلانا کس صورت سے ہوگا۔ اللہ تعالےٰ کو منظور ہوا کہ اس کا تماشہ ان کو دنیا ہی میں دکھلا دیں تاکہ ایک نظیر کے واقع ہو جانے سے لوگوں کو زیادہ ہدایت ہو۔

اُن کی حیرت کا جواب اس مجموعی کیفیت سے دینا اس کی وجہ احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ محلِ حیرت یعنی یوم البعث مشتمل ہے چند اجزاء پر اوّل خود زندہ کرنا دوسرے مدت طویل کے بعد زندہ کرنا۔ تیسرے خاص کیفیت سے زندہ کرنا۔ چوتھے اس مدت تک روح کا باقی رکھنا۔ پانچویں بعد بعثت کے برزخ میں رہنے کی مدت معلوم نہ ہونا۔

جزوِ اوّل پر خود اُن کے زندہ کرنے اور اُن کے گدھے میں جان ڈالنے سے دلالت کی گئی اور دوسرے جزو کے اثبات کے لیئے ان کو سَو برس تک مُردہ رکھا تیسرا جزو خود گدھا اُن کے سامنے زندہ کر کے دکھلا دیا۔ چوتھے جزو کا نمونہ طعام و شراب کا باقی رکھنا اور خود اُن کے بدن کا باقی رکھنا دکھلا دیا۔ جو بالاولیٰ امکان بقاء روح پر دال ہے۔ کیونکہ بدن و طعام و شراب بوجہ اشتمال عناصر کے بہ نسبت روح کے تغیر و فساد کے زیادہ قابل ہیں اور پانچویں امر کی نظیر ان کے جواب میں یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہنا ہے۔ جیسا کہ بعینہٖ یہی جواب بعض اہلِ محشر دیں گے۔" (از حضرت تھانوی رح)

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس واقع کی صرف تفسیر بیان کریں گے لیکن دل چاہتا ہے کہ اس تفسیر کی تصدیق کے لیے اُن آیاتِ قرآنی کا بھی درج کر دینا اور اُن کا ترجمہ بیان کرنا ضروری ہے۔ اس لیے ارشاد باری تعالےٰ قرآنِ مبارک سے نقل کرتے ہیں:۔ اَوْ کَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّھِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا ۚ ۔۔۔ تا ۔۔۔۔ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (سورۃ البقرۃ ع ۳)

ترجمہ:۔ یا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے جیسے ایک شخص تھا۔ کہ ایک بستی پر ایسی حالت

میں اس کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے۔ کہنے لگا کہ اے اللہ تعالےٰ اس بستی کے (مُردوں) کو اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے زندہ کریں گے۔ سو اللہ تعالےٰ نے اس شخص کو سو برس تک مُردہ رکھا۔ پھر اس کو زندہ اٹھایا۔ (اور پھر) پوچھا کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا یا ایک دن سے بھی کم، اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو سو برس رہا ہے تو اپنے کھانے (کی چیز) اور پینے کی (چیز) کو دیکھ لے کہ نہیں سڑی گلی اور (دوسرے) اپنے گدھے کی طرف نظر کر اور تا کہ ہم تجھ کو ایک نظیر لوگوں کے لیے بنا دیں۔ اور (اس گدھے کی) ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم اُن کو کس طرح ترکیب دیئے دیتے ہیں۔ پھر اُن پر گوشت چڑھائے دیتے ہیں۔ پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو واضح ہو گئی تو کہہ اٹھا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بیشک، اللہ تعالےٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔"

۲۱۵۔ چار قسم کے آدمی:۔

قِسم معنے حِصہ۔ طرح۔

اعمال کا مدار نیت پر ہے اور نیت خاص اللہ کے لیئے ہونی چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آدمی چار قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) ایک وہ جسے حق تعالےٰ نے مال بھی دیا اور علم بھی دیا۔ اور بمقتضائے علم اس مال کو وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ (۲) دوسرا وہ جو اُس شخص کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر حق تعالےٰ مجھے بھی مال اور علم مرحمت فرمائے تو میں بھی اسی طرح خیرات کروں۔ یہ دونوں شخص اَجر میں مساوی ہیں۔

(۳) تیسرا وہ شخص ہے کہ جس کو صرف مال عطا ہوا۔ اور علم عطا نہیں ہوا۔ اور یہ شخص جہالت کے سبب گڑبڑ مچاتا ہے اور فضول و بے جا مال اُڑا رہا ہے۔

(۴) چوتھا شخص وہ ہے جو اُس کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اگر مجھ کو مال مِل جائے تو میں بھی اسی طرح مزے اڑاؤں اور عیش کروں۔ پس یہ دونوں شخص گناہ میں مساوی اور برابر ہیں۔

دراصل جس کی جیسی نیت ہوگی اُس کو ایسی ہی جزا و سزا ملے گی۔ کیونکہ نیت کے معنی ارادہ و قصد کے ہیں کہ جس سے کسی کام پر قدرت پیدا ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر کام کے لیئے علم کی ضرورت ہوتی ہے اور علم کے بعد اُس کے عمل میں لانے کا قصد و ارادہ ہوتا ہے اور اس کے بعد ہاتھ پاؤں ہلانے اور اُس کام کے کرنے کی قدرت پیدا ہوتی ہے۔ گویا قدرت (یعنی طاقت) قصد و ارادہ کی خادم ہے۔ پس یہی فلسفہ ہے جو نیت، قصد و ارادہ اور قدرت و عمل پر حاوی ہے۔

۲۱۶۔ چالیس دن:۔ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اِخلاص (یعنی نیک نیت) کے ساتھ ایسی طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ (یعنی امام کے ساتھ والی پہلی تکبیر بھی نہ چھوٹ جائے) تو اس کو دو پروانے (یعنی حکم نامے) ملتے ہیں۔ ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارے کا دوسرا نفاق (یعنی بظاہر مسلمان اور دل میں کفر رکھنے) سے بری ہونے کا۔

یعنی جو شخص اس طرح چالیس دن اخلاص سے نماز پڑھے کہ شروع سے امام کے ساتھ شریک ہو اور نماز شروع کرنے کی تکبیر جب امام کہے تو اُسی وقت یہ بھی نماز میں شریک ہو جائے تو وہ شخص نہ جہنم میں داخل ہوگا نہ منافقوں میں داخل ہوگا۔ {منافق وہ کہلاتے ہیں جو اپنے کو مسلمان ظاہر کریں لیکن دل میں کفر رکھتے ہوں} اور چالیس دن کی خصوصیت بظاہر اس لیئے ہے کہ حالات کے تغیر میں چالیس دن کو خاص دخل ہے۔ چنانچہ آدمی کی پیدائش کی ترتیب جس حدیث میں آئی ہے۔ اس میں بھی چالیس دن تک نطفہ رہنا پھر گوشت کا ٹکڑا چالیس دن تک اسی طرح چالیس چالیس دن میں اس کا تغیر ذکر فرمایا ہے۔

اسی وجہ سے صوفیہ کے یہاں چلّہ بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کتنے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کی برسوں بھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوتی"۔ (فضائل نماز)

صُوفی اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو بالوں کا کپڑا پہننے والا ہو، اس لیئے کہ صُوف بمعنی پشم یعنی بال کے ہیں اور فقیروں کے اصطلاح میں صوفی وہ شخص ہے جو اپنے دل

میں خدا کے سوا کسی کا خیال نہ آنے دے اور اپنی خاطر کو آلائشِ دنیا سے پاک و صاف رکھے۔ اور صُوفی بمعنی مخلص بھی ہے۔

چالیسؔ دِن یا چِلّہ اس کی حقیقت ذرا پھر سے ایک مرتبہ سمجھ لیجئے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خدا کا وعدہ تھا کہ جب بنی اسرائیل مصری حکومت کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو تم کو "شریعت" دی جائے گی۔ اب وہ وقت آگیا کہ خدا کا وعدہ پورا ہو۔ اس لیئے حضرت موسیٰؑ وحی الٰہی کے اشارہ سے طور پر پہنچے اور وہاں عبادت الٰہی کے لیئے اعتکاف کیا۔ اس اعتکاف کی مدت ایک مہینہ تھی مگر بعد میں دس دِن اور بڑھا کر چِلّہ پورا کر دیا۔ قولِ باری تعالےٰ ہے:۔ وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۔(اعراف) ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا پھر دس راتیں بڑھا کر اُسے پورا (چِلّہ) کر دیا۔ اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ میعاد چالیس راتوں کی پوری میعاد ہو گئی۔" (قصص القرآن ج ۱)

روحانی ریاضت کے لیئے صوفیائے کرام کی "چِلّہ کشی" غالباً اسی واقعہ سے اخذ کی گئی ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ کسی کام پر استقامت حاصل کرنے کے لیئے عموماً یہ مدت (یعنی چالیس دن) مفید ثابت ہوتی ہے۔

۲۱۷۔ چہل حدیث:۔ چہل معنے چالیس۔ + حدیث معنے خبر، بات، نئی چیز اور ارشاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ ہم یہاں پر اس کا صرف اُردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

"ترجمہ:۔ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ وہ چالیس حدیثیں جن کے بارے میں یہ کہا ہے کہ جو ان کو یاد کرے جنت میں داخل ہوگا وہ کیا ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ (۱) اللہ پر ایمان لاوے۔ یعنی اُس کی ذات و صفات پر۔ (۲) اور آخرت کے دن پر۔ (۳) اور فرشتوں کے

وجود پر (۴) اور پہلی کتابوں پر (۵) اور تمام انبیاء پر (۶) اور مرنے کے بعد دوبارہ زندگی پر (۷) اور تقدیر پر کہ بھلا اور بُرا جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ ہی کی طرف سے ہے (۸) اور گواہی دے تو اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول ہیں۔ (۹) ہر نماز کے وقت کامل وضو کر کے نماز کو قائم کرے۔ [کامل وضو وہ کہلاتا ہے جس میں آداب و مستحبات کی رعایت رکھی گئی ہو۔ اور ہر نماز کے وقت اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نیا وضو ہر نماز کے لیے کرے۔ اگرچہ پہلے سے وضو ہو کہ یہ مستحب ہے۔ اور نماز قائم کرنے سے اس کے تمام سُنن اور مستحبات کا اہتمام کرنا مراد ہے۔ چنانچہ دوسری روایت میں وارد ہے:۔ اِنَّ تَسْوِیَۃَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ (یعنی جماعت میں صفوں کا ہموار کرنا کسی قسم کی کجی یا درمیان میں خلا نہ رہے) یہ بھی نماز قائم کرنے کے مفہوم میں داخل ہے] (۱۰) زکوٰۃ ادا کرے۔ (۱۱) اور رمضان کے روزے رکھے۔ (۱۲) اگر مال ہو تو حج کرے یعنی اگر جانے کی قدرت رکھتا ہو تو حج بھی کرے چونکہ اکثر مانع مال ہی ہوتا ہے اس لیے اسی کو ذکر فرمایا ورنہ مقصود یہ ہے کہ حج کے شرائط پائے جاتے ہوں تو حج کرے (۱۳) بارہ رکعات سنّت مؤکدہ روزانہ ادا کرے، اس کی تفصیل دوسری روایات میں اس طرح آئی ہے کہ صبح سے پہلے دو رکعت، ظہر سے قبل چار، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت، (۱۴) اور وتر کو کسی رات میں نہ چھوڑے، چونکہ وہ واجب ہے، اس لیے اس کو تاکیدی لفظ سے ذکر فرمایا۔ (۱۵) اور اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرے (۱۶) اور والدین کی نافرمانی نہ کرے (۱۷) اور ظلم سے یتیم کا مال نہ کھاوے۔ یعنی اگر کسی وجہ سے یتیم کا مال کھانا جائز ہو جیسا کہ بعض صورتوں میں ہوتا ہے تو مضائقہ نہیں۔ (۱۸) اور شراب نہ پیئے۔ (۱۹) زنا نہ کرے۔ (۲۰) جھوٹی قسم نہ کھاوے۔ (۲۱) جھوٹی گواہی نہ دے۔ (۲۲) خواہشات نفسانیہ پر عمل نہ کرے۔ (۲۳) مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرے (۲۴) عَفِیفہ عورت (یعنی پارسا عورت یا پرہیزگار عورت) پر تہمت نہ لگائے۔ (اسی طرح عفیف مرد کو) (۲۵) اپنے مسلمان بھائی سے کینہ نہ رکھے۔ (۲۶) لہو و لعب میں مشغول نہ ہو۔ (۲۷)

(۲۷) تماشائیوں میں شریک نہ ہو۔ (۲۸) کسی پستہ قد کو عیب کی نیت سے ٹھگنا مت کہو۔ یعنی اگر کوئی عیب دار لفظ ایسا مشہور ہو گیا ہو کہ اس کے کہنے سے نہ عیب سمجھا جاتا ہو۔ نہ عیب کی نیت سے کہا جاتا ہو جیسا کہ کسی کا نام بدھو پڑ جائے تو مضائقہ نہیں لیکن طعن کی غرض سے کسی کو ایسا کہنا جائز نہیں۔ (۲۹) کسی کا مذاق مت اڑا۔ (۳۰) نہ مسلمانوں کے درمیان چغل خوری کر (۳۱) اور ہر حال میں اللہ جل شانہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کر۔ (۳۲) بلا اور مصیبت پر صبر کر۔ (۳۳) اور اللہ کے عذاب سے بے خوف مت ہو۔ (۳۴) اعزا سے قطع تعلق مت کر۔ (۳۵) بلکہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر۔ (۳۶) اللہ کی کسی مخلوق کو لعنت مت کر۔ (۳۷) سبحان اللہ، الحمد للہ، لاالٰہ الا اللہ، اللہ اکبر ان الفاظ کا اکثر ورد رکھا کر۔ (۳۸) جمعہ اور عیدین میں حاضری مت چھوڑ۔ اور اس بات کا یقین رکھ کہ جو کچھ تکلیف و راحت تجھے پہنچی وہ مقدر میں تھی جو ٹلنے والی نہ تھی اور جو کچھ نہیں پہنچا وہ کسی طرح بھی پہنچنے والا نہ تھا۔ (۴۰) اور کلام اللہ شریف کی تلاوت کسی حال میں بھی مت چھوڑ۔

سلمانؓ کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو شخص اس کو یاد کرے اس کو کیا اجر ملے گا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ حق سبحانہ، و تقدس اس کا انبیا اور علماء کے ساتھ حشر فرمائیں گے۔

حق سبحانہ، تعالےٰ ہماری سیئات سے درگزر فرما کر اپنے نیک بندوں میں محض اپنے لطف سے شامل فرمالیں تو اس کی کریمی شان سے کچھ بھی بعید نہیں، پڑھنے والے حضرات سے بڑی ہی لجاجت کے ساتھ استدعا ہے کہ دعائے خیر سے اس گنہگار کی بھی دستگیری فرماویں۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

(فضائل قرآن مجید)

"ح"

۲۱۸۔ حضرت آدمؑ اور عالمِ قدس:-

حضرت معنے کلمہ تعظیم کا بزرگوں کے لیے۔ + آدمؑ معنے نام ہے پہلے

پیغمبر کا جن سے انسان کی نسل چلی۔ + عالَم معنے جو چیز کہ سوائے خدا تعالےٰ کے ہے وہ عالم ہے۔ + قُدس معنے پاکیزگی۔ + عالم قدس معنے پاک و مقدس مقام۔

اس عنوان سے ہم یہاں پر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنا کر اُس میں روح کو داخل فرمایا اور اُن کو زندگی عطا فرمائی تو کس مقام پر آپ کو رہنے کا حکم فرمایا تھا۔

حضرت آدمؑ کے جسم کی بنیاد اس عالم عنصری سے قائم تھی جیسا کہ احادیث صحیحہ و آثارِ قدیمہ سے ثابت ہے اور نیز یہ کہ وہ مکہ اور طائف کے درمیان بنائی گئی ہے۔ اس مقام پر چند امور قابلِ غور ہیں۔ یہ کہ خدائے تعالےٰ نے آدمؑ کو پیدا کر کے کون سی جنت میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ جمہور اہل سنت و جماعت کا یہ قول ہے کہ بہشت میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ بنی آدم کے مخلوق ہونے سے پہلے قائم ہے۔ کیونکہ وہ لد!   کا منظہر ہے۔ اور عالم حسیّ سے الگ ہے۔ اور وہاں اُس کے مناسب درخت اور میوے سب کچھ ہیں۔ نہ یہ درخت و میوے کہ جو جسمانیت و تکدّرُ (یعنی، مکدر ہونے، گدلا ہونے) سے آلودہ ہیں۔

پس قرینِ قیاس (یعنی اندازہ کے قریب) ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو عالم قدس میں چند روز کے لیے اس لیے لے جا کر رکھا کہ زمین کی خلافت میں ایسا مست و مدہوش نہ ہو جائے کہ اُدھر کا خیال نہ آئے اور اسی مرکز اصلی کو بھول جائے۔ بلکہ اس عالم میں اُس عالم کے شوق میں ہر دم ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہے۔ اور وہ اور اس کی ذرّیت {یعنی نسل۔ اولاد} اس عالم کے خیال میں ہر طرح کی نیکی کو عمل میں لاویں۔ دنیا اور اس کے مال و زر کی کچھ وقعت آنکھوں میں نہ رہے۔ اپنے آپ کو مسافر تیز رو جانیں۔ کیونکہ اگر یہ مضمون پیشِ نظر نہیں تو پھر صدہا فساد اور خونریزیاں زمین پر ہوتیں۔ خلافت کا نتیجہ حاصل نہ ہوتا۔

مگر اس جگہ خدا نے اپنی قدرت سے ایک درخت ایسا پیدا کیا تھا جس کی تاثیر آلودگی تھی۔ اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اس عالم میں نباتات کی عجائب تاثیرات ہیں۔

قضا وقدر میں آدمؑ کا زمین پر آنا اور اس کی اولاد سے زمین کا آباد ہونا لکھا تھا۔ کھالیا۔ اُس کی تاثیر سے نکالے گئے۔ معتوب ہو گئے۔ (تفسیر حقانیؒ)

۲۱۹۔ حکمت کا علم :- حکمت معنے دانائی۔ عقل مندی۔ + علم معنے جاننا۔ آگاہ ہونا اور عقل۔

"اہل علم نے لکھا ہے کہ" حکمت "علم کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اور فقیہ (عالم دانا۔ علم فقہ کے جاننے والے) کا اصل مقام یہی ہے۔ کیوں کہ بندہ جب اس مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو عامۃ الناس کے لیے "دین و شریعت" کو بہت سہل انداز میں بیان کرتا ہے۔

قرآن کریم میں اس کی تعریف و توصیف اس طرح بیان ہوئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے: وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۔ ترجمہ: اور جو شخص حکمت عطا کیا گیا وہ بڑی خیر سے نواز دیا گیا۔

ابن زیدؒ نے حکمت کے یہ معنے بیان کیے :- "الحکمۃ" العقل فی الدین (قرطبی) یعنی دین کی فہم حکمت ہے۔

حضرت ابراہیم النخعیؒ اس کے معنی بیان فرماتے ہیں :- "الحکمۃ" الفہم القرآن قرآن مجید کا فہم حکمت ہے۔

آیات بالا میں "الحکمۃ" کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب مظہریؒ ارقام فرماتے ہیں:-

ای العلم النافع علی ما ھو فی نفس الامر الموصل الی رضاء اللہ تعالیٰ والعمل بہ وذالک لا یتصور الا بالوحی فھو الانبیاء اصالۃً ولغیرھم وراثۃً۔

ترجمہ:- "حکمت" وہ علم جو نافع ہو۔ اور نفس الامر کے اعتبار سے خدائے تعالیٰ کی رضا تک پہنچا دیتا ہو۔ اور بغیر وحی کے ان کا حصول ممکن نہیں۔ پس وہ علم اصالۃً انبیاء کرام کو عطا ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو وراثت میں نبیؐ سے حاصل ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ الانوار)

۲۲۰۔ حضرات صحابہؓ اور سنت :- حضرات جمع ہے حضرت کی بمعنی کلمہ بزرگی

وتعظیم بڑوں کی کے لیئے۔ + صحابہؓ معنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست۔
بیشک اصحابِ رسول صلعم آپؐ کے ہر عمل وکردار بلکہ آپؐ کے اشارہ پر اپنی جان عزیز کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد بھی حضرات صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وافعال پر عملی زندگی کو قائم کیا۔ "مشکوٰۃ الانوار" میں مذکور ہے کہ:۔ ہم یہاں پر صرف اُردو ترجمہ پر اکتفا کریں گے:۔
"حضرات صحابہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اشاروں پر عمل کرنے والے اور آپؐ کے فرمان پر مر مٹ جانے والے تھے۔ اور آپؐ کی سُنتوں کو گو حرزِ جان (یعنی جان کی پناہ کی جگہ) بنائے ہوئے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد حضراتِ صحابہؓ نے بدرجۂ کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور افعال پر عملی زندگی کو قائم کیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی بابت آتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی مسئلہ درپیش آتا تو کتاب اللہ میں نظر کرتے۔ پس اگر اس میں حکم مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے اور اگر کتاب اللہ میں اس کا حکم نہ ملتا تو سنت رسول اللہ میں اس کا حکم تلاش کرتے اگر سنت میں اس کے لیے کوئی فیصلہ مل جاتا تو فیصلہ کر دیتے۔ اور اگر اس میں کوئی فیصلہ نہ پاتے تو لوگوں سے (یعنی صحابہؓ سے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی تحقیق کرتے۔ بسا اوقات بعض حضرات خبر دیتے کہ آپؐ نے اس بات پر یہ فیصلہ فرمایا تھا۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ سنتے تو بہت خوش ہوتے اور فرطِ مسرت سے خدا کی حمد وثنا کرتے اور یہ جملہ ادا کرتے تھے: الحمدُ للہِ الّذی جعل فینا من یحفظ علی سنن نبیّنا۔: ترجمہ:۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے ایسے لوگوں کو باقی رکھا جن میں ہمارے نبیؐ کی سنتیں محفوظ ہیں۔
مسند دارمیؒ میں اسی کے قریب قریب ایک روایت ہے جس کے آخر میں اس طرح ہے: "اخوج فسائل المسلمون" یعنی اگر سنت میں بھی اس کے لیئے کوئی حکم نہیں ہے تو مسلمانوں سے اس باب میں مشورہ لیتے اور دریافت کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ قرآنِ کریم کی فہم کے لئے سنت کو بنیاد قرار دیتے تھے : ترجمہ :۔
عنقریب ایسی جماعت پیدا ہوگی جو تم لوگوں سے قرآن کے مشتبہات میں بحث کرے گی، پس تم اُن سنتوں کے ذریعہ حجت قائم کرنا۔ اصحاب سنن کتاب اللہ کو خوب جانتے ہیں۔

سنت کی اہمیت کے پیشِ نظر گورنروں کے فرائض میں سنت کی تبلیغ کو داخل کیا۔
اِنّما ابعث لیبلغونکم دینکم وسنۃ نبیکم :۔ میں گورنروں کو اس لیے تمھارے پاس بھیجتا ہوں تاکہ وہ تم کو تمھارا دین اور تمھارے نبی کی سنتوں کو پہنچائیں۔

حضرات صحابہؓ کے دورِ سعید سے بعد تک تمام اسلاف اس پر متفق رہے کہ قرآنِ کریم کو بغیر سنت کے سمجھنا ممکن نہیں۔ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تفسیر اور اس کا بیان ہے۔ خود قرآن نے اس کی شہادت متعدد مقامات پر دی ہے :۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (النحل ع ۶)

ترجمہ :۔ اور ہم نے آپؐ پر قرآن نازل کیا تاکہ نازل کردہ تعلیم کو لوگوں پر واضح کردیں اور تاکہ وہ لوگ غور و فکر کریں۔

قال تعالٰی :۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ (النساء ع ۱۶) ترجمہ :۔ بے شک نازل کیا ہم نے آپؐ پر قرآن کریم کو سچائی کے ساتھ تاکہ فیصلہ کردیں آپؐ لوگوں کے درمیان اسی کے مطابق جیسا کہ اللہ تعالٰی نے بتلادیا ہے۔

ارشادِ باری تعالٰی ہے :۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ (المائدہ ع ۱۰) ترجمہ :۔ اے رسولؐ جو کچھ آپؐ پر آپؐ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ آپؐ اس کی تبلیغ کیجیے۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی متعدد آیات اسی نوع کی قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ارشاداتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مضامین

اور اس کی مراد و مفہوم کو ہی واضح کرتے ہیں

۲۲۱ حضرت حوّا علیہا السّلام کی پیدائش اور اُن کے نام کی وجہ تسمیہ:۔

حوّا معنے نام حضرت آدم علیہ السلام کی بی بی کا۔ + وجہ تسمیہ معنے نام رکھنے کی وجہ۔
ہم کتاب ہٰذا کے حصہ اوّل میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق تفصیل کے ساتھ عرض کر چکے ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ حضرت حوّا علیہا السلام کی پیدائش کے بارے میں اور اُن کے مبارک نام کی وجہ تسمیہ بھی تحریر کی جانی چاہیئے۔ چنانچہ "قصص القرآن ج اول" سے اخذ کر کے تحریر کرتے ہیں۔

"حوّا کی پیدائش کس طرح ہوئی؟ قرآنِ عزیز میں اس کے متعلق صرف اسی قدر مذکور ہے:۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا: اور اس "نفس" سے اس جوڑے کو پیدا کیا۔
یہ نظم قرآنی حوّا کی پیدائش کی حقیقت کی تفصیل نہیں بتاتی۔ اس لیے دونوں احتمال (یعنی گمان) ہو سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ حوّا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہوں جیسا کہ مشہور ہے۔ اور بائیبل میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالٰی نے نسل انسانی کو اس طرح پیدا کیا کہ مرد کے ساتھ اسی کی جنس سے ایک دوسری مخلوق بھی بنائی جس کو عورت کہا جاتا ہے اور مرد کی رفیقہ حیات بنتی ہے۔
آیت کی تفسیر میں محققین کی رائے اس دوسری تفسیر کی جانب مائل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآنِ عزیز صرف حضرت حوّا کی تخلیق کا ذکر نہیں کر رہا ہے بلکہ عورت کی تخلیق کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے کہ وہ بھی مرد ہی کی جنس سے ہے اور اسی طرح مخلوق ہوئی ہے۔ البتہ بخاری و مسلم کی روایتوں میں یہ ضرور آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں: استوصوا بالنساء فان المرأة خلقت من ضلع (الحدیث) عورتوں کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی سے پیش آؤ۔ اس لیے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔
اس کا مطلب ابن اسحٰق نے تو یہ روایت کیا ہے کہ حوّا آدم کی بائیں پسلی سے

پیدا کی گئیں۔ مگر ابن اسحٰق ؒ سے زیادہ محقق اور نقاد علامہ قرطبی ؒ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ دراصل عورت کو پسلی سے تَشْبِیہ (یعنی مشابہ اور ہم شکل کرنا) دی گئی ہے اور بتایا ہے کہ عورت کی خلقت کی ابتدا پسلی سے کی گئی ہے۔ اس کا حال پسلی ہی کی طرح ہے۔ اگر اس کی کجی (یعنی ٹیڑھا پن) کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی تو جس طرح پسلی کے ترچھے پن کے باوجود اس سے کام لیا جاتا ہے اور اس کے خم کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔ اسی طرح عورتوں کے ساتھ نرمی و رِفق (یعنی مہربانی) کا معاملہ کرنا چاہیے۔ ورنہ سختی کے برتاؤ سے خوش گواری کی جگہ تعلق کی شکست و ریخت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

حضرت حوا علیہا السلام کے مبارک نام کی وجہ تسمیہ اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ حوّا اس لیئے نام پڑا کہ وہ ہر "انسانِ حی" (یعنی زندہ انسان) کی ماں ہیں اور مبالغہ کا صیغہ بنا کر اُن کا نام "حوّا" رکھ دیا گیا۔

۲۲۲۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش اور اُن کے نام کی وجہ تسمیہ

اسمٰعیل ؑ نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند ارجمند پہلے بیٹے کا جو حضرت ہاجرہ علیہ السلام سے پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش اور آپ کے نام کے متعلق توراۃ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی خدائے تعالےٰ کی بارگاہ میں فرزند کے لیے دعا کی تھی۔ مذکور ہے کہ:۔

"حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ابھی تک اولاد سے محروم تھے۔ اور ان کے گھر کا مالک ایک خانہ زاد العیزر دمشقی تھا۔ ایک روز ابراہیم (علیہ السلام) نے خدائے تعالےٰ کی بارگاہ میں فرزند کے لیے دعا کی، اور اللہ تعالےٰ نے اُن کی دعا کو قبول فرمالیا اور اُن کو تسلّی دی۔"

ابراہیم نے کہا کہ اے خداوند! تو مجھ کو کیا دے گا۔ مَیں تو بے اولاد جاتا ہوں۔

اور میرے گھر کا مختار الیعزر ہے۔ پھر ابرآم نے کہا کہ تو نے مجھے فرزند نہ دیا۔ اور دیکھ میرا خانہ زاد میرا وارث ہوگا۔ تب خداوند کا کلام اُس پر اُترا اور اُس نے کہا کہ یہ تیرا وارث نہیں ہونے کا بلکہ جو تیری صلب سے پیدا ہوا ہو وہی تیرا وارث ہوگا۔" (توراۃ پیدائش باب ۱۵ آیت ۲-۴)

اور یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چھوٹی بی بی ہاجرہؓ حاملہ ہوئیں۔

"اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی۔" (توراۃ پیدائش باب ۱۶ آیت ۴)

حضرت ہاجرہ جس مقام پر فرشتہ سے ہم کلام ہوئیں اس جگہ ایک کنواں تھا۔ ہاجرہؓ نے یادگار کے طور پر اُس کا نام "زندہ نظر آنے والے کا کنواں" رکھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ہاجرہ کے بیٹا پیدا ہوا۔ اور اس کی بشارت (خوش خبری) کے مطابق اس کا نام اسمٰعیلؑ رکھا گیا۔

"اور ہاجرہؓ ابرآم کے لیے بیٹا جنی اور ابرآم نے اپنے اُس بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا اور جب ابرآم کے لیے ہاجرہؓ سے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرآم چھیاسی برس کا تھا۔" (توراۃ پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۵-۱۶)

"اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔" (پیدائش باب ۱۷ آیت ۱۸) اور اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا یہ جواب دیا۔

"اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سُنی، دیکھ میں برکت دوں گا، اور اُسے برومند کروں گا، اور اس کو بہت بڑھاؤں گا، اور اس کے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُس کو بڑی قوم بناؤں گا۔" (پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰)

اسمٰعیل، "اسمع" اور "ایل" دو لفظوں سے مرکب ہے۔ عبرانی میں "ایل" اللہ کے مرادف ہے۔ (یعنی ہم معنی ہے) اور عربی کے اسمع اور عبرانی کے شماع کے معنی ہیں "سُن"، چونکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا سُن لی اور ہاجرہ کو فرشتہ سے بشارت ملی اس

لئے اُن کا نام یہ رکھا گیا۔ عبرانی میں اس کا تلفظ "شماع ایل" ہے۔ (قصص القرآن ج ۱)

۲۲۳۔ حضرت اسحاق علیہ السّلام کی پیدائش اور اُن کے نام کی وجہ تسمیہ :۔

اسحاقؑ معنے نام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند کا جو پیغمبر بھی تھے۔

اللہ تبارک و تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی خوش خبری اسی طرح عطا فرمائی تھی جیسے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت فرشتہ کے ذریعہ سے عطا فرمائی تھی۔ آپ کے بارے میں قرآنِ مبارک اور توراۃ دونوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمدؐ حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں قصص القرآن ج ۱ میں ہے کہ :۔

"حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی عمر سّو سال کی ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے ان کو بشارت سنائی کہ سارہ کے بطن سے بھی تیرے ایک بیٹا ہوگا اس کا نام اسحٰق رکھنا۔

"اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ تیری جورو سرّی جو ہے اُس کو سرّی مت کہا کر بلکہ اس کا نام سرہ ہے، اور میں اُسے برکت دوں گا۔ اور اُس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اُسے برکت دوں گا کہ وہ قوموں کی ماں ہوگی، اور ملکوں کے بادشاہ اُس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابراہام منہ کے بل گرا اور ہنس کے دل میں کہا کہ کیا سو برس کے مرد کو بیٹا پیدا ہوگا اور کیا سارہ جو نوّے برس کی ہے بیٹا جنے گی؟ اور ابراہیمؑ نے خدا سے کہا کہ کاش اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے۔ تب خدا نے کہا کہ بے شک تیری جورو سرہ تیرے لیے بیٹا جنے گی تو اُس کا نام اسحٰق رکھنا۔" (باب ۱۷، آیت ۱۵ تا ۱۹)

اور قرآنِ عزیز میں ہے :۔

قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ○ قَالُوْا بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقَانِطِیْنَ ○ قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَۃِ رَبِّہٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ○ (سورۂ ابراہیم) ترجمہ :۔ ابراہیمؑ نے کہا مجھ کو تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ فرشتوں نے کہا ہم سے نہ ڈر بلاشبہ ہم تجھ کو ایک سمجھ دار لڑکے کی بشارت دینے آئے ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کیا تم مجھ کو اس بڑھاپا آجانے پر بھی بشارت دیتے ہو۔ یہ کیسی بشارت دے رہے ہو۔؟ فرشتوں نے کہا ہم تجھ کو حق بات کی بشارت دے رہے ہیں پس تو نا اُمید ہونے والوں میں سے نہ ہو، ابراہیمؑ نے کہا اور نہیں نا امید ہوتے اپنے پروردگار کی رحمت سے مگر گمراہ۔

اسحٰق اصل تلفظ کے اعتبار سے "یصحق" ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ "یضحک" (ہنستا ہے) ہوتا ہے۔

خدا کے فرشتوں نے جب حضرت ابراہیمؑ کو سّو برس اور حضرت سارہؓ کو نوّے سال کے سن میں بیٹا ہونے کی بشارت دی تھی تو حضرت ابراہیمؑ نے اچنبھا سمجھا تھا۔ اور حضرت سارہؓ کو بھی یہ سُن کر ہنسی آگئی تھی۔ اس لیے اُن کا یہ نام تجویز ہوا۔ یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ ان کی پیدائش حضرت سارہؓ کی مسرت و شادمانی کا باعث ہوئی۔"

عربی قاعدہ سے "یصحق" مضارع کا صیغہ ہے۔ اہلِ عرب کا ہمیشہ سے ہی یہ دستور رہا ہے کہ وہ مضارع کے صیغوں کو بھی بطور نام کے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ یعرب، یملک جیسے نام عرب میں معروف و مشہور ہیں۔

۲۲۴۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اور اُن کے نام کی وجہ تسمیہ :۔

موسیٰؑ معنے نام ہے ایک پیغمبر کا جن کو اللہ تبارک وتعالےٰ نے بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا تھا۔ اور جنھوں نے فرعونِ مصر کو بحکم الٰہی دعوتِ حق پیش کی تھی۔ عصائے موسیٰؑ کا معجزہ اللہ جل جلالہٗ نے ان ہی کو عطا فرمایا تھا۔

"حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا نسب چند واسطوں سے حضرت یعقوب علیہ السلام

تک پہنچتا ہے۔ ان کے والد کا نام عمرآن اور والدہ کا نام یوکابد تھا۔ باپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :-

• عمرآن بن قاہت بن لاوی بن یعقوب (علیہ السلام) اور حضرت ہارون (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے حقیقی اور بڑے بھائی تھے۔

عمرآن کے گھر میں موسیٰ (علیہ السّلام) کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جبکہ فرعون اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لیئے ان کی والدہ اور اہلِ خاندان اُن کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ بچہ کو کس طرح قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھیں ؟ بہر حال جوں توں کر کے تین مہینہ تک اُن کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور اُن کی پیدائش کی مطلق کسی کو خبر نہ ہوئی۔ لیکن جاسوسوں کی دیکھ بھال اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ دیر تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع نہ ہو سکی اور اس لیے، اُن کی والدہ سخت پریشان رہنے لگیں۔

اس سخت اور نازک وقت میں آخر خدائے قدوس نے مدد کی اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کے دل میں یہ اِلقاء کیا (یعنی دل پر یہ بات ڈالی) کہ تابوت کی طرح کا صندوق بناؤ جس پر راآل اور روغن کی پالش کرو تاکہ پانی اندر اثر نہ کر سکے اور اس میں اس بچہ کو محفوظ رکھ دو، اور پھر اس صندوق کو نیل کے بہاؤ پر چھوڑ دو۔ (خروج ۲ آیت۔۲)

موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے ایسا ہی کیا، اور ساتھ ہی اپنی بڑی لڑکی موسیٰ (علیہ السّلام) کی ہمشیرہ کو مامور کیا کہ وہ اس صندوق کے بہاؤ کے ساتھ کنارے کنارے چل کر صندوق کو نگاہ میں رکھے اور دیکھے کہ خدا اس کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا کرتا ہے۔ کیونکہ موسیٰ (علیہ السّلام) کی والدہ کو خدائے تعالےٰ نے یہ بشارت (خوش خبری) پہلے ہی سنا دی تھی کہ ہم اس بچہ کو تیری ہی جانب واپس کر دیں گے اور یہ ہمارا پیغمبر اور رسول ہوگا۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی ہمشیرہ برابر صندوق کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ کنارے

کنارے نگہداشت کرتی جارہی تھیں کہ انھوں نے دیکھا کہ صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارے آلگا اور فرعون کے گھرانے میں سے ایک عورت نے اپنے خادموں کے ذریعہ سے اُس کو اٹھوالیا اور شاہی محل میں لے گئی، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی ہمشیرہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور حالات کی صحیح تفصیل معلوم کرنے کے لیئے شاہی محل کی خادماؤں میں شامل ہو گئیں۔

قرآنِ عزیز نے اس شاہی خاندان کی عورت کو فرعون کی بیوی بتایا ہے اور توراۃ کے حصہ "خروج" میں اس کو فرعون کی بیٹی کہا ہے مگر مؤرخین اس اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے، اور کہتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ پانی میں بہتے ہوئے صندوق کو فرعون کی بیٹی نے اٹھایا ہو اور پھر بیٹا بنانے کی آرزو، اور فرعون سے اس بچہ کے قتل نہ کرنے اور خود پالنے کی خواہش کا اظہار اور فرعون سے سفارش فرعون کی بیوی (آسیہ) نے کی ہو۔

قرآنِ کریم کے اسلوب بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اُس نے موسیٰ (علیہ السلام) کو دریا سے نکالنے والے کے متعلق کہا ہے۔ "فالتقطه آل فرعون" (اس کو اٹھایا فرعون کے گھر والوں نے) اور بیٹا بنانے کی آرزو اور اس کے قتل نہ کرنے کی سفارش کرنے والے کے متعلق فرمایا "وقالت امراۃ فرعون" (اور فرعون کی بیوی نے کہا)۔ حضرت ابن عباس سے یہی منقول ہے۔ (روح المعانی جلد ۲۰ سورۂ قصص)۔

بہر حال فرعون کے گھر والوں نے جب صندوق کھولا تو دیکھا کہ ایک حسین اور تندرست بچہ آرام سے لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا ہے۔ فرعون کی بیٹی فوراً اس کو محل میں لے گئی۔ فرعون کی بیوی نے بچہ کو دیکھا تو باغ باغ ہو گئی اور انتہائی محبت سے اس کو پیار کیا۔ محل کے شاگرد پیشہ میں سے کسی نے کہا یہ تو اسرائیلی معلوم ہوتا ہے اور ہمارے دشمنوں کے خاندان کا بچہ ہے اس کا قتل کر دینا ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی ہمارے بادشاہ کے خواب کی تعبیر ثابت ہو؟ اس بات کو سن

کہ فرعون کو بھی خیال پیدا ہوا۔ فرعون کی بیوی نے شوہر کے تیور دیکھے تو کہنے لگی کہ ایسے پیارے بچہ کو قتل نہ کرو۔ کیا عجب کہ یہ میرے اور تیرے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنا لیں اور ہمارے لیے اس کا وجود نفع بخش ثابت ہو۔ یعنی اگر یہ وہی اسرائیلی بچہ ثابت ہو جو تیرے خواب کی تعبیر بننے والا ہے تو ہماری محبت اور آغوشِ تربیت شاید اس کو مضر ہونے کے بجائے مفید ثابت کر دے۔

مگر فرعون اور اُس کے خاندان کو یہ کیا معلوم کہ خدا کی تقدیر ان پر ہنس رہی ہے کہ رب العالمین کی کرشمہ سازی دیکھو کہ تم اپنی نادانی اور بے خبری میں اپنے دشمن کی پرورش پر نگراں مقرر کیے گئے ہو۔

غرض اب یہ سوال پیدا ہوا کہ بچہ کے لیے دودھ پلائی مقرر کی جائے، مگر خدائے تعالٰی نے موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ سے کیے گئے وعدہ کو پورا کرنے کے لیے بچہ کی طبیعت میں یہ بات پیدا کر دی کہ وہ کسی عورت کے پستان کو منہ ہی نہیں لگاتا۔ شاہی دایہ تھک کر بیٹھ گئی مگر موسیٰ (علیہ السلام) نے کسی ایک پستان سے بھی دودھ نہ پیا۔ یہ سارا حال موسیٰ (علیہ السلام) کی ہمشیرہ "مریم" دیکھ رہی تھیں۔ کہنے لگیں اگر اجازت ہو تو میں ایک ایسی دایہ کا پتہ بتاؤں جو نہایت نیک اور اس خدمت کے لیے بہت موزوں ہے۔ بلکہ حکم ہو تو میں خود اس کو ساتھ لے کر آؤں؟ فرعون کی بیوی نے دایہ کو لانے کا حکم دے دیا اور موسیٰ (علیہ السلام) کی ہمشیرہ خوش خوش گھر کو روانہ ہوئیں کہ والدہ کو لے کر آئیں۔

یہاں یہ گفتگو ہو رہی تھی اور موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ کا اُدھر بُرا حال تھا۔ ایک الہامی خیال سے بچہ کو سپردِ دریا تو کر آئیں مگر ماں کی مامتا نے زور کیا۔ اور بے چین ہو کر اس پر آمادہ ہو گئیں کہ اپنے اس راز کو افشا کر دیں۔ اسی اضطراب اور بے چینی کی حالت میں خدائے تعالٰی نے اُن پر اپنے فضل و کرم کی بارش کی اور اُن کے قلب میں اطمینان و سکون نازل کیا۔ اب لطیفۂ غیبی کے انتظار میں چشم براہ تھیں کہ لڑکی نے آکر پوری داستان کہہ سنائی اور بتایا کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے

کسی دایہ کا بھی دودھ نہ پیا تو میں نے کہا اسرائیلی قبیلہ میں ایک نہایت شریف اور نیک عورت ہے وہ اس بچہ کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کر سکتی ہے۔ فرعون کی بیوی نے یہ سُن کر مجھ کو حکم دیا ہے کہ فوراً آپ کو لے کر آؤں۔ یہ ہم پر خدا کا بڑا احسان اور فضل و کرم ہوا۔ اب تم چل کر اپنے بچہ کو سینے سے لگاؤ اور آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اور اُس کا شکر ادا کرو کہ اُس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

توراۃ کا یہ بیان کہ جب موسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ نے موسیٰ (علیہ السلام) کا دودھ چھڑایا تو انھوں نے اُن کو فرعون کی بیٹی کے سپرد کر دیا۔ اور اس کے بعد عرصہ تک وہ شاہی محل میں زیر تربیت رہے اور وہیں نشو ونما پائی۔ مگر توراۃ کا یہ کہنا واقعہ کے بالکل خلاف ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) فرعون کی لڑکی کے بیٹے تھے۔

"جب لڑکا بڑھا وہ اُسے فرعون کی بیٹی پاس لائی اور وہ اس کا بیٹا ٹھہرا۔ اور اُس نے اس کا نام موسیٰ (عبرانی موشی) رکھا اور کہا اس سبب سے کہ میں نے اُسے پانی سے نکالا۔" (ماخوذ از قصص القرآن) (خروج باب ۱ آیت ۱۰)

اس طرح موسیٰ علیہ السلام کا نام نامی موسیٰ۔ رکھا گیا۔ اور یہی آپ کی پیدائش اور نام کا بیان ہے۔ لیکن لغوی اعتبار سے اس کی مزید تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے: موسیٰ (علیہ السلام) نام ہے ایک پیغمبر کا جو بہت مشہور ہیں۔ اس معنی میں یہ لفظ مرکب ہے موسیٰ سے جو زبان سریانی میں تابوت کو کہتے ہیں اور سا جو زبان سریانی میں پانی کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ کی والدہ نے بہ خوف فرعون آپ کو تابوت میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا تھا اور فرعون نے مع تابوت دریائے مذکور سے نکالا تھا اس لیے یہ نام رکھا گیا۔

۲۲۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کے مہر:۔

نکاح معنے شادی کرنا + مہر معنے وہ روپیہ یا جنس جو عورت کو عوض نکاح کے خاوند دیتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) قبیلہ مدین کے بزرگ (یعنی حضرت شعیبؑ)

کی بکریوں کو پانی پلانے میں اُن کی مدد کر چکے تو لڑکیاں خوشی خوشی اپنی بکریوں کو لے کر سویرے ہی اپنے گھر واپس آگئیں۔ اُن کے باپ نے اُن سے جلدی واپس آنے کا سبب معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ ایک مصری نے اُن کی مدد کی۔ باپ نے کہا، عجلت سے جاؤ اور اس کو میرے پاس لے آؤ۔

لڑکی تیزی سے وہاں پہنچی دیکھا تو وہ مصری کنوئیں کے قریب ہی بیٹھے ہیں۔ شرم و حیا سے نیچی نظریں کیئے ہوئے لڑکی نے کہا کہ آپ ہمارے گھر چلیئے۔ والد بلاتے ہیں وہ آپ کو اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے سوچا کہ شاید اس سلسلہ میں کوئی بہتر صورت نکل آوے۔ چنانچہ جب وہ وہاں سے اٹھ کر چلنے لگے تو لڑکی سے کہا کہ تم میرے پیچھے ہو جاؤ اور کنکری یا اشارہ سے میری رہنمائی کرو۔ اس طرح چل کر وہ دونوں قبیلۂ مدین کے بزرگ کے پاس آگئے اور موسیٰ (علیہ السلام) اور اُن بزرگ کے درمیان گفتگو ہونے لگی۔

ہم یہاں پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے نکاح کے مہر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ "قصص القرآن جلد اوّل" میں تحریر ہے کہ:- "حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور قبیلۂ مدین کے بزرگ میزبان (یعنی صاحب خانہ) کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس لڑکی نے جو موسیٰ (علیہ السلام) کو بلانے گئی تھی اپنے باپ سے کہا۔ اے باپ! اس مہمان (یعنی وہ شخص جو کسی کے گھر آوے) کو اپنے مویشیوں کے چرانے اور پانی مہیا کرنے کے لیئے اجیر (محنتی) رکھ لیجئے، اجیر وہی بہتر ہے جو قوی بھی ہو، اور امانت دار بھی۔

مفسرین کہتے ہیں کہ باپ کو لڑکی کی یہ گفتگو عجیب سی معلوم ہوئی اور اس نے دریافت کیا۔ تجھ کو اس مہمان کی قوت و امانت کا حال کیا معلوم ہے، لڑکی نے جواب دیا "میں نے مہمان کی قوت کا اندازہ تو اس سے کیا کہ کنوئیں کا بڑا ڈول (چرس) اس نے تنہا بھر کر کھینچ لیا، اور امانت کی آزمائش اس طرح کی کہ جب میں اس کو بلانے گئی تو اس نے مجھے دیکھ کر نظریں نیچی کر لیں اور گفتگو کے درمیان میں ایک مرتبہ بھی میری

طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا، اور جب یہاں آنے لگا تو مجھ کو پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے آگے چلا۔ اور صرف اشاروں سے میں اُس کی رہنمائی کرتی رہی۔ (تفسیر ابن جریر سورۂ قصص)

بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سُنا تو بہت مسرور ہوئے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا کہ اگر تم آٹھ سال تک میرے پاس رہو اور میری بکریاں چراؤ تو مَیں اپنی اس بیٹی کی تم سے شادی کرنے کو تیار ہوں اور تم اس مدت کو دو سال بڑھا کر دس سال کر دو تو اور بھی بہتر ہے، یہی اس لڑکی کا مہر ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ نے اس شرط کو منظور کر لیا اور فرمایا کہ یہ میری خوشی پر چھوڑ دیئے کہ مَیں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو چاہوں پورا کر دوں۔ آپ کی جانب سے مجھ پر اس بارے میں کوئی جبر نہ ہوگا۔ طرفین کی اس باہمی رضامندی کے بعد بزرگ میزبان نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر موسیٰ (علیہ السلام) سے اپنی اس بیٹی کی شادی کر دی۔

اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مدت ختم ہونے پر "عقد" (یعنی نکاح) عمل میں آیا۔ اور عقد کے فوراً بعد ہی موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کو لے کر روانہ ہو گئے۔ مفسرین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیوی کا نام "صفورہ" بتایا ہے۔

۲۲۶۔ حواری :-

حواری معنے دھوبی۔ سفید چمڑے والا۔ مدد کرنے والا۔
اصحاب حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کرام کو حواری کہتے ہیں۔ یہ تعداد میں بارہ ۱۲ تھے۔ لفظ حواری حَوَر سے نکلا ہے جس کے معنے سفیدی کے ہیں۔ حواری اس بناء پر حواری کہلائے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام پر سب سے پہلے ایمان لانے والے دھوبی تھے۔ آپ ایک دریا کے گھاٹ پر سے ہو کر گزرے، دیکھا کہ دھوبی کپڑے دھو رہے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کا میل کچیل دور کرتے ہو، آؤ میں تم کو دھوؤں اور تم سے کفر کا میل کچیل چھڑا دوں۔ چنانچہ وہ سب آپ کی دعوت پر مشرف بایمان ہوئے۔

۲۲۷- حج میں رفث اور جھگڑا کرنا گناہ ہے :- حج معنے ارادہ کرنا. کعبہ کا طواف کرنا

موسم مقررہ پر- + رفث معنے بری باتیں کہنا-

مسلمان حج کعبہ کا جب سے ارادہ کرلے اُسے اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ اُس کے عمل وکردار جواب تک خواہ کسی بھی وجہ سے ٹھیک نہیں رہے تھے، اب اُن کو بدلنا پڑے گا، اور ایسی عادت ڈالنی چاہیئے کہ اب اُس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جس سے وہ گناہ کا مرتکب ہوجائے۔ حالانکہ ہر مسلمان کو ہر وقت اور ہر حالت میں اس کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ دین اسلام نے ایسی باتوں کی جو گناہ کی طرف لے جائیں اُن سے بچنے کے لیئے سخت تاکید فرمائی ہے۔ اور اچھی باتوں اور عادتوں کو اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔

اللہ عزَّ وجلَّ کا فرمانا :- فَلَا رَفَثَ (اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ حج میں رفث نہ ہونا چاہیئے) حج میں رفث نہ ہو (یعنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنے کو رفث کہتے ہیں-)

اور قول باری تعالےٰ ہے :- وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ :- حج میں گناہ کی بات اور جھگڑا نہ ہونا چاہیئے (اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ حج میں گناہ کی بات اور جھگڑا نہ ہونا چاہیئے-)

ایک حدیث ہے حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کعبہ کا حج کرے اور نہ رفث کرے اور نہ گناہ کی بات کرے وہ حج کرکے ایسا (بے گناہ) لوٹے گا جیسے (اُس دن بے گناہ تھا جس دن) اُس کو اُس کی ماں نے جنا تھا۔

دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضؓ ہی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس گھر کا طواف کرے اور نہ رفث کرے اور نہ گناہ کی بات اور نہ جھگڑا کرے وہ حج کرکے ایسا (بے گناہ) لوٹے گا جیسے (اُس دن بے گناہ تھا)

جس دن اُس کو اُس کی ماں نے جنا تھا"۔ (صحیح بخاری جلد اوّل)

۲۲۸۔ حاسد کسی حال میں فلاح نہیں پاتا :-

حَاسِدُ معنے حسد کرنے والا۔ یعنی کسی کی نعمت کا زوال چاہنے والا۔ + فلاح معنے کامیابی و سکون پانا۔ (اچھا) بدلہ۔

دین اسلام نے حسد کی نہایت ہی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔ حسد ایک بُرائی ہے اور حسد کرنا گناہ ہے۔ کسی کی نعمت کا زوال چاہنا۔ حاسد کی اس خواہش کی تکمیل اُس کے ہاتھ یا بازو میں نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ جس کو چاہیں اور جتنی عزت و ثروت بخشیں یہ اُس کی قدرت میں ہے۔ اس پر کسی کو دسترس حاصل نہیں ہے۔

"حسد اور بغض کا انجام حاسد اور بغض کرنے والے کے حق میں ہی مضر ہوتا ہے اور اگرچہ کبھی محسود و مبغوض (یعنی جن سے حسد اور بغض کیا جائے) کو بھی دنیوی نقصان پہنچ جانا ممکن ہے۔ لیکن حاسد کسی حال میں بھی فلاح نہیں پاتا۔ اور خسر الدُّنیا و الآخرہ کا مصداق ہی رہتا ہے۔ اِلّا یہ کہ تائب ہو جائے۔ اور حاسدانہ زندگی کو ترک کر دے۔

صداقت، دیانت، امانت، صبر اور شکر جیسے صفاتِ عالیہ سے متصف زندگی ہی حقیقی اور کامیاب زندگی ہے، اور اگر انسان میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تو پھر وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔

ارشاد باری تعالےٰ ہے :- اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (البقرہ)

ترجمہ :- (یہ متمرد و سرکش انسان) چوپاؤں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔

۲۲۹۔ حضرت ادریس علیہ السّلام کے زمانے میں بہتّر زبانیں بولی جاتی تھیں :-

"جب حضرت ادریس علیہ السلام سن شعور کو پہنچے تو اللہ تعالےٰ نے اُن کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ تب انھوں نے شریر اور مفسدوں کو راہ ہدایت کی تبلیغ شروع کی مگر مفسدوں نے ان کی ایک نہ سُنی اور حضرت آدمؑ و

شیثؑ کی شریعت کے مخالف ہی رہے۔ البتہ ایک چھوٹی سی جماعت ضرور مشرف باسلام ہو گئی۔

حضرت ادریسؑ نے جب یہ رنگ دیکھا تو وہاں سے ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے پیروؤں (یعنی مسلمانوں) کو بھی ہجرت کی تلقین فرمائی۔ متبعین نے جب یہ سنا تو اُن کو ترکِ وطن بہت شاق گذرا۔ اور کہنے لگے کہ بابل جیسا وطن ہم کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ (بابل کے معنے نہر کے ہیں اور چونکہ بابل، دجلہ و فرات کی نہروں سے سرسبز و شاداب تھا اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ یہ عراق کا مشہور شہر تھا جو فنا ہو گیا۔)

حضرت ادریسؑ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم یہ تکلیف اللہ کی راہ میں اٹھاتے ہو تو اس کی رحمتِ وسیع اس کا نعم البدل ضرور عطا کرے گی۔ پس ہمت نہ ہارو، اور خدا کے حکم کے سامنے سرِ نیاز جھکا دو۔

مسلمانوں کی رضامندی کے بعد حضرت ادریسؑ اور ان کی جماعت مصر کی جانب ہجرت کر گئی۔ جماعت نے جب نیل کی روانی اور اس کی سرزمین کی شادابی دیکھی تو بہت خوش ہوئی۔ اور حضرت ادریسؑ نے یہ دیکھ کر اپنی جماعت سے فرمایا۔ بابلیون (تمھارے بابل کی طرح شاداب مقام) اور ایک بہترین جگہ منتخب کر کے نیل کے کنارے بس گئے۔ حضرت ادریسؑ کے اس جملہ ”بابلیون“ نے ایسی شہرت پائی کہ عرب کے علاوہ قدیم اقوام اس سرزمین کو بابلیون ہی کہنے لگیں۔ البتہ عرب نے اس کا نام مصر بتایا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ سنائی کہ طوفانِ نوحؑ کے بعد یہ مصر بن حام کی نسل کا مسکن و موطن بنا ہے۔

بابلیون کے معنی میں مختلف اقوال ہیں۔ مثلاً تمھاری طرح کی نہر۔ مبارک نہر۔ مگر سب سے بہتر قول یہ ہے کہ ”یون“ سریانی میں تفصیل کی علامت ہے اور معنی ہیں ”بڑی نہر“۔

حضرت ادریس علیہ السّلام اور اُن کی پیرو جماعت نے جب مصر میں سکونت اختیار کر لی تو یہاں بھی پیغامِ الٰہی اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دینا شروع

کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بہتّر زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اور خدائے تعالیٰ کی عطا و بخشش سے یہ وقت کی تمام زبانوں کے زبان داں تھے۔ اور ہر ایک جماعت کو اُسی کی زبان میں تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔" (قصص القرآن ج ۱)

۲۳۰۔ حفاظتِ حقوق اور مسئلۂ قیادت :-

حفاظت معنے نگہبانی پاسبانی۔ + حقوق جمع ہے حق کی بمعنی راست، درست + قیادت معنے رہبری کرنا۔

"آزادی اور حفاظتِ حقوق کا شعور اقوام و اُمَم (قوموں یعنی آدمیوں کے گروہ) کے خواص (یعنی ممتاز لوگوں) میں پہلے پیدا ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ عوام تک پہنچتا ہے۔ اور جس قوم اور جس امت میں ایسے خواص کثرت سے موجود ہوں اُس قوم اور اُس امت میں یہ جذبہ اسی قدر تیزی کے ساتھ پایا جائے گا۔

جب کسی قوم کے خواص میں اپنے استقلال اور دشمن کے مقابلہ میں حفاظت و دفاع کا شعور بہت زیادہ ترقی پاجاتا ہے تو وہ عوام اور خام کار (یعنی عام لوگوں اور خالص کام گذار) افرادِ ملّت (قوم کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمارا یہ شعور اور یہ جذبہ (یعنی جاننا سمجھنا اور جوشِ دل) قومی عَصَبِیّت وَحَمِیّت (یعنی قوم کی طرف داری وحفاظت) میں خواص کے شعور سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ مگر جب یہ فکر وشعور سے گذر کر عمل وظہور (یعنی کام کرنے اور اُس کو ظاہر کرنے) کی وادی میں آتا ہے تو اُس وقت اُن پر اپنا عجز اور خام کاری (یعنی اپنی ناتوانی اور خالص کام گذاری) ظاہر ہو کر رہتی ہے۔ اور صادقین کاملین (یعنی سچے پکے لوگوں) کے علاوہ اس وادیٔ پُرخار (یعنی کانٹوں بھرے جنگل) کا کوئی دوسرا رہ نورد (یعنی راستہ کی روشنی دکھانے والا) نظر نہیں آتا۔

اقوام و اُمم کے مختلف جاہلی رسوم و اعتقادات میں سے ایک مہلک اعتقاد یہ بھی رہا ہے کہ قیادت وحکومت صرف اُسی شخص کا حق ہے جو دولت وثروت کا مالک اور سرمایہ داری میں نمایاں حیثیت رکھتا ہو اور حسب ونسب میں بھی بلند مرتبہ ہو۔

اقوام عالم کا یہ تخیل اس درجہ عام رہا ہے کہ جو قومیں تہذیب و تمدن اور عقل و دانش کی علم بردار رہی ہیں وہ بھی اس فاسد عقیدہ میں جہالت کے دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ بلکہ اُس کو عملی اور عقلی رنگ دے کر جاہلی دور سے بھی زیادہ اس کی پابند ہیں۔

مگر اسلام نے اس جاہلانہ عقیدہ کے خلاف یہ واضح کیا کہ خدا کے نزدیک حکومت و قیادت کا تعلق دولت و ثروت سے وابستہ نہیں اور نہ حسب و نسب اس کے لیے مدار ہے بلکہ علم اور قوت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سلسلہ کی شرط قرار دیئے جائیں اس لیے کہ حق و انصاف حسنِ تدبیر و اصابت رائے جو حکومت و زَعامت (یعنی فرمانروائی اور رہبری) کے لیے شرط اولین ہیں۔ وہ مال و دولت اور حسب و نسب سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ اُن کا مبدأ صفت (یعنی ابتدائی تعریف) "علم" قرار پاتی ہے۔

جب حق و باطل کا معرکہ پیش آتا ہے اور حق کی جانب سے مخلصین کاملین فداکارانہ جذبات کے ساتھ حمایت حق کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن میں خود اعتمادی اور توکل علی اللہ کی روح سرایت کر جاتی ہے تو پھر کامرانی و کامیابی کا مدار قلت و کثرت پر نہیں رہتا بلکہ قلت کثرت پر بھاری ہو جاتی ہے اور کثرت قلت سے مغلوب ہو کر شکست کھا جاتی ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کا اظہار قرآنِ عزیز نے اس طرح کیا ہے: وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (البقرہ)
ترجمہ:۔ اور بارہا چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہے۔" (قصص القرآن ج ۲)

۲۳۱۔ حضرت داوٗد علیہ السّلام کی عمر شریف:۔

داوٗد علیہ السّلام ایک پیغمبر ہوئے ہیں۔ زبور آسمانی کتاب آپ پر ہی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی۔ آپ کی عمر مبارک کے بارے میں ایک روایت نقل کی گئی ہے جو مشہور محدث حاکمؒ نے اپنی کتاب مستدرک میں بیان کی ہے۔ جس کا مضمون ہم قصص القرآن ج دوم سے اخذ کر کے پیش

کرتے ہیں۔ تحریر ہے کہ:

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عالم بالا میں جب حضرت آدمؑ کی صلب سے اُن کی ذریت کو نکال کر اُن کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے ایک خوب صورت چمکتی ہوئی پیشانی والے شخص کو دیکھ کر دریافت کیا۔ پروردگار یہ کون شخص ہے؟ جواب ملا تمھاری ذریت میں سے بہت بعد میں آنے والی ہستی داؤد ہے۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا اس کی عمر کیا مقرر کی گئی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ساٹھ سال۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ الٰہی اپنی عمر کے چالیس سال میں اس نوجوان کو بخشتا ہوں۔ مگر جب حضرت آدم (علیہ السلام) کی وفات کا وقت آ پہنچا تو آدم علیہ السلام نے ملک الموت سے کہا کہ ابھی تو میری عمر کے چالیسؓ سال باقی ہیں۔ فرشتۂ موت نے کہا۔ آپ بھول گئے۔ آپ نے اس قدر حصہ عمر اپنے ایک بیٹے داؤد کو بخش دیا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کی عمر سو سال کی ہوئی۔ اور توراۃ کے باب سلاطین اور تواریخ میں ہے کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) نے کہن سالی میں انتقال فرمایا۔ اور اسرائیلیوں پر چالیسؓ سال حکومت کی۔"

جعفر بن محمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے ستر سال حکومت کی (مستدرک جلد۲ کتاب التاریخ) اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کا انتقال اچانک سبت کے دن ہوا۔ وہ سبت کے روز مقررہ عبادت میں مشغول تھے اور پرندوں کی ٹکڑیاں پرے باندھے ہوئے اُن پر سایہ فگن تھیں کہ اچانک اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔

۲۳۲۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کے مکتوب کا اعجاز:- مکتوبؔ معنے لکھا گیا۔ + اعجاز معنے عاجز کرنا۔ ناتواں کرنا۔ خلاف عادت کوئی بات اللہ کے کسی نبی سے ظاہر ہونی جس کے دیکھنے سے کافر عاجز ہو جائیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ خط جو انھوں نے ملکہ سبا کو دعوتِ اسلام کے

سلسلہ میں تحریر کیا تھا وہ دنیا کے تمام خطوط میں ایک نمایاں شان رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں "قصص القرآن" نے اس طرح بیان کیا ہے کہ "ماہرین ادبیات کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو جو خط دعوتِ اسلام کے سلسلے میں بھیجا تھا وہ دنیا کے ان خطوط میں جو آج تک تحریر کیے گئے ہیں۔ یکتا اور بے مثال ہے۔ اور یہ دعویٰ حسنِ عقیدت کی بناء پر نہیں ہے بلکہ دعویٰ کی بنیاد اس دلیل پر قائم ہے کہ اس قدر اہم اور نازک مسئلہ پر نہایت مختصر مگر مقصد کے لحاظ سے بہت واضح فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے نہایت رفیع، اور ادائے بیان اور طرزِ ادا کے پیش نظر بے حد لطیف اور شیریں، پُرشوکت اور دلنشین غرض مجموعۂ صفات سے متصف کوئی خط کسی بڑے انسان کا کتب تاریخ میں اس کے علاوہ ایسا موجود نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

مضمونِ خط میں خلل انداز نہ ہونے والے انتہائی اختصار کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی ربوبیت، خالقیت و مالکیت عام کا اظہار، پیغمبرانہ پیغامِ حق کا اعلان، حاکمانہ و قاہرانہ اقتدار کا مظاہرہ اور اپنا ذاتی تعارف، جیسے اہم امور کو جس خوبی سے ادا کیا گیا ہے اس پر یہ مثال صادق آتی ہے۔ "گویا دریا کوزہ میں بند ہے۔"

خط کی عبارت کو مطالعہ کیجیے، اور پھر مسطورۂ بالا خصوصیات و امتیازات کا اندازہ کیجیے، اور بتایئے کہ مجموعۂ الفاظ و معنی کے لحاظ سے یہ خط "اعجاز" نہیں تو اور کیا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

۲۳۳۔ حالتِ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا:-

حالت معنے حال، واردات۔

نماز وہ عبادت ہے جو معراج کی رات میں آسمان پر اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے لیے فرض کی۔ جتنی بھی عبادتیں ہیں وہ سب زمین پر فرض و سنت کے اعتبار سے فرض مقرر کی گئی ہیں۔ اسی لیے نماز کی بڑی اہمیت ہے۔ نماز کسی وقت میں بھی معاف نہیں

کی گئی ہے۔ جب تک آدمی کے ہوش و حواس درست رہیں گے وہ نماز کو ادا کرنے کے حکم میں داخل و شامل ہے۔ چاہے اُسے کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر، یا اشارہ سے ادا کر سکتا ہو۔ ہر حالت میں نماز ادا کرے۔

نماز پڑھتے وقت ہر ایک نمازی کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ ایسی نماز پڑھے کہ جب وہ نماز کی حالت میں ہو تو وہ اس بات کو جان لے بلکہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے موجود ہے۔ اور وہ اُسے دیکھ رہا ہے یا تو اللہ تعالےٰ کو دیکھ رہا ہے ایسی حالت میں ایک نمازی کو ہمہ تن، خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جب نماز میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں تو پھر ایک نمازی کو نماز کی حالت میں اور کیا چاہیئے، وہ اگر نماز پڑھتے ہوئے ادھر اُدھر دیکھتا ہے تو کیا دیکھتا ہے؟ اللہ تعالےٰ سے جب نمازی اپنی نظر کو اِدھر اُدھر پھیرتا ہے تو فرماتے ہیں کہ مجھ سے اچھی اور کیا چیز ہے جسے تُو دیکھ رہا ہے۔ کتنے افسوس اور دُکھ کی بات ہے اور ساتھ ساتھ اُس نمازی کے نڈر ہونے کی بات ہے کہ وہ اس ارشادِ باری تعالےٰ کو نہیں سمجھ رہا ہے۔ اور اپنی نماز کو نماز کے طریقہ سے نہیں پڑھ رہا ہے۔ یاد رکھیئے کہ نماز کی حالت میں یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ نمازی نماز پڑھتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھے یا آسمان کی طرف دیکھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سخت تنبیہہ فرمائی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:۔ "حضرت انس رضؓ بن مالک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ اپنی نماز میں اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ پس اُس کے بارے میں آپؐ کی گفتگو بہت سخت ہو گئی، یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا کہ اُس سے باز آئیں ورنہ اُن کی بینائیاں لے لی جائیں گی۔

ایک دوسری حدیث ہے:۔ "حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے کی بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کی دستبُرد (یعنی دلیری) ہے کہ شیطان بندے کی نماز سے لے لیتا ہے۔"

(صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ)

۴۳۔ حرام مال کی نجاست اور نحوست:- حرام مال معنے ناجائز دھن دولت، + نجاست معنے پلیدی۔ + نحوست معنے بدبختی۔

دین اسلام نے ناجائز طریقوں سے دھن و دولت اور روپیہ پیسہ حاصل کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ ناجائز طریقوں سے جو مال حاصل ہوگا وہ ناپاک ہوگا، اس کا استعمال ہر حالت میں خراب اور نجس ہوگا۔ ایسے مال سے گھر میں نحوست آتی ہے۔

"حرام ذریعہ سے جو مال بھی حاصل ہوگا وہ حرام اور ناپاک ہوگا اور جو شخص اس کو اپنے کھانے پینے اور پہننے میں استعمال کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کی نمازیں قبول نہ ہوں گی، دعائیں قبول نہ ہوں گی، حتیٰ کہ اگر وہ اس سے کوئی نیک کام کرے گا تو وہ بھی اللہ کے یہاں قبول نہ ہوگا، اور آخرت میں اللہ کی خاص رحمتوں سے محروم رہے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

جو شخص (کسی ناجائز طریقے سے) کوئی مال حاصل کرے گا اور اس سے صدقہ کرے گا تو اس کا یہ صدقہ قبول نہ ہوگا اور اس میں سے جو کچھ (اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں میں) خرچ کرے گا اس میں برکت نہ ہوگی، اور اگر اس کو ترکہ میں چھوڑ کر مرے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہوگا۔ یقین کرو کہ اللہ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا (یعنی حرام مال کا صدقہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ نہیں بن سکتا) بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے، کوئی ناپاکی دوسری ناپاکی کو ختم کر کے اس کو پاک نہیں کر سکتی۔

ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ خود پاک ہے، اور وہ پاک، اور حلال مال ہی کو قبول کرتا ہے۔" پھر ایک حدیث میں آپؐ نے ایک ایسے شخص کا ذکر فرمایا جو دور دراز کا سفر کر کے کسی خاص متبرک مقام پر دعا کرنے کے لیے اس حال میں آئے کہ اس کے بال پراگندہ ہوں اور سر سے پاؤں تک وہ غبار میں اٹا ہوا ہو، اور آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا

اُٹھا کے وہ خوب الحاح (یعنی گڑگڑانے) کے ساتھ دعا کرے، اور کہے، اے میرے رب! میرے پروردگار! لیکن اُس کا کھانا پینا مال حرام سے ہو، اور اس کا لباس بھی حرام کا ہو، اور حرام مال ہی سے اس کی پرورش ہوئی ہو، تو اس حالت میں اس کی یہ دُعا کیونکر قبول ہو گی۔"

مطلب یہ کہ جب کھانا پینا سب حرام مال سے ہو تو دُعا کی قبولیت کا کوئی استحقاق (حقدار ہونا) نہیں رہتا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ کوئی شخص ایک کپڑا دس درہم میں خریدے اور اُن دس میں سے ایک درہم حرام ذریعے سے آیا ہوا ہو تو جب تک وہ کپڑا جسم پر رہے گا اس شخص کی کوئی نماز بھی اللہ کے ہاں قبول نہ ہو گی۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو جسم حرام مال سے پلا ہو وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔"

دوستو، بزرگو، اور بھائیو!! اگر ہمارے دلوں میں ذرّہ بھر بھی ایمان ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے سننے کے بعد ہم کو قطعی طور سے طے کر لینا چاہیئے کہ خواہ ہمیں دنیا میں کیسی ہی تنگدستی اور تکلیف سے گزارا کرنا پڑے، ہم کسی ناجائز اور حرام ذریعہ سے کبھی کوئی پیسہ حاصل کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور بس حلال آمدنی ہی پر قناعت کریں گے۔" (اسلام کیا ہے؟)

۲۳۵۔ حلال کمائی اور ایماندارانہ کاروبار:۔

حلال کمائی معنے درست روزی، وہ کمائی جو موافق شرع کے درست ہو۔ + ایماندارانہ معنے ایمان کے ساتھ۔ + کاروبار معنے روزی کمانے کے کام کاج۔

دینِ اسلام نے جہاں حرام ذریعہ سے کمائی کرنے کی مذمت فرمائی ہے وہاں ایماندارانہ طریقوں اور حلال ذریعوں سے روزی حاصل کرنے کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے اور

تاکید کی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔ "حلال کمائی کی بھی تلاش دین کے مقررہ فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔"

ایک دوسری حدیث میں اپنی محنت سے روزی کمانے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ کسی نے اپنی روزی اس سے بہتر طریقے سے حاصل نہیں کی کہ خود اپنے دست و بازو سے اُس کے لیے اُس نے کام کیا ہو، اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا طریقہ یہی تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے کچھ کام کر کے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ سچائی اور ایمان داری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر (قیامت میں) نبیوں اور صدیقوں، اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

۲۳۶۔ حق بحقدار:۔ حقؔ معنے راست، درست، + حقدار معنے جس کا حق ہو، وارث۔

خدا کے برگزیدہ رسول صلعم جس وقت فتح مکہؐ کے دن یعنی پنجشنبہ ۲۰ ر رمضان المبارک ۸ھ ہجری کو شہر میں داخل ہوئے اُس وقت سر جھکائے (جبکہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اہل حکومت ایسی فتوحات کے موقع پر بڑے طمطراق سے مفتوح شہر میں داخل ہوا کرتے ہیں) قرآن مجید (سورۃ الفتح) کی تلاوت فرما رہے تھے اور اونٹ کی سواری پر بیت اللہ کو جا رہے تھے۔ اونٹ پر اپنے آزاد کردہ غلام زیدؓ کے فرزند اُسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کر رکھا تھا۔ وہاں پہنچ کر پہلے خدا کے گھر کو بتوں سے پاک کیا۔ اس وقت بیت اللہ کے گرد اگرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کمان کے گوشے (یا چھڑی کی نوک سے) ہر ایک بت کو گراتے جا رہے تھے اور زبانِ مبارک سے یہ پڑھ رہے تھے:۔

(۱) جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۹)

(۲) جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ (سبا ع ۶)

اس کام سے فارغ ہو کر عثمان رضؓ بن ابی طلحہ کو طلب فرمایا۔ ان کے خاندان میں مدت سے کعبہ کی کلید برداری چلی آتی تھی۔

ابتدائے ایام نبوت میں ایک دفعہ اسی عثمانؓ سے فرمایا تھا کہ بیت اللہ کھول دو۔ اس نے انکار کیا تھا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا کہ اچھا تم دیکھ لینا کہ ایک دن یہ کلید (یعنی کنجی، تالی) میرے ہاتھ میں ہوگی، اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا۔ عثمان نے جواب دیا تھا کہ کیا اس روز قریش کے سب ہی مرد ذلیل و تباہ ہو جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اور بھی زیادہ عزت و اقبال سے ہوں گے۔

اب نبی صلعم نے کلید لے کر بیت اللہ کا دروازہ کھولا۔ اندر جا کر ہر ایک گوشے میں اللہ اکبر کے ترانے گائے اور پھر نماز شکرانہ پڑھتے ہوئے نہایت عجز و نیاز سے رب العزت کے سامنے پیشانی کو خاک پر رکھ کر سجدہ کیا۔

اسی عرصہ میں مکہ کے وہ سب سردار اور سب بڑے بڑے لوگ جمع ہو گئے تھے جنھوں نے:

(۱) بیسیوں مسلمانوں کو قتل کیا تھا یا کرایا تھا۔
(۲) سینکڑوں مسلمانوں کو اذیت دے دے کر گھر بار سے نکالا تھا۔
(۳) دین اسلام کو تباہ کرنے اور مسلمانوں کو برباد کرنے کے لیے حبش، شام، نجد اور یمن تک کے سفر کیے تھے۔
(۴) جنھوں نے بار بار مدینہ پر حملے کر کے مسلمانوں کو ۳۰۰ میل پرے جانے کے بعد بھی چین سے نہیں رہنے دیا تھا۔

یعنی وہ سب لوگ جو مسلمانوں کے فنا کرنے میں زر سے، مال سے، زور سے، تدبیر سے، ہتھیار سے، تزویر (جھوٹ فریب) سے اپنا سارا زور لگا چکے تھے۔ اور اپنی ناپاک کوششوں میں ۲۱ سال تک برابر منہمک رہبت کوشش کرتے رہے تھے۔

خدا کے رسول صلعم جنہیں خدا نے تمام مخلوق کے واسطے رحمت بنایا۔ جب عبادت سے فارغ ہو کر باہر رونق افروز ہوئے تو حضرت عباسؓ (عم رسولؐ) نے عرض کیا کہ کلید بیت اللہ بنی ہاشم کو عطا فرمائی جائے۔

نبی صلعم نے فرمایا:۔ الیوم یوم البر والوفاء (آج کا دن تو سلوک کرنے۔ پورے عطیات دینے کا ہے) پھر عثمانؓ کو بلایا اور بیت اللہ کی کلید دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

خُذُھَا خَالِدَۃً تَالِدَۃً لَا ینزعُھَا یا بنی ابی طَلْحَۃَ مِنکُمْ اِلَّا ظَالِمٌ۔

لو یہ کنجی سنبھالو ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے، تم سے یہ کلید کوئی نہ چھینے گا، مگر وہی جو ظالم ہوگا۔

ان مختصر الفاظ میں تین پیشین گوئیاں مندرج ہیں:

(۱) خاندان ابوطلحہ کا دنیا میں برابر باقی رہنا (یعنی نسل قائم رہنا)

(۲) کلید بیت اللہ کی حفاظت و خدمت کا انہی سے متعلق رہنا۔

(۳) ان کے ہاتھوں سے کلید چھیننے والے کا نام ظالم ہونا۔

نمبر۱ و نمبر۲ کی بابت اب تک کل دنیا کو معلوم ہے کہ یہ کلید بنو شیبہ میں آج تک موجود ہے۔ اور یہ نسل اب تک جاری ہے۔

نمبر۳ کی بابت مورخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے اُن سے یہ کلید چھین لی تھی اُس کے بعد پھر یہ سالہا سال کا زمانہ شاہد صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول صلعم کی زبانِ مبارک سے ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔

۲۳۔ حیاتِ جسمانی اور حیاتِ رُوحانی کیا ہے؟:۔

حیات معنے زندگی + جسم معنے بدن اور جو شے کہ طول اور عرض اور عمق رکھتی ہو + رُوح معنے وہ روح جس سے زندگی قائم رہتی ہے۔ اَمرِ ربی یعنی حکم خدا کا۔

رُوح یعنی انسان کی زندگی کے لیئے بہت سی چیزیں درکار ہیں جن کے ہونے سے انسان زندہ رہتا ہے۔ اور کھاتا پیتا اور چل پھر سکتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو انسان کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یہ سب دنیوی اسباب ہیں ورنہ جیسے ہم اوپر بیان

کر چکے ہیں کہ روح حکم خدا ہے تو وہ (یعنی خدائے تعالےٰ) جب تک چاہتا ہے انسان زندہ رہتا ہے اور جب وہ روح کو انسانی جسم سے واپس لیتا ہے تو انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اسی کو موت کہتے ہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالےٰ نے ہر انسان کی زندگی و موت کے لیئے ایک ٹائم اور جگہ کا تقرر کیا ہے۔ چنانچہ جب یہ دونوں چیزیں یعنی ٹائم اور جگہ ایک ساتھ واقع ہو جائیں گی تو انسان کی روح اُس کے جسم سے اللہ تعالےٰ واپس لے لیں گے اور اُس کی موت واقع ہو جائے گی۔ اس ٹائم اور جگہ کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ جل جلالہٗ کے اور یہ اُس نے (یعنی اللہ تعالےٰ نے) ہر انسان کے لیئے اُس وقت مقرر کر دیئے تھے جب انسان اپنی ماں کے شکم میں بحکم خدا داخل ہوا تھا۔

"انسان کی بقاء شخصی وحیات جسمانی کے واسطے چھ ۶ چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) ہوا، (۲) آب و غذا (۳) نوم و یقظ (یعنی نیند اور بیداری)۔ (۴) حرکت و سکون (۵) احتباس و استفراغ (۶) اغراض نفسانیہ۔

ان میں فرق آنے سے صحتِ جسمانی میں فرق آتا ہے۔ اسی طرح سے انسان کی بقاء روحانی حیاتِ جاودانی کے لیئے کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ صلعم کا جاننا اور ان پر عمل کرنا لابدی ہے۔ ان کے بغیر انسانی روح مُردہ ہو کر انسان دنیا و آخرت کی نعمتوں و آسائشوں سے محروم و بد نصیب ہو جاتا ہے۔" (عزیز القلوب)

حج اسلام معنے جو حج فرض ہو۔

۲۳۸۔ حج اسلام :-

فرضیتِ حج :- واضح ہو کہ اسلام میں حج ۹ھ ہجری میں فرض ہوا۔ اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو امیر الحاج بنایا اور تین سو صحابہ رضؓ کو اُن کے ہمراہ کیا تاکہ سب کو حج کرائیں۔

حج مثل نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے اسلام کا ایک رکن ہے اور فرض عین ہے۔ تمام عمر میں ایک مرتبہ ہر اُس شخص پر فرض ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے اتنا مال دیا ہو کہ اپنے وطن سے مکہ تک آنے جانے پر قادر ہو اور اپنے اہل و عیال کے مصارف واپسی تک برداشت کر سکتا ہو۔ اور حج کی فرضیت قرآن، حدیث سے ثابت ہے۔ ہم یہاں پر

قرآنِ مبارک کی آیات کے ترجمہ پر اکتفا کریں گے۔ ترجمہ:۔ اللہ کی عبادت کے لیئے لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہے۔ جس شخص کو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ بے شک تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت شریفہ میں حج کی فرضیت کے ساتھ خلوص نیت اور شرط فرضیت یعنی استطاعت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی تنبیہہ کی گئی ہے کہ جو حج کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے، یا باوجود حج پر قدرت رکھنے کے حج نہ کرے۔ اور مر جائے تو وہ کفار کے مشابہ ہے۔

ایک حدیث ہے:۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے وعظ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے پس تم حج کرو۔

تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔ جبکہ شرائط حج موجود ہوں اور حج فرض کو حج اسلام کہتے ہیں۔

۲۳۹۔ حج فرض:۔

حج فرض معنے تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا جبکہ شرائط حج موجود ہوں۔

جب حج فرض ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو بہت جلد ادا کیا جائے، اس میں تاخیر نہ کی جائے۔ جو شخص باوجود قدرت و استطاعت اور شرائط حج کے پائے جانے کے حج نہ کرے اس کے لیئے حدیث میں سخت وعید آئی ہے، زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس لیئے فرض ہوتے ہی حج ادا کرنا چاہیئے۔

ایک حدیث میں آیا ہے:۔ حضرت ابن عباس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہے اس کو جلدی کرنا چاہیئے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کرنے والوں کو جن پر حج فرض ہو چکا ہے جلد حج کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کیونکہ بسا اوقات تاخیر کرنے سے موانع اور عوارض پیش آجاتے ہیں اور انسان اس سعادت کبریٰ سے محروم رہ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے :- حضرت ابی امامہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ یا مرض شدید نے حج سے نہیں روکا اور اس نے حج نہیں کیا اور مرگیا تو وہ چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر مرے۔

خدا کی پناہ کس قدر سخت وعید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان لوگوں کو جن پر حج فرض ہوچکا ہے اور دُنیوی اغراض یا سُستی کی وجہ سے بلا شرعی مجبوری کے حج ادا نہیں کرتے۔ سوءِ خاتمہ (یعنی خاتمہ کی بُرائی) کی تنبیہہ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ باوجود شرائط کے پائے جانے کے حج نہ کرنا۔ اگر حج کو فرض نہ ماننے کی وجہ سے ہے تو اس کا کفر ہونا ظاہر ہے اور اگر عقیدۂ فرضیت کا ہے اور کوئی شرعی عذر نہیں ہے لیکن سُستی اور دُنیوی ضروریات کی وجہ سے حج کو نہیں جاتا تو پھر یہ شخص یہود و نصاریٰ کے مشابہ ہے اور حج نہ کرنے کے لحاظ سے انہی جیسا ہے :- اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ سُوْءِ الْخَاتِمَۃِ وَوَفِّقْنَا لِاَدَاءِ فَرَائِضِكَ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

حج نفل معنے ایک مرتبہ سے زیادہ حج کرنا حج نفل ہے۔

۲۴۰- حج نفل :- جو شخص حج بیت اللہ شریف کا ایک مرتبہ سے زیادہ کرے گا وہ سب حج نفل ہوں گے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ حج نفل کے لیئے بلا اجازت والدین کے جانا بہر صورت مکروہ ہے۔ خواہ راستہ مامون (یعنی محفوظ اور امن والا) ہو یا نہ ہو ان کو خدمت کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

دادا، دادی، نانا، نانی، ماں، باپ کی عدم موجودگی میں مثل ماں باپ کے ہیں ہاں ماں باپ کے ہوتے ہوئے ان کی اجازت کا اعتبار نہیں۔

حج بَدَل معنے کسی ایسے شخص کے بدلہ میں حج کرنا جس پر

۲۴۱- حج بَدَل :- حج فرض ہوگیا ہو۔ اگر وہ معذور ہو یا مرگیا ہو۔ حج کرانے والے کو آمر (یعنی حکم کرنے والا) کہتے ہیں اور جو دوسرے کے حکم سے حج بَدَل کرتا ہے اُس کو مامور کہتے ہیں۔

ہر شخص اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے شخص کو (خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ) بخش سکتا ہے۔ وہ عمل چاہے روزہ یا نماز یا حج یا صدقہ یا اور کوئی عبادت ہو۔ عبادات کی تین قسمیں ہیں (۱) عباداتِ مالی جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطر، یہ نائب کے ذریعہ ادا کی جاسکتی ہیں چاہے ضرورت کی وجہ سے نائب مقرر کرے یا بلا ضرورت، (۲) عباداتِ بدنی جیسے نماز روزہ، یہ نائب کے ذریعہ ادا نہیں کی جاسکتیں۔ (۳) عبادات مالی اور بدنی دونوں سے مرکب ہے جیسے حج، یہ نائب کے ذریعہ سے صرف اُس وقت ادا کرائی جاسکتی ہیں کہ خود جس پر حج فرض ہو، ادا کرنے پر قادر نہ ہو، اگر خود قادر ہو تو پھر دوسرے سے نہیں کرا سکتا۔

حج نفل اور عمرہ نفل دوسرے سے بہر صورت کرانا جائز ہے یعنی چاہے کرانے والا خود قادر ہو یا نہ ہو۔ ...... جس شخص پر حج فرض ہو گیا اور ادا کرنے کا وقت ملا لیکن ادا نہیں کیا اور بعد میں ادا کرنے پر قدرت نہیں رہی عاجز ہو گیا تو اس پر کسی دوسرے سے حج کرانا فرض ہے خواہ اپنی زندگی میں کرائے یا مرنے کے بعد حج کرانے کی وصیت کر جائے۔ اس پر وصیت واجب ہے اور اگر شرائط وجوب حج پائے گئے لیکن ادا کرنے کا وقت نہیں ملا یا حج کو جاتے ہوئے راستہ میں مر گیا تو اُس کے اوپر سے حج ساقط ہو گیا اور اس پر حج کرانے کی وصیت واجب نہیں۔[1]

عاجز ہونے کے اسباب یہ ہیں:۔ موت، قید، ایسا مرض کہ جس کے دور ہونے کی امید نہ ہو جیسے:۔ فالج، اندھا، لنگڑا ہونا، اتنا بوڑھا ہونا کہ سواری پر بیٹھنے کی قدرت نہ رہے۔ عورت کے لیے محرم نہ ہونا۔ راستہ مامون نہ ہونا۔ ان تمام اَعذار (یعنی معذوریوں) کا موت تک باقی رہنا۔ تحققِ عجز (یعنی ناتوانی کی موجودگی) کے لیے شرط ہے۔

۲۴۲۔ حج نذر:۔ نَذر معنے عہد و پیمان، وہ چیز جو اپنے اوپر واجب کر لیں اور جو خدا کے واسطے مثلاً روزہ یا صدقہ وغیرہ مقرر کر لیں۔

---

[1] یعنی یہ اس وقت ہے جبکہ وجوب حج کے سال میں گیا اور مرا ہو۔ اگر دوسرے تیسرے سال گیا تو وصیت واجب ہوگی۔

اگر کوئی شخص حج کی نذر مان لے تو اس سے بھی حج کرنا واجب ہوتا ہے۔ حج یا عمرہ کی نذر کرنے سے بھی حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اللہ کے واسطے مجھ پر حج ہے یا صرف یہ کہا کہ مجھ پر حج ہے تو ان الفاظ سے نذر ہو جائے گی۔ اور اس کا پورا کرنا واجب ہوگا۔

اگر کسی نے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے اگر مجھے اس مرض سے شفا دی یا میرے مریض کو شفا دی تو مجھ پر حج یا عمرہ ہے۔ تو شفا ہونے پر حج یا عمرہ جس کی نذر مانی ہو' کرنا واجب ہوگا۔

اگر کسی نے کہا کہ اللہ تعالےٰ کے واسطے میرے ذمہ احرام ہے یا احرام حج ہے تو حج یا عمرہ کرنا لازم ہے اور یہ اختصار ہے کہ حج کرے یا عمرہ کرے۔ (معلم الحجاج ص ۳۱۵)

شرائط وجوب حج :۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن کے پائے جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے' اور اگر ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو حج بالکل فرض نہیں ہوتا۔ اور کسی دوسرے سے حج کرانا اور وصیت کرنا بھی واجب نہیں ہوتا۔ اس قسم کی سات شرطیں ہیں (۱) اسلام (۲) حج فرض ہونے کا علم ہونا۔ (۳) بلوغ (۴) عقل (۵) آزاد ہونا۔ (۶) استطاعت وقدرت (۷) حج کا وقت ہونا۔

حج فرض ہونے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ کافر پر حج فرض نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کفر کی حالت میں اتنا مال دار تھا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس پر حج فرض ہو جاتا لیکن کفر کی ہی حالت میں فقیر ہو گیا اور پھر فقیر ہونے کے بعد مسلمان ہو گیا تو اس پر حج فرض نہیں ہوا۔

اگر کفر کی حالت میں کوئی حج کرلے اور پھر مسلمان ہو تو اس حج کا کوئی اعتبار نہ ہوگا بلکہ اگر اب شرائط پائے جاتے ہیں تو دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔ اور اگر کافر نے اپنی طرف سے کسی مسلمان کو بھیج کر حج کرایا تو وہ بھی صحیح نہ ہوگا۔ اگر کسی مسلمان نے حج کیا لیکن (نعوذ باللہ) پھر کافر ہو گیا۔ اس کے بعد پھر مسلمان ہو گیا تو اب اگر حج کے شرائط موجود ہیں تو دوبارہ حج کرنا فرض ہوگا۔

کسی کافر نے حج کا احرام باندھا اور وقوف عرفہ سے پہلے مسلمان ہو گیا۔ اگر مسلمان

ہونے کے بعد از سر نو احرام باندھ لیا تو حج صحیح ہو جائے گا اور اگر مسلمان ہونے کے بعد نیا احرام نہیں باندھا تو حج صحیح نہ ہوگا۔" (معلم الحجاج مکمل ص۳۶)

۲۴۳۔ حیاتِ طَیِّبَہ :۔

حیات معنے زندگی۔ + طَیِّب معنے کسی چیز کا لذیذ اور پاک ہونا۔

زندگی اللہ تعالےٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں میں سے ایک بے مثل اور بے بہا نعمت ہے یوں تو اللہ جَلَّ جَلالہٗ نے اپنی تمام مخلوقات کو ایک طرح کی زندگی کی بخشش فرمائی ہے لیکن لیکن جس زندگی کے لیے یہ تمام مخلوقات اللہ تعالےٰ نے مخلوق فرمائی ہیں وہ زندگی اشرف المخلوقات یعنی انسان کی زندگی ہے۔

اب اگر انسان اپنی حیات کو حیاتِ طیبہ جیسی حیات نہیں بنا پاتا تو اس کے لیے اور کیا بد نصیبی کی بات ہو سکتی ہے۔ اس لیے انسان کو عموماً اور مسلمان کو خصوصاً یہ چاہیئے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے صرف اُسی ذاتِ واحد (اللہ جَلَّ شانہٗ) کی پرستش وعبادت کرے، اُس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ اُس کے پیدا کیئے ہوئے انسانوں کے ساتھ اچھے سلوک روا رکھے۔ اپنے سے بڑوں کا ادب واحترام اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ محبت وپیار سے پیش آئے، اللہ اور اس کے رسول صلعم کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے تب ہی یہ زندگی بالطف زندگی ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (سورۂ النحل ع ۱۳) ترجمہ:۔ اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم اُن کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے، جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو، تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی دیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کے عوض میں اُن کا اجر دیں گے۔

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔ حیٰوۃ طیبہ سے مراد یہ نہیں کہ اس کو فقر یا مرض کبھی نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اطاعت کی برکت سے اس کے قلب میں ایسا نور ہوگا جس سے وہ ہر حال میں شاکر و صابر اور رضا و تسلیم سے رہے گا، اور اصل جمعیت کی یہی رضا ہے۔ ......رہے کافر کیونکہ کافر کے اعمالِ صالحہ مقبول نہیں۔

۲۴۴۔ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی موت اور جنات :۔

حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد (علیہ السلام) کے صاحبزادے ہیں۔ ان کا نسب بھی یہودا کے واسطے سے حضرت یعقوب (علیہ السلام) تک پہنچتا ہے۔ آپ کو بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ آپ حوضیں اور بڑی دیگیں اور دوسری بڑی بڑی چیزیں بنوایا کرتے تھے اور یہ سب کام جنات سے لیا کرتے تھے۔ آپ ہی کے متعلق باری تعالےٰ نے قرآن مبارک میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ جنات سے وہ وہ چیزیں بنواتے تھے جو اُن کو بنوانا منظور ہوتا تھا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے کہ :۔ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ....تا...... يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ○ (سورہ سبا ع ۲) ترجمہ :۔ اور جنات میں بعضے وہ تھے جو اُن کے آگے کام کرتے تھے، اُن کے رب کے حکم سے، اور ان میں سے جو شخص ہمارے (اِس) حکم سے سرتابی کرے گا ہم اس کو (آخرت میں) دوزخ کا عذاب چکھادیں گے۔ وہ جنات اُن کے لیے وہ وہ چیزیں بناتے جو ان کو (بنوانا) منظور ہوتا بڑی بڑی عمارتیں اور تماثیل اور لگن (ایسے بڑے حوض اور (بڑی بڑی) دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔ اے داؤدؑ کے خاندان والو تم سب شکریہ میں نیک کام کیا کرو، اور میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔ پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا تو کسی چیز نے اُن کے مرنے کا پتہ نہ بتلایا، مگر گھن کے کیڑے نے

کہ وہ سلیمانؑ کے عصا کو کھاتا تھا۔ سو جب وہ گر پڑے تب جنات کو حقیقت معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

اس کی تفسیر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ : "حاصل یہ کہ جو جن ایمان و اطاعت اختیار کرے گا۔ وہ عذاب سعیر سے محفوظ رہے گا۔ جیسا کہ ایمان کا مقتضا ہے" اس سے آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ ـــــــ

"سلیمان علیہ السلام موت کے قریب عصا کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر اس کو زیرِ زنخ (یعنی ٹھوڑی سے) لگا کر تخت پر بیٹھ گئے۔ اور اسی حالت میں رُوح قبض ہو گئی۔ اور اسی طرح سال بھر تک بیٹھے رہے۔ جنات آپ کو بیٹھا دیکھ کر زندہ سمجھتے رہے، اور زندہ سمجھ کر بدستور کام کرتے رہے۔" (حضرت تھانویؒ)

۲۴۵۔ حوضِ کوثر :۔ حَوض معنے وہ جگہ جہاں پانی ہمیشہ ٹھہرا رہے۔ + کَوثَر معنے بڑا سخی۔ بڑا بخشش کرنے والا۔ نام ایک نہر کا جو درمیان جنت کے ہے۔ حوض کوثر یعنی ایک حوض کا نام ہے جو درمیان جنت کے ہے اور ہر خیر کثیر اس میں داخل ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے :۔ اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ (سورۃ الکوثر ع ۱) ترجمہ :۔ بے شک ہم نے آپؐ کو کوثر (ایک حوض کا نام ہے اور ہر خیر کثیر بھی اس میں داخل ہے) عطا فرمائی ہے۔

لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی، افزونی کے معنی کے لئے ہے۔ جب اُسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنے کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی، اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔

"صحیح بخاری میں ہے :۔ ابوالبشر نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالےٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ ابوالبشر کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیر سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے۔ سعید نے جواب دیا۔ ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے

ہے جو اللہ تعالےٰ نے خصوصیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔"

حوضِ کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث عن انس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔ لہٰذا حوضِ کوثر کے باوجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیاتِ بالا زیرِ عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات لامتناہی اور عطیاتِ غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیرِ کثیر کے تحت میں بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ امام فخر الدین رازیؒ نے ذکر فرمایا ہے۔ از

امت محمدیہ ہے۔ ایسی نبوت جامعہ اور ریاست عامہ اور دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی؟ صاحبِ کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کا امر الٰہی جاری ہوا۔ صاحب کوثر وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعتِ ربانی فرمایا گیا۔

کوثر سے مراد اسلام ہے۔ وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالےٰ کے حضور میں مقبول و منظور ہی نہیں۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۳)

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ حوضِ کوثر کا نام حوضِ کوثر اللہ تعالےٰ نے اسی وجہ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اس میں ہر طرح کی کثرت و فراوانی ہے، خیر کثیر ہے۔

۲۴۶۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کیوں خلیفۂ اوّل منتخب ہوئے؟

ابوبکر خلیفۂ اوّل کی کنیت ہے۔ + صدیق معنے سچا۔ + خلیفہ معنے جانشین، کسی کی جگہ پر بعد اس کی وفات کے مقرر ہونے والا۔ + منتخب معنے انتخاب کیا گیا، برگزیدہ مقبول۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے خلیفۂ اوّل چنے جانے پر بہت سی باتیں جو بلا وجہ کی پیدا کر لی گئی ہیں کہی جاتی ہیں جن کی نہ کوئی صحیح دلیل ہے اور نہ ہی وہ باتیں اس قابل ہیں جن پر کوئی توجہ دی جا سکے۔ تاہم اس سلسلے میں ہم کچھ مختصراً عرض کر رہے ہیں جو آپ کے خلیفۂ اوّل ہونے یا انتخاب کیے جانے کے لیے کافی اور ضروری معلوم ہوا۔

"آپ کا نام عبداللہ ہے۔ ابوبکر کنیت ہے۔ صدیق آپ کا خطاب ہے، عتیق علم المصاحب الغار لقب ہے۔ مشہور روایات میں سے ہے کہ لوگوں میں سے سب سے پہلے آپ ہی اسلام لائے تھے۔ ان کے ذریعہ سے جو بھی لوگ مشرف باسلام ہوئے ان میں سے کئی بزرگ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔ یہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے مکہ میں سب سے پہلے مسجد تعمیر کی، جب کفار مسلمانوں کو کعبہ میں داخل نہ ہونے دیتے تھے۔ انھوں نے اپنے مال سے حضرت بلالؓ و حضرت عامر بن فہیرہ جیسے سات قدیم الاسلام بزرگوں کو کفار کی غلامی سے آزاد کرایا تھا۔ یہی شب ہجرت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غارِ ثور میں تھے۔ ان ہی کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ان ہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر میں اپنے ساتھ عریش میں ٹھہرایا تھا۔ ان ہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضیت حج کے بعد پہلے ہی سال میں امیر الحجاج مقرر فرمایا ہے۔ ان ہی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے (مرض الموت میں) اپنی جگہ امام نماز مقرر فرمایا تھا۔ ان ہی کے انتظام سے اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور طلحہ اسعدی کے جھوٹے نبوت کے دعاوی برباد ہوئے۔ طلحہ بعد توبہ اسلام میں داخل ہوا۔ ان ہی کے وقت میں عراق نیز شام کا کچھ حصہ فتح ہوا۔

ان واقعات و حالات کے علاوہ اور بہت سے واقعات آپ سے منسلک ہیں جن کی بناء پر آپ کو خلیفۂ اوّل منتخب کیا گیا۔ آپ ہی سب سے پہلے رسول اللہ صلعم کے خلیفہ ہوئے اور صرف انہی کو خلیفہ رسول اللہ صلعم کے لقب سے مخاطب کیا گیا باقی ہر سہ خلفائے راشدین صرف امیر المومنین کہلائے۔" (رحمۃ اللعالمینؒ)

عادت معنے خو۔ خصلت۔

۲۷۴۔ حضور صلعم کی عادتِ مبارکہ:۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ پر کچھ تحریر کرنا اپنی طاقت و فہم سے بہت دور ہے۔ اس لئے نہایت ہی مختصر کچھ عرض کر رہا ہوں۔ صحیحین میں ابنِ مسعودؓ سے مروی ہے کہ:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اصول از راہ شفقت تھا کہ سامعین جس قدر بھی

سنیں نشاط طبع اور حضورِ قلب سے سُنیں اور آئندہ کے لیے شوق باقی رہے۔

عادتِ مبارکہ تھی کہ جب حالتِ نماز میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سُن پاتے تو نماز ہلکی فرما دیتے کہ ماں بچہ کو جلد سنبھال سکے۔ (کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اُس وقت مستورات بھی نماز پڑھا کرتی تھیں۔)

عادتِ مبارکہ تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پیدل چلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے لیئے تمنا کیا کرتے تھے۔ یا تو اسے سوار کرا لیتے تھے اور یا پھر اُسے واپس لوٹا دیتے تھے۔

آپؐ کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تھا تو اس کا قرض بیت المال سے اُس کے دفن ہونے سے قبل ہی ادا فرما دیا کرتے تھے۔ مگر خود کسی مُردہ کا مال قبول نہیں فرمایا کرتے تھے۔

آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ کسی کی غیبت میرے سامنے نہ کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔

بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات اُمت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی، چھوٹے بچوں کو پیار کیا کرتے، ان کو خود سلام کرتے۔ ان کے سر پر دستِ شفقت رکھتے۔ گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے۔ غلاموں کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔

ان سب امور کا ظہور از راہِ شفقت ہوا کرتا تھا۔ اور اس بلند ترین رافت (مہربانی) و رحمت کا ظہور حضورؐ پُر نور کے خصائص میں سے تھا۔

۲۸۴۔ **حضور صلعم خاتم النبیین ہیں:۔** قرآن الحکیم میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے:۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (الاحزاب ع ۵)

کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ (اس آیت کا ترجمہ بھی یہی ہے کہ:۔

لیکن (آپ) اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔)

یہ ایک عجیب پیش گوئی ہے اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت منجانب اللہ موجود ہے۔ ایران کو دیکھو۔ وہاں ہزاروں سال تک متواتر سروش آسمانی (نام جبریل علیہ السلام) اور ہر فرشتہ جو پیغام خوشی کا لادے) کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔

ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک لاکھوں مہارشی ایسے ہوئے جن پر آکاش بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل کے حالات پڑھو۔ جہاں جہاں ایک ایک وقت میں دو دو چار چار نبی موجود پائے گئے۔ مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت ورسالت ہونے کے دعاوی کو بلند کیا، لیکن جب سے کلام اللہ تعالےٰ میں آیتِ زیرِ عنوان کا اعلان ہوا ہے اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے، اُس وقت سے ان سب مذاہب اور ادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیئے۔

مجوسی اب کیوں کسی شخص کو جلاسپ وزرتشت کے اورنگ (یعنی تختِ شاہی) پر نہیں بٹھلاتے۔ آریہ ورت اب کیوں آکاش بانی کا ایک حرف بھی نہیں سنتا۔ بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

یہ سب قدرتِ الہٰیہ کا روشن کارنامہ ہے۔ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے بھی یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، نبی، رسول، اوتار کہا جائے۔

دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ، یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔

۲۴۹۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ :-

+ امام معنے پیشوا، ہادی
اعظم معنے بہت بڑا۔

ہم اپنے معزز ناظرین حضرات کی مزید معلومات کے لیئے ائمہ اربعہ رح کی مختصراً سوانح حیات سپردِ قلم کرتے ہیں۔ تاکہ واقعات کے ساتھ ساتھ ائمہ حضرات کے متعلق بھی واقفیت بہم پہنچ سکے۔ اس لیے نہایت مختصر طور پر کتاب موسومہ "مذاہب ائمہ اربعہ رح" سے ان چاروں ائمہ حضرات کے حالات و کیفیات اخذ کر کے پیش کریں گے۔ سب سے پہلے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پیش کرتے ہیں۔
آپ کا اسم گرامی نعمان بن ثابت الکوفی ہے۔ نسلاً فارسی، آپ کی ولادت ۸۰ھ اور وفات ۱۵۰ھ ہجری کا ہے، پیدائش کوفہ میں اور وفات بغداد میں ہوئی اور اسی جگہ مدفون ہوئے۔

آپ ابتدائی دور میں کپڑے کی بڑی تجارت کرتے تھے۔ جس میں نمایاں طور پر حسن معاملگی کے ساتھ یہ کاروباری زندگی اختیار کیئے ہوئے تھے۔ جب علم کی جانب توجہ فرمائی تو سب سے پہلے علم کلام اور علم حدیث کی جانب توجہ فرمائی اور بعد میں فقہ کو اختیار فرمایا۔

آپ کے مشائخ میں حضرت حماد بن ابی سلیمان، عطا بن رباح، نافع، مولیٰ بن عمر رض و دیگر شیوخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ تھے۔ آپ کو فقاہت میں شہرتِ تامہ حاصل ہوئی۔ زہد و تقویٰ میں بھی ایک عجیب شان رکھتے تھے۔

حضرت جعفر بن ربیع رح ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے امام اعظم رح کے یہاں پانچ سال تک قیام کیا لیکن میں نے اُن سے زیادہ خاموش آدمی نہیں دیکھا، لیکن جب ان سے فقہ کے متعلق سوال کیا جاتا تھا تو نالے کی طرح بہنے لگتے تھے۔ اور غلغلہ انگیز گفتگو کرتے تھے۔ وہ فقہ کے امام تھے۔

حضرت امام اعظم رح فقہ میں سب کے باپ ہیں اور فقہاء آپ کی عیال۔ آپ اپنے تلامذہ کی مجلس فقہی میں فقہ پر تلامذہ کے ساتھ بحث و تمحیص کرتے تھے۔ اور

مسائل کا استنباط اور استخراج کرتے تھے، بحث و مناظرہ کے بعد جن مسائل پر اتفاقِ رائے قائم ہو جاتا اس کو اتفاقی صورت میں ضبط کر لیا جاتا اور جن پر اختلاف رائے رہتا اس کو اختلاف کے ساتھ تحریر کر لیا جاتا۔ اس طور طریق سے حضرت امام اعظمؒ کے تلامذہ میں شانِ اجتہاد اور شانِ استخراج و استنباطِ مسائل کو خوب نکھار دیا تھا اور ملکۂ اجتہاد نے ایک اعلیٰ ترین صورت حاصل کر لی تھی۔

بعد میں حضرت امام اعظمؒ کے تلامذہ نے باقاعدہ فقہ کو مدوّن (جمع کیا) اور مرتب کیا۔ مشاہیر تلامذہ میں چند کے نام یہ ہیں:۔ حضرت امام ابو یوسفؒ وفات ۱۸۹ھ، امام زفر بن ہذیلؒ۔ ولادت ۱۱۰ھ کوفہ میں ہوئی اور وفات ۱۵۸ھ میں، حسن بن زیادؒ۔ وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

۲۵۰۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:۔ آپ کا نام نامی مالک بن انس بن مالکؒ ہے۔

سلسلۂ نسب یمنی قبیلہ ذی اصبح تک منتہی ہوتا ہے۔ آپ کے اجداد میں سے مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے، اسی لئے آپ کا وطن مبارک مدینۃ المنورہ ہے۔ اور آپ کے دادا ابو عامرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں تھے۔ یہ آپ کی بڑی اونچی خصوصیت ہے۔ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔

امام مالک کی ولادت باسعادت ۹۳ھ مدینۃ المنورہ میں ہوئی۔ مدینہ علم و عمل میں اس وقت سب سے اونچا مقام رکھتا تھا۔ اور وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

مشائخ میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔ عبد الرحمان بن ہرمزؒ۔ حضرت نافعؒ۔ مولیٰ ابن عمرؓ، ابن شہاب زہریؒ۔ ربیعہ بن عبد الرحمٰن المعروف بہ ربیعۃ الرائے۔

جب فقہ و حدیث میں کامل اور اکمل ہو گئے اور شیوخ نے آپ کو اجازت افتاء (فتویٰ دینے) کی دے دی۔ اس وقت آپ مسندِ درس و تدریس و افتاء

پر جلوہ فرما ہوئے۔ (یعنی احادیث کا علم پڑھانے اور فتویٰ دینے لگے) ستر مشائخ اور اساتذہ نے آپ کو اس کی اجازت دی' اور آپ میں اس کے اہل ہونے کی شہادت دی تھی۔

آپ نے درس و تدریس کو ابتداءً مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جاری کیا۔ اور بعد میں بعض وجوہات کے پیش نظر مکان میں مجلسِ درس قائم کی۔ آپ کا اصولِ درس و تدریس حضرت امام اعظمؒ کے طریقہ کے خلاف تھا۔ یعنی اس میں تلامذہ کو بحث و تمحیص کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ اور نہ اس میں رائے زنی ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات میں آپ میں اور آپ کے تلامذہ (شاگردوں) کے مابین اختلاف فی المسائل نہ ہوا' اور جو اقوال مالکیہ مسلک میں اختلافی منقول ہیں وہ آپ کی وفات کے بعد ہوئے۔

حضرت امام مالکؒ کا فقہ احادیث' آثار و سنن اور مدنی تعامل کی بنیاد پر ہے اور اسی کو آپ سے جمع کیا گیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرضی صورتوں پر رائے دینے کے حق میں نہ ہوتے' بلکہ جو واقعات در پیش ہوں اس پر حکم فقہی طور پر بیان فرماتے۔ اور فتویٰ صادر فرماتے تھے۔ آپ کے مذہب و مسلک کے ستون (تلامذہ) چند یہ ہیں:۔ ابو محمد عبداللہ بن وہب ولادت ۱۲۵ھ اور وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی۔ ابو عبداللہ عبدالرحمن بن قاسمؒ متوفی ۱۹۱ھ۔ اشہب بن عبدالعزیزؒ ولادت ۱۴۰ھ اور متوفی ۲۰۴ھ ابو محمد عبداللہ بن عبدالحکیمؒ ولادت ۱۵۵ھ اور وفات ۲۱۴ھ۔ اصبغ بن الفرح الاموی ؒ وغیرہم۔

۲۵۱۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:۔

آپ کا نام مبارک ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس الشافعیؒ۔ ولادت ۱۵۰ھ اور وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ جائے وفات مصر ہے اور جائے ولادت عسقلان کے صوبہ غزہ الور جائے پرورش مکۃ المکرمہ ہے۔ اور اسی جگہ تعلیم و تربیت پائی۔

مکۃ المکرمہ میں مشہور و معروف شیخ مسلم بن خالد مفتی مکہؒ سے فقہ میں دسترس حاصل کرلی تھی جس وجہ سے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت عنایت فرمادی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ بعدازاں آپ نے مدینۃ المنورہ کا سفرِ علمی اختیار فرمایا۔ اور امام مالکؒ سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد یمن تشریف لے گئے اور عمر بن ابی سلمہؒ سے استفادہ کیا۔

درمیانی زمانہ معاشی حالات کے پیشِ نظر کافی پریشانیوں کے ساتھ گزرا۔ مگر تعلیم کا سلسلہ قائم رکھا۔ سرکاری طور پر آپ پر الزام بھی قائم ہوا مگر بے بنیاد ہونے کی وجہ سے اس سے آپ بری ہوئے۔ جس میں حضرت امام محمدؒ نے بہت زیادہ توجہ سے کام لیا۔ اور اس کے بعد برابر آپ کی مہربانیاں ان پر ہوتی رہیں۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے بھی حضرت امام محمدؒ کی صحبت کو لازم کر لیا۔

آپ کے شیوخ میں مسلم بن خالدؒ، سفیان بن عینیہؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ ابن ابی وہبؒ۔ آپ نے علمی اسفار (سفر) خوب کیے، ابتدا میں آپ عراقی فقہ سے متأثر تھے۔ اور بعد میں آپ نے جب مصر میں طویل قیام فرمایا تو اجتہاد و قیاس میں کافی تبدیلی ہوگئی اور آپنے جدید فقہ (جو کہ آج تک مستقل مذہب ہے) یہاں مصر میں اپنے تلامذہ کو املاء کرایا جو کہ آپ سے آپ کے تلامذہ نے نقل فرمایا۔ آپ کے تلامذہ میں مشہور و معروف چند کے نام یہ ہیں:۔ ابو ثور ابراہیم بن خالدؒ۔ وفات ۲۴۶ھ یا ۲۴۰ھ احمد بن حنبلؒ۔ حسن بن محمد بن مصباحؒ متوفی ۲۶۰ھ، ابو علی الحسین بن علیؒ۔

داؤد بن علی ظاہریؒ، ابو عثمان بن سعیدؒ متوفی ۲۸۸ھ، ابو العباس احمد بن عمرؒ متوفی ۳۰۶ھ، ابو جعفر محمد بن جریر الطبریؒ، یوسفؒ بن یحییٰؒ۔ وفات ۲۳۱ھ ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ المزنی المصریؒ ولادت ۱۷۵ھ اور ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

۲۵۲۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ:۔ آپ چوتھے امام ہیں۔

آپ کا اسم گرامی احمد بن حنبل بن ہلالؒ۔ ولادت ۱۶۴ھ بمقام بغداد ہوئی۔ اور وفات ۲۴۱ھ۔

آپ نے فقہ اور حدیث حضرت ہشیمؒ، سفیان بن عینیہؒ، اور حضرت امام شافعیؒ (وغیرہم) ائمہ کبار (بڑوں اور بزرگ) اہل علم سے حاصل کیا۔

حضرت امام شافعیؒ آپ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ "میں بغداد سے نکلا تو وہاں احمد بن حنبلؒ سے زیادہ افضل، زیادہ عالم اور زیادہ فقیہ کسی شخص کو نہیں چھوڑا۔

جب حضرت امام شافعیؒ بغداد تشریف لائے تو ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی آپ اونچے درجے کے فقیہ بھی ہیں مگر زیادہ شہرت آپ کو حدیث میں حاصل ہوئی۔ امام احمد بن حنبلؒ سے لوگوں نے ان کے مذہب کی روایت کی ہے۔ ان میں سے چند مشہور اسماء یہ ہیں۔

ابوبکر احمد بن محمد بن ہانیؒ المعروف الاثرم، احمد بن محمد بن الحجاج المعروفؒ اسحاق بن ابراہیم المعروف ابن راہویہؒ۔

"خ"

خطبہ معنے وہ کلام جس میں حمد خدا اور نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پند ونصیحت

۲۵۳۔ خطبہ کی اہمیت:۔ برائے خلائق کے ہو۔ + اہمیت معنے جس کی بڑی ضرورت ہو۔ جو بہت اہم ہو۔

جمعہ کی نماز سے پہلے امام منبر پر بیٹھے اور اس کے سامنے مؤذن (اذان پڑھنے والا) اذان کہے۔ جب اذان ہو چکے تو امام نمازیوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور خطبہ پڑھے۔ واضح ہو کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے اور عیدین کا خطبہ نماز عیدین کے بعد میں پڑھا جاتا ہے۔

خطبہ میں دو فرض ہیں۔ ایک وقت اور دوسرا اللہ کا ذکر۔ یہ سب باتیں جو درج ذیل کی جارہی ہیں جب امام خطبہ کے ارادہ سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر چل دے

تو مکروہ ہیں۔ خطبہ کے وقت بات چیت کرنا، خطبہ میں اشعار پڑھنا، سنت یا نفل پڑھنا، کھانا اور پینا، کسی کی بات کا جواب دینا۔ حتٰی کہ سلام کا جواب دینا، عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ پڑھنا، قرآن مجید پڑھنا، اور جو کام خطبہ میں خطبہ سننے میں نقصان دے؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن فرشتے دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں اور سب سے پہلے جو آتا ہے اس کو پھر اس کے بعد دوسرے کو اسی طرح درجہ بدرجہ سب کا نام لکھ لیتے ہیں اور سب سے پہلے جو آیا اس کو ایسا ثواب ملتا ہے جیسے اللہ تعالےٰ کی راہ میں اونٹ قربانی کرنے والے کو اس کے بعد پھر جیسے بکرے کی قربانی کرتے ہیں، پھر جیسے اللہ تعالےٰ کے واسطے مرغ ذبح کرتے ہیں، پھر جیسے اللہ تعالےٰ کی راہ میں کسی کو انڈا صدقہ دیا جائے، پھر جب خطبہ ہونے لگتا ہے تو فرشتہ وہ دفتر بند کر لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سب سے پہلے جو جاتا ہے اُس کو، پھر اس کے بعد جو پہلے جاتا ہے اُس کو لکھنے لگتا ہے اور سب سے اوّل جو جائے اُس کے ثواب کی مثل اُس شخص کے سی ہے جو اونٹ قربانی کرے۔ پھر اُس کے بعد جو جائے گا اس کی مثال اُس کے مانند ہے جو گائے کی قربانی کرے، پھر جیسے مینڈھا ہدیہ کرے، پھر مرغی، پھر انڈا، پس جب حضت امام نکل آتا ہے تو فرشتے اپنے دفتروں کو لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔

خلافت معنے جانشینی۔

۲۵۴۔ خلافتِ داؤدی :-

"حضرت داؤد (علیہ السلام) سے قبل بنی اسرائیل میں یہ سلسلہ قائم تھا کہ حکومت ایک سبط (یعنی خاندان) سے وابستہ تھی۔

اور نبوت و رسالت دوسرے سبط سے، یہودا کے گھرانے میں نبوت چلی آتی تھی اور افراہیم کے خاندان میں حکومت و سلطنت، داؤد علیہ السلام پہلے شخص ہیں جن کے اندر خدائے تعالیٰ نے یہ دونوں نعمتیں یکجا جمع کر دی تھیں۔ وہ خدا کے پیغمبر اور رسول بھی تھے اور صاحب تخت و تاج بھی۔ چنانچہ قرآن عزیز نے حضرت داؤد علیہ السلام کے اس شرف کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔ وَآتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ۔ (البقرہ) ترجمہ:۔ اللہ نے اُن کو حکومت بھی عطا کی اور حکمت (نبوت) بھی اور اپنی مرضی سے جو چاہا سکھایا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے:۔ يٰدَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (ص) ترجمہ:۔ اے داؤد! بے شک ہم نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا ہے۔

انبیاء و رسل میں حضرت آدم (علیہ السلام) کے علاوہ صرف حضرت داؤد (علیہ السلام) ہی وہ پیغمبر ہیں جن کو قرآن عزیز نے "خلیفہ" کے لقب سے پکارا ہے۔ تحقیق و کاوش کے بعد حضرت داؤد (علیہ السلام) کی اس امتیازی خصوصیت کی حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ جبکہ بنی اسرائیل میں صدیوں سے قائم شدہ رسم کے خلاف حضرت داؤد (علیہ السلام) میں نبوت و رسالت کے ساتھ حکومت و سلطنت بھی جمع کر دی گئی تو ضروری تھا کہ اُن کو ایک ایسے لقب سے پکارا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفاتِ علم و قدرت کا مظہر اتم ہونے پر صراحت کرتا ہو، اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لیے شریعت حقّہ کی اصطلاح "خلیفہ" سے بہتر اور کوئی لفظ نہیں ہو سکتا تھا۔

الحاصل حضرت داؤد علیہ السلام، بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کی خدمت بھی سرانجام دیتے اور اُن کی اجتماعی حیات کی نگرانی کا فرض بھی ادا فرماتے رہے۔"

(قصص القرآن ج ۲)

۲۵۵۔ خلیفۃ اللہ اور طاغوتی بادشاہ میں فرق :۔ خلیفۃ اللہ معنے اللہ

کا نائب۔ + گمراہ حکمراں کو طاغوتی بادشاہ کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ ہمیشہ "خلیفۃ اللہ" اور "طاغوتی بادشاہ" کے درمیان یہ فرق نظر آئے گا کہ خلیفۃ اللہ میں ہمہ قسم کی (خوش تدبیریاں ہر طرح کی) سطوت و شوکت (دبدبہ و شان) کے باوجود فروتنی (عاجزی)، تواضع اور خدمتِ خلق نمایاں خدوخال کے ساتھ پائے جائیں گے، اور طاغوتی بادشاہ میں کبر، انانیت، جبر اور قہرمانیت (یعنی بڑائی، خود بینی، ظلم وستم اور زور زبردستی) کا غلبہ ہوگا اور وہ مخلوقِ خدا کو اپنی راحت اور عیش کوشی کا آلۂ کار سمجھے گا۔

۲۵۶۔ خود زخمی کر کے اُس کی اُجرت طلب کرنا :۔ زخمی معنے گھائل

آدمی۔ + اُجرت معنے صلہ، مزدوری۔ + طلب کرنا معنے مانگنا۔

واضح ہو کہ ہم اپنے محترم دوستوں اور معزز ناظرین کے سامنے ایک ایسی عجیب وغریب حکایت کو اس عنوان کے تحت پیش کر رہے ہیں کہ جس کے مطالعہ سے نہ صرف ایک قوم کی عادت وخصلت سے واقفیت ہوگی بلکہ تھوڑی دیر کے لیے ایک ایسی ہنسی سے بھی ہمکنار ہوں گے جو ہنسی کے ساتھ ساتھ ایک افسوس کا پہلو بھی لیے ہوئے ہوگی۔ گو اس واقعہ کا تعلق ہماری نظر میں بس ایک حکایت ہی ہے اور اس کے علاوہ اس کے صحیح یا غلط ہونے کا تعلق کچھ نہیں ہے۔ یہ ہماری رائے ہے واللہ اعلم۔ لیکن چونکہ یہ حکایت ایک ایسی کتاب میں درج ہے جو قابل مطالعہ بھی ہے۔ اور قابل اسناد بھی ہے۔ اس لیے ہم بھی یہاں پر اس کتاب موسومہ "قصص القرآن جلد اول" سے اخذ کر کے تحریر کر رہے ہیں۔ گو یہ واقعہ درست نہ سہی لیکن اُس قوم کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو اہلِ سدوم یعنی قوم لوط علیہ السلام ہے۔ اور ایسے واقعات سے یہ روشنی ضرور پڑتی ہے کہ اہل سدوم اس قدر ظلم

فحش، بے حیائی، بداخلاقی اور فسق و فجور میں مبتلا تھے کہ اُس زمانہ کی قوموں میں اُن کی جانب اس قسم کے واقعات منسوب کیے جاتے تھے۔ واقعہ درج ذیل ہے:۔

"عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ میں نے عبرانی ادب کی ایک کتاب میں ان کی بعض بداعمالیوں کا حال پڑھا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سدوم کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک نئے اور اچھوتے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے۔ اُن کا طریقہ یہ بھی تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اُس کے مال کو دیکھنے کے بہلانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا، اور تاجر بے چارہ حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا۔ اب اگر اس نے اپنے ضیاعِ مال (کھوئے ہوئے مال) کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لیٹروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی ایک دو چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو یہ لے گیا تھا۔ لو تمہاری یہ چیز موجود ہے۔ وہ رنجیدہ آواز میں کہتا کہ میں اس کو لے کر کیا کروں گا۔ جہاں میرا سب مال لٹ گیا وہاں یہ بھی سہی۔ جا تو ہی اپنے پاس رکھ۔ جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو اب دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی سی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا۔ اور سوداگر رنج و غم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کر کہہ دیتا۔ اسی طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔

اُسی کتاب میں یہ عجیب قصہ بھی نقل کیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور سارہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک مرتبہ حضرت لوط (علیہ السلام) کی عافیت و خبر معلوم کرنے کے لیے اپنے خانہ زاد الیعرز دمشقی کو سدوم بھیجا۔ یہ جب بستی کے قریب پہنچا تو اجنبی سمجھ کر ایک سدومی نے اس کے سر پر پتھر کھینچ مارا۔ الیعرز کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ تب آگے بڑھ کر سدومی کہنے لگا کہ میرے پتھر کی وجہ سے تیرا سر سرخ ہوا ہے لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ ادا کر، اور اس مطالبہ کے لیے کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا۔ (سدوم حضرت لوط علیہ السلام کے شہر کے قاضی

کا نام تھا جس نے اعلام کا فتویٰ دیا تھا۔) حاکم سدوم نے مدعی کا بیان سن کر کہا کہ بیشک الیعزر کو سدومی کے پتھر مارنے کی اجرت، دینی چاہیئے۔ الیعزر یہ سُن کر غصہ میں آگیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دے مارا اور کہنے لگا کہ میرے پتھر مارنے کی جو اُجرت ہے وہ تو اس سدومی کو دے دینا اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

(بستانی ص ۱۴۶)

۲۵۷۔ خلافت کا بار اور اُس کا احساس :-

خِلافت معنی جانشینی کسی کی جگہ پر بعد اس کی وفات کے بیٹھنا۔ + بار لغوی معنی بوجھ اصطلاحاً ذمہ داری۔ + احساس معنے چھونا۔ حِس کرنا۔ آگاہ ہونا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کا یہ حال تھا کہ جس دن سے جنگ قادسیہ شروع ہوئی تھی صبح ہوتے ہی مدینہ سے باہر نکل جاتے تھے اور دوپہر ڈھلے تک قاصد کا انتظار کرتے تھے۔ معمول کے مطابق ایک دن مدینہ کے باہر کھڑے ہوئے قاصد کے انتظار میں راستہ دیکھ رہے تھے۔ دُور سے ایک شتر سوار نظر آیا۔ دوڑ کر اُس سے پوچھا "کہاں سے آرہے ہو۔" "مَیں قادسیہ سے آرہا ہوں۔ سعد رضؓ نے مژدۂ فتح لے کر مجھے بھیجا ہے۔" ابن اثیر نے لکھا ہے کہ شتر سوار کا رکاب پکڑے ہوئے عمر فاروق دوڑتے جاتے تھے اور بار بار حال پوچھتے جاتے تھے۔ جب مدینہ میں پہنچے تو شتر سوار نے دیکھا کہ جو لوگ ملتے ہیں وہ ان کو امیرالمومنین کہہ کر پکارتے ہیں۔ خوف سے قاصد کانپ اٹھا اور کہا کہ "حضرت نے مجھے اپنا نام کیوں نہ بتایا۔ مجھ سے بہت بڑی گستاخی ہوئی۔" عمر فاروق رضؓ نے کہا۔ "بھائی! کوئی حرج نہیں ہے تم سلسلہ کلام منقطع نہ کرو۔" چنانچہ اسی طرح اُس کے رکاب کے ساتھ ساتھ مکان تک آئے۔ ایک مجمع عام میں فتح کی خوش خبری سنائی اور ایک نہایت پُراثر تقریر کی۔ جس کا آخری فقرہ یہ تھا۔ "بھائیو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو اپنا غلام بناؤں۔ میں خود اللہ تعالےٰ کا غلام ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر ہے۔ اگر مَیں اس طرح پر تمہارا کام کروں کہ تم لوگ

آرام سے اپنے مکانوں میں سوؤ تو میری خوش نصیبی ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازہ پر حاضر رہو تو میری بدبختی ہے۔ مَیں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔" (حاشیہ ابن خلدونؒ)

کیا ہم لوگ آج اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہیں؟ میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہم سب کو دین کی ذمہ داری کا احساس کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

۲۵۸۔ خوشبو :- خوشبو معنے اچھی بُو۔ دل کو خوش کرنے والی مہک۔

"حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عطردان تھا۔ اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو پھیلی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب۔" (معمولاتِ نبویؐ)

۲۵۹۔ خُدا کی ذات وصفات :- صفات جمع ہے صفت کی بمعنی تعریف۔ + وَحدانیّت

معنے واحد ہونا۔ ایک ہونا۔ ذات معنے اصل ہر شے کی۔

"ہم مخلوقات میں دیکھتے ہیں کہ کثافت (یعنی اکٹھا، موٹا اور گاڑھا ہونے) کے باوجود متعدد اشیاء کے اعتبار سے ایک شے کے لیے ہزاروں صفات و القاب ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک آدمی کسی کا باپ، کسی کا بھائی، کسی کا خاوند، کسی کا چچا اور کسی کا بھتیجا کہلاتا ہے۔ ان تمام مختلف القاب کے باوجود یہ شخص، شخصِ واحد ہی رہتا ہے۔ اور اُس کے ایک ہونے میں فرق نہیں پڑتا۔ پس جب کثیف چیزوں کا یہ حال ہے تو ظاہر ہے خدا کی صفات کے تعدد سے اُس کی ذات میں کس طرح تعدد پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ تو تمام موجودات سے زیادہ لطیف (یعنی عمدہ و پاکیزہ) بلکہ سرچشمہ لطافت ہے۔ اور اُس میں کوئی شبہ نہیں کہ بہ نسبت کثیف کے لطیف میں تعدد نکثر بہت ہوتا ہے۔ اس سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکل آتا ہے کہ

وہی ایک ذاتِ خداوندی ہے جو کسی جہت (یعنی طرف) سے خالق کسی وجہ سے رازق اور کسی لحاظ سے متکلم اور کسی اعتبار سے رحمٰن اور قہار و جبار ہے۔

اسی حقیقت کو ایک اور واضح تر مثال سے سمجھئے، آفتاب کو طلوع کے وقت دیکھئے، کتنا بڑا اور انگاروں کی طرح سرخ اور بے شعاع نظر آتا ہے۔ پھر بلند ہو کر سفید نظر آتا ہے اور مقدار میں چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب غروب ہونے لگتا ہے تو زرد بن جاتا ہے۔ ان سب صورتوں میں یونہی کہتے ہیں کہ آفتاب کو دیکھا۔ اب غور کیجیے! کیا یہ تمام تغیرات آفتاب میں ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ زردی، سرخی، مقدار کا بڑا ہونا، اور چھوٹا ہونا۔ یہ سب ہماری نظر کے تاثرات و انفعالات (یعنی اثر قبول کرکے اُن کو ایسے ہی سمجھنے کے) ہیں جو آفتاب کے ایک خاص جہت میں نظر آنے اور اس کی شعاعوں کے زمین تک پہنچنے اور اُن شعاعوں کے زمین پر عمودی (سیدھی) شکل میں یا ترچھے پڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ورنہ آفتاب ان تمام حالات میں یکساں رہتا ہے اور اس کی مقدار میں نہ زیادتی ہوتی ہے اور نہ کمی، پس جس طرح آفتاب ایک متعین رنگ رکھنے کے باوجود، مختلف الوان و صُوَر (یعنی رنگ اور صورت) میں جلوہ نما ہوتا ہے اور طرح طرح سے تجلی کرتا ہے۔ ایسے ہی حضرت باری عز اسمہٗ ذات واحد ہے۔ اُس میں کسی قسم کا تعدد نہیں، لیکن با ایں ہمہ تجلیاتِ متعددہ رکھتا ہے اور ان تجلیات سے کام صفات کا نکلتا ہے۔" (وحی الٰہی)

۲۶۰۔ خدا کی عبادتِ الٰہی بپتسمہ ہے:- عبادت معنے پرستش کرنا۔ + بپتسمہ معنے غوطہ دینا، رنگنا۔

عیسائیوں میں قدیم دستور ہے کہ جب وہ کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں یا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو حوض میں غوطہ دیتے ہیں۔ بعض عیسائی اسی پانی میں کچھ زرد رنگ ڈال دیتے ہیں اور صرف اس سے رنگین کرنے پر ہی

لبس کرتے ہیں اس کو بپتسمہ کہتے ہیں۔
حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بائیبل میں یوحنا بپتسمہ دینے والا لکھا جاتا ہے آپ ہوش سنبھالنے کے بعد بیابان میں ہی رہے۔ جنگلی شہد اور ٹڈ کو خوراک بنا رکھا تھا۔ بیابان میں وعظ و تذکیر کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ توبہ لینے کے وقت تائب (یعنی توبہ کرنے والے) کو پانی میں غسل دلایا کرتے تھے۔ بپتسمہ کی رسم یہیں سے جاری ہوئی۔
اسلام میں عبادتِ الٰہی بپتسمہ ہے اور یہ عبادت انسان پر ایسا رنگ چڑھا دیتی ہے کہ وہ سوائے خالقِ مطلق کے اور کسی کی عبادت و بندگی نہیں کرتا۔ کیا خدا سے اچھا بھی کوئی رنگ دینے والا ہے؟ ہرگز نہیں! قرآن مبارک کی سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ (البقرہ ع ۱۶) ترجمہ: ہم نے خدا ہی کا رنگ اختیار کیا ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر بھی کوئی اچھا رنگ دینے والا ہے؟ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

۲۶۱۔ **خادمِ بیت اللہ:۔** خادم معنے خدمت کرنے والا۔ + بیت اللہ معنے اللہ تعالیٰ کا گھر یعنی کعبۃ اللہ۔ +
خادم بیت اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرنے والے۔
اللہ تعالیٰ نے عربوں کو بڑی عزت عطا فرمائی ہے اور اس عزت اور احترام کا سب سے بڑا کرم اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہی ہے کہ وہ خادم بیت اللہ ہیں۔ انہی میں سے اللہ جل جلالہٗ نے اپنے آخری رسول صلعم کو نبوت عطا فرمائی ہے جو سارے عالم کے لیے رحمۃ اللعالمین کے لقب سے یاد فرمائے جاتے ہیں یہی وہ ارضِ مقدس ہے جہاں سے اللہ کے دین یعنی دینِ اسلام کی دعوت کا پیغام ساری دنیا کو پہنچایا گیا ہے۔ پھر کیوں نہ عرب عزت مند ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔ کہ عربوں سے نفرت نہ کرو۔ جو لوگ عربوں سے

نفرت کرتے ہیں گویا وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے جنھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:۔ اے سلمان! مجھ سے دشمنی نہ رکھنا ورنہ اپنے دین سے محروم ہو جاؤ گے۔"

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! بھلا آپؐ سے کیسے دشمنی رکھ سکتا ہوں جبکہ آپؐ ہی کے ذریعہ اللہ تعالٰی نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔

"اگر تم عربوں سے بغض و عداوت رکھو گے تو وہ گویا مجھ سے ہی دشمنی رکھنا ہوگا۔"

بہرحال اللہ جل شانہ نے عربوں کو خادم بیت اللہ ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اور وہ قابلِ احترام و عزت ہیں۔ الحاصل یہ کہ مکہ میں غلہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس لیئے قریش کی عادت یہ تھی کہ سال بھر میں تجارت کے لیئے دو سفر کیا کرتے تھے۔ ایک سفر جاڑوں میں یمن کی طرف کہ وہ گرم ملک ہے اور گرمی میں دوسرا سفر شام کی طرف کہ وہ سرد زمین ہے اور لوگ ان کو اہلِ حرم اور خادم بیت اللہ سمجھ کر ان کی حرمت کیا کرتے تھے اور ان کے مال و جان سے کوئی تعرض (چھیڑ) نہ کرتے تھے۔ سامان غلہ دیتے وقت ہر طرح کا خیال رکھتے تھے اس لیئے خاطر خواہ نفع ہوتا۔ گھر بیٹھ کر کھاتے اور کھلاتے تھے۔ چونکہ بیت اللہ کے سبب ان کا ہر جگہ احترام ہوتا تھا۔ اس لیئے عربوں کو ہر طرح کی آسانیاں میسر تھیں۔

"دؔ"

۲۶۲۔ دو نور:۔ نور معنی روشنی۔ اور فارسی میں کبھی مراد چاند سے بھی۔

سورۂ فاتحہ کے فضائل بہت سی روایات میں وارد ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن شریف کی سب سے بڑی سورت

یعنی سب سے افضل اَلحَمدُ کی سات آیتیں ہیں، ایک دوسری روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس جیسی سورت نازل نہیں ہوئی۔ نہ توراۃ میں، نہ انجیل میں، نہ زبور میں، نہ بقیہ قرآن پاک میں۔

یہ سورت رب العالمین نے اپنے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ ان الفاظ میں اپنے خالق و رازق کے سامنے عرض مدعا کیا کریں۔

"مسلم شریف کی ایک حدیث میں ابنِ عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ آسمان کا ایک دروازہ آج کھلا ہے جو آج سے قبل کبھی نہیں کھلا تھا۔ پھر اس میں سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ یہ ایک فرشتہ نازل ہوا جو آج سے قبل کبھی نازل نہیں ہوا تھا۔ پھر اس فرشتہ نے عرض کیا کہ دو نوروں کی بشارت لیجیئے جو آج سے قبل کسی کو نہیں دیئے گئے۔ ایک سورۂ فاتحہ، دوسرا خاتمہ سورۂ بقرہ یعنی سورۂ بقرہ کا اخیر رکوع۔ ان کو نور اس لیئے فرمایا گیا کہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے آگے آگے چلیں گے۔"

۲۶۴۔ دو قطرے:- قطرے جمع ہے قطرہ کی بمعنی بوند۔ اصل میں قطرے یا قطرہ پانی کی بوند کو کہتے ہیں۔ لیکن ہم یہاں پر اس عنوان سے آنسوؤں یا خون کے قطرے سے بحث کریں گے۔ اور یہی مقصد ہمارا اپنے معزز ناظرین ہماری اس کتاب کو مطالعہ فرمانے والوں سے ہے۔ کہ وہ کون سے آنسوں یا خون کے قطرے ہیں جو ایک بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور جن کی قدر اللہ جلّ شانہٗ کے یہاں ہے۔

واضح ہو کہ آدمی کو کسی بھی وجہ سے روز روتا ہوا دیکھتے ہیں۔ کبھی کسی کو اور کبھی کسی کو۔ اور کوئی چوٹ لگ جانے سے بھی کسی نہ کسی کو روز ہی دیکھتے ہیں کہ اُس کے جسم سے خون کے قطرے ٹپکنے لگتے ہیں۔ ہمارا ایسے رونے یا ایسے خون کے قطروں

کے ٹپکنے سے مقصد اس جگہ بالکل نہیں ہے اور نہ آپ بھی اس کا قیاس فرمائیں۔ بلکہ وہ قطرے دوسرے ہی ہیں۔ اور وہ یہ کہ خدا کے خوف سے اور اس کے عذاب کے ڈر سے اگر ایک آنسو بھی آنکھ سے نکل آئے تو اللہ تعالےٰ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے۔

* ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالےٰ کو انسان کے دو قطروں اور اس کے دو نشانوں سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں۔ پس دو قطرے جو اللہ کو بہت پیارے ہیں۔ ان میں سے ایک تو آنسو کا وہ قطرہ ہے جو اللہ کے خوف سے کسی آنکھ سے نکلا ہو، اور دوسرا خون کا وہ قطرہ ہے جو راہِ خدا میں کسی کے جسم سے بہا ہو۔ اور جو دو نشان اللہ کو بہت محبوب ہیں ان میں ایک تو وہ نشان ہے جو راہِ خدا میں کسی کو لگا ہو۔ (یعنی جہاد میں زخم لگا ہو۔ اور اس کا نشان رہ گیا ہو) اور دوسرا وہ نشان جو اللہ کے فرائض ادا کرنے سے پڑ گیا ہو۔ (جیسا کہ نمازیوں کی پیشانیوں اور گھٹنوں میں ہو جاتا ہے)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :۔ ایسا آدمی کبھی دوزخ میں نہیں جا سکتا جو اللہ کے خوف سے رونا ہو۔"

الغرض خدا کا سچا خوف اور آخرت کی فکر اگر کسی کو حاصل ہو تو بڑی بات ہے اور اس خوف اور فکر سے آدمی کی زندگی سونا بن جاتی ہے۔

خوب سمجھ لیجیے کہ اس چند روزہ دنیا میں جو خدا سے ڈرتا ہے گا مرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں اس کو کوئی خوف اور رنج وغم نہ ہوگا اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ ہمیشہ خوش و خرم اور بڑے چین و آرام سے رہے گا۔ اور جو یہاں خدا سے نہ ڈرے گا اور آخرت کی فکر نہ کرے گا اور دنیا ہی کی لذتوں میں مست رہے گا وہ آخرت میں بڑے دکھ اٹھائے گا اور خون کے آنسو روئے گا۔

۲۶۴۔ دعوتِ ولیمہ :۔ دعوت معنی کسی شخص کو بلانا، کھانا کھلانے کے واسطے۔ + ولیمہ معنی شادی کا کھانا۔ بیاہ کی ضیافت۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ولیمہ کا کھانا پہلے دن (یعنے شب زفاف کے بعد) تو حق ہے۔ دوسرے دن کا کھانا بھی میری سنت ہے۔ لیکن تیسرے دن کا کھانا محض نمود اور دکھاوا ہے اور جو شہرت کی نیت کرے گا اللہ اسے بدنام اور اس کی تشہیر کرے گا۔ پھر فرمایا۔ بدترین دعوت وہ ہے جس میں امیر اور دولت مند تو بلائے جائیں اور غریب و محتاج چھوڑ دیئے جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ ان دو آدمیوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور ان کا کھانا نہ کھایا جائے جو باہم ضیافت میں (مہمانوں یا کھانوں کی کثرت پر) لاگ ڈاٹ کریں۔ بدکاروں اور فاسقوں کی دعوت قبول نہ کی جائے۔ جو شخص دعوت میں بلایا جائے اور نہ جائے اس نے اللہ اور رسولؐ کے حکم کے خلاف کیا۔ لیکن جو شخص بے بلائے جائے وہ جاتے وقت چور ہے اور آتے وقت ڈاکو۔ (جمع الفوائد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صفیہؓ سے نکاح کر کے کھجور اور ستو کا ولیمہ کیا۔ حضرت عائشہؓ کے نکاح کے ولیمہ میں حضورؐ نے سعدؓ بن عبادہ کے گھر سے آئے ہوئے دودھ کو تقسیم کیا۔

نکاح کی خوشی میں مسرت کا اظہار، محفل نکاح میں کھجور یا بادام وغیرہ کا تقسیم کرنا معمولِ اکابر رہا ہے۔ مسرت نکاح کا اظہار دعوتِ ولیمہ ہے۔ ولیمہ کی حیثیت اور درجہ عام دعوت کی طرح ہے۔ پس دعوت کرنے والے کو پورا اختیار ہے کہ جس جس کو چاہے بلائے اور جس جس کو چاہے نہ بلائے اور کسی دوسرے کو ذرا بھی حق نہیں کہ اس پر اعتراض کرے یا اپنے نہ بلائے جانے کی شکایت کرے۔ زفاف یعنی زن و شوہر کی یکجائی کے بعد اگلی صبح کو دعوت کرنے کا اصلی حق ہے اور اس کے دوسرے دن تک بھی سنت ہے لیکن تیسرے دن یا اس کے بعد دعوت کرنا محض شہرت اور ریاکاری کے لیے ہے۔

ولیمہ میں ایک بار حضور صلعم نے حلوا یا لپسی کھلائی۔ ایک بار کھجوریں

بانٹیں اور ستو پلایا۔ ایک بار دودھ کا ایک ایک پیالہ چند آدمیوں کو پلوا دیا۔ ایک بار سب صحابیوں کے گھروں سے اُن کے کھانے منگوا کر اپنے گھر اپنا کھانا بھی ساتھ رکھ کر سب نے ساتھ کھایا۔ یہی ولیمہ تھا۔ ایک بار صرف گوشت روٹی کھلادی جس کو بڑی دعوت شمار کیا گیا۔"

(معمولاتِ نبویؐ)

۲۶۵۔ دجّال مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا :- دجال معنی بہت جھوٹ بولنے

والا۔ لقب ایک بہت بڑے جھوٹے کا جو آخر زمانہ میں پیدا ہوگا۔ مخالف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مدینہ کے دروازوں پر فرشتے پہرہ دیں گے۔ وہاں نہ طاعون داخل ہوسکے گا اور نہ دجال۔" اور ایک دوسری روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مدینہ میں مسیح دجال کا رعب داخل نہ ہوگا۔ اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے۔ ہر دروازہ پر دو فرشتے (پہرہ دیتے) ہوں گے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ایک بہت طویل قصہ بیان فرمایا تھا تو منجملہ اُس کے جو آپؐ نے ہم سے بیان فرمایا، کچھ یہ تھا کہ دجال آئے گا اور اُس پر حرام ہے کہ مدینہ کے راستوں میں داخل ہو۔ وہ مدینہ سے باہر شور زمین میں فروکش ہوگا تو اُس روز ایک شخص اُس کے پاس جائے گا اور وہ تمام آدمیوں سے بہتر ہوگا۔ وہ کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے۔ جس کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی تھی، تو دجال کہے گا کہ بتاؤ اگر میں اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو کیا تم لوگ پھر بھی (میرے) معاملہ میں شک کرو گے ؟ لوگ جواب دیں گے کہ نہیں۔ چنانچہ دجال اُس شخص کو قتل کر دے گا۔ اس کے بعد اُسے

زندہ کرے گا۔ جس وقت دجّال اُس شخص کو زندہ کر چکے گا تو وہ شخص کہے گا۔ کہ میں اب اور بھی زیادہ تیرے حال سے واقف ہو گیا۔ پھر دجال کہے گا کہ میں اس کو قتل کیے ڈالتا ہوں، مگر پھر وہ اُس پر قابو نہ پائے گا۔

ایک اور حدیث ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:۔ ہر شہر میں دجّال کا گزر ہو گا۔ مگر مکہ اور مدینہ اُن کے ہر راستہ پر فرشتے صف بستہ پہرہ دیں گے۔ پھر مدینہ اپنے لوگوں کو تین بار خوب زور سے ہلا دے گا۔ پس اللہ ہر کافر و منافق کو (جو اُس وقت وہاں موجود ہو گا) نکال دے گا۔"

(صحیح بخاری ج ا اُردو)

۲۶۶۔ دُعَا و طلبِ مغفرت:۔

دُعَا معنے مانگنا۔ خواہش کرنا۔ + طلبِ مغفرت معنی بخشش کی خواہش کرنا۔

دُعَا جو طلبِ مغفرت کے لیے کی جائے، سب دعاؤں سے زیادہ ضروری ہے جس کی باری تعالےٰ نے بخشش فرما دی۔ اور اُس کے گناہ معاف فرما دیئے۔ اُس پر خدا کا فضل ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ ہمارے گناہوں کو بھی معاف فرما دے۔

دُعا میں ان امور کا لحاظ رکھو کہ خوب شوق و رغبت سے دعا مانگو۔ دُعَا مانگتے وقت کوئی چیز ایسی جس میں گناہ ہو مت مانگو۔ دُعا مانگتے مانگتے اگر دیر ہو گئی ہو تو اس سے تھک کر یا تنگ آ کر مت چھوڑو۔ قبولیت کا وقت نہیں معلوم کس وقت ہو جائے اس لیئے دعا کی قبولیت پر یقین رکھو۔ اگر کسی وقت غصہ آ جائے تو اپنی جان و مال یا اولاد کے لیئے کوئی بد دُعا کا کلمہ مت کہو۔ نہیں معلوم یہ قبولیت کی گھڑی ہو اور اس میں اسی طرح ہو جائے۔

جب کہیں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرتے ہو، تھوڑی دیر کے لیے اللہ اور اُس کے رسول صلعم کا ذکر کرو۔ درود شریف، کلمہ اور تسبیحات کا ذکر بھی کیا کرو۔ کیونکہ اللہ کے ذکر سے مجلس کا خالی رہنا وبال ہے۔ استغفار کی کثرت رکھو، سب مشکلیں اس

سے آسان ہوں گی اور جہاں سے گمان بھی نہ ہوگا اللہ تعالےٰ روزی عطا فرمائیں گے اگر شامت نفس سے گناہ ہو جائے تو فوراً اس گناہ کی معافی اللہ تعالےٰ سے چاہو اور توبہ صدق دل سے کرو۔ توبہ کرنے میں بالکل دیر مت کرو۔ اتفاقاً توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کرو۔ اللہ تعالےٰ دعا مانگنے والوں سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالےٰ سے دُعا نہیں کرتے ہیں اُن سے ناراض ہوتا ہے۔ کیونکہ بندوں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ اُس خالقِ مطلق سے مانگیں اور اللہ تبارک وتعالےٰ اُن عاجز بندوں کو اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

دوشنبہ معنی پیر کا دن ۔ سوموار

۲۶۷۔ دُوشنبہ :۔ ایک سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں۔ ایک مہینہ میں ۳۰ دن ہوتے ہیں اور ہفتہ میں ۷ دن ہوتے ہیں۔ ان ہفتہ کے دنوں میں یہ دوشنبہ کا ایک دن ہوتا ہے۔ ہر زبان میں سال، مہینہ، ہفتہ اور دنوں کے الگ الگ نام ہیں۔ دوشنبہ فارسی زبان میں پیر یا سوموار کو کہتے ہیں۔

اس پیر کے دن یا سوموار کو بھی ایک بڑی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ اس دوشنبہ کے دن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے واقعات واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے اس دن کا اکثر ذکرِ خیر ہوتا ہے۔ لیکن اسلام میں جمعۃ المبارک کا دن ہفتہ کے دنوں میں زیادہ مبارک مانا گیا ہے۔ یہ دن مسلمانوں کے لیئے عیدالمومنین ہے۔ اس دن کا نام اللہ تبارک وتعالےٰ کے یہاں بھی جمعہ ہی ہے اسی دن یعنی جمعۃ المبارک کو اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے کلام اللہ یعنی قرآنِ مبارک میں یہ آیت نازل فرمائی :۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (سورۃ المائدہ ع ۱) ترجمہ :۔ آج کے دن تمہارے لیئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا۔ اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیئے پسند کر لیا۔

یہ آیت جیساکہ شیخین نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا۔ عصر کے وقت جمعہ

کے روز ذی الحجہ کی نویں تاریخ حجۃ الوداع میں جو ۱۰ھ میں ہوا تھا نازل ہوئی ہے اور اس کے نزول کے بعد قریب تین ماہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے۔

ہاں تو ہم دوشنبہ کا ذکرِ خیر کر رہے تھے۔ چنانچہ جس روز آنحضرت صلعم رونق افروز مدینہ ہوئے تھے وہ دن دوشنبہ کا تھا۔ بارہ تاریخیں ربیع الاول کی گذر چکی تھیں۔ آفتاب قریب زوال پہنچ گیا تھا۔ اہلِ مدینہ خبر تشریف آوری سن کر بغرض استقبال اُس روز بھی آئے تھے، لیکن آفتاب کے قریب زوال ہو جانے سے اپنے اپنے مکانوں کو واپس آ رہے تھے۔ اسی اثنار میں آنحضرت صلعم کو مع ابوبکر صدیق رضؓ کے ایک کھجور کے باغ کی طرف سے تشریف لاتے ہوئے دیکھ کر اس طرف دوڑ پڑے۔

ابنِ عباس رضؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے اور حجرِ اسود کو دوشنبہ کے دن اُٹھا کر رکھا۔ ہجرت بھی دوشنبہ کے دن کی، اور انتقال بھی آپ کا دوشنبہ ہی کے دن ہوا۔

۲۶۸۔ دودھ کے مواشی:۔ مواشی جمع ہے ماشیہ کی بمعنی چوپائے جو بہت راہ چلنے والے ہوں۔ اور اطلاق اس لفظ کا اُن چوپاؤں پر ہوتا ہے جو بارکش (یعنی بوجھ کھینچنے والے) ہیں مثلاً گھوڑے اور بیل وغیرہ کے۔

ہم یہاں پر اس عنوان کے تحت اُن چوپاؤں کا ذکر کر رہے ہیں جو دودھ دیتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ نے قرآنِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے:۔ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ (النحل ع ۹) ترجمہ:۔ اور (نیز) تمہارے لیے مواشی میں بھی غور درکار ہے۔ (دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (کا مادّہ) ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اترنے والا دودھ (بنا کر) ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔

آیت بالا کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :- "آیت سے یہ مراد نہیں کہ پیٹ میں ایک طرف گوبر ہوتا ہے اور ایک طرف خون اور دونوں کے درمیان میں دودھ رہتا ہے۔ بلکہ پیٹ میں جو غذا ہوتی ہے اُس میں وہ اجزا جو آگے چل کر دودھ بنیں گے اور وہ اجزا جو گوبر بن جاویں گے۔ سب مخلوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جدا جدا کرتے ہیں، کچھ گوبر بن کر وضع ہو جاتا ہے اور کچھ ہضم کبدی (یعنی جگر کلیجہ وغیرہ) میں اخلاط بنتے ہیں جن میں خون بھی ہے۔

پھر اس خون میں وہ حصہ جو آگے چل کر دودھ بنے گا اور وہ حصہ جو دودھ نہ بنے گا یہ دونوں مخلوط ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک حصہ جدا کر کے پستان تک پہنچاتا ہے اور وہ وہاں پہنچ کر دودھ بن جاتا ہے۔"

۲۶۹۔ دُنیوی حیات :- دُنیوی معنی دنیا والی۔ منسوب طرف دنیا کی۔ ابن حاج کے نزدیک دنیاوی اور دنیائی یہ دونوں لفظ غلط ہیں، + حیات معنی زندگی۔

جو لوگ اچھے سمجھ دار ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور نیک سمجھ عطا فرمائی ہے وہ سب سمجھتے ہیں اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اس فانی دنیا کی زندگی محض لہو ولعب ہے۔ اور زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے۔ جس میں ہر طرح کی چین اور راحت میسر ہوگی، اور جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مبارک میں ارشاد فرمایا ہے :- اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ط (الحدید ع ۳) تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلہ میں) دُنیوی حیات محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک کا دوسرے سے اپنے کو زیادہ بتلانا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ یعنی مقاصد دنیا کے یہ ہیں کہ بچپن میں لہو ولعب کا غلبہ رہتا ہے اور جوانی میں زینت اور تفاخر کا۔ اور بڑھاپے میں مال و دولت و آل و اولاد کو گنوانا۔ اور یہ سب مقاصد فانی اور خواب و خیال محض ہیں۔

۲۷۰۔ دستاویز لکھنا:۔ دستاویز معنی ہاتھ کی لکھی سند وغیرہ۔ دستاویز لکھنا صرف یادداشت کی آسانی کے لیے ہے۔ آپس میں باہم معاملہ کرنا یعنی کسی چیز کی خرید و فروخت یا لین دین میں گواہان کی شہادت سب سے بڑی ثبوت کی سند ہے۔ لیکن جب اللہ تعالے نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے علم عطا فرمایا ہے تو اس سے کام لینا بھی ضروری امر ہے۔ اللہ تعالے نے اسی دستاویز اور علم کی بابت قرآن مبارک میں ارشاد فرمایا ہے:۔ یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ط...... تا ...... وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ (البقرۃ ع ۳۹) ترجمہ:۔ اے ایمان والو! جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا۔ ایک میعاد معین تک کے لیے) تو اس کو لکھ لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے آپس میں (جو) کوئی لکھنے والا (ہو وہ) انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے۔ جیساکہ اللہ تعالے نے اس کو (لکھنا) سکھلا دیا اس کو چاہیئے کہ لکھ دیا کرے۔ اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہو۔ اور اللہ تعالے سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے۔ اور اس میں سے ذرہ برابر (بتلانے میں) کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر خفیف العقل ہو یا ضعیف البدن ہو یا خود لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ تو اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھا دے۔ اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ رکھی، کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو جن کو تم پسند کرتے ہو تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے تو ان میں کی ایک، دوسری کو یاد

دلادے، اور گواہ بھی انکار نہ کریں۔ جب (گواہ بننے کے لیے) بلائے جایا کریں۔ اور تم اس دَین کے (بار بار) لکھنے سے اُکتایا مت کرو۔ خواہ وہ (معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے۔ اللہ کے نزدیک اور شہادت کا زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ سزاوار ہے اس بات کا کہ تم (معاملہ کے متعلق) کسی شبہ میں نہ پڑو۔ مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام نہیں اور ذرا اتنا اس میں بھی ضرور کر لیا کرو کہ) خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو۔ اور کسی کاتب کو تکلیف نہ دی جاوے اور نہ کسی گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہوگا اور خدا سے ڈرو اور اللہ تعالےٰ (کا تم پر احسان ہے کہ) تم کو تعلیم فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

ان آیاتِ قرآنی کی تفسیر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح فرمائی ہے:

"خواہ دام اُدھار ہو یا جو چیز خریدنا ہو وہ اُدھار، (آگے فرماتے ہیں کہ) مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا۔ یا مثلاً دوسرے ملک کا رہنے والا ہے اور زبانِ غیر رکھتا ہے اور لکھنے والا اس کی بولی نہیں سمجھتا۔ (پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ) شرعاً اصل مدار ثبوت دعویٰ کا یہی گواہ ہیں۔ گو دستاویز نہ ہو اور خالی دستاویز بدون گواہوں کے ایسے معاملات میں حجت اور معتبر نہیں۔ دستاویز لکھنا صرف یادداشت کی آسانی کے لیے ہے کہ اس کا مضمون سُن کر طبعی طور پر اکثر واقعہ یاد آجاتا ہے۔ (آگے مزید فرماتے ہیں)۔ لکھنے میں تین فائدے فرمائے۔ اوّل کا حاصل یہ ہے کہ ایک کا حق دوسرے کے پاس نہ جائے گا نہ رہے گا۔ دوسرے کا حاصل یہ ہے کہ گواہوں کو آسانی ہوگی۔ تیسرے کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ معاملہ کا جی صاف رہے گا۔ تینوں فائدوں کا الگ الگ ہونا ظاہر ہے اور ان فوائد کا اس طرح بیان کرنا قرینہ ہے۔ (یعنی مناسبت ہے) کتابت کے منتخب

ہونے کا۔ اسی طرح گواہ کرنا بھی مستحب ہے۔ البتہ ضرر پہنچانا کاتب اور گواہ کو حرام ہے۔ "فسوق بکم" اس کا صریح قرینہ ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ نہ لکھنے میں الزام نہیں تو مراد یہ ہے کہ دنیا کی مضرت (ضرر، نقصان) نہیں ورنہ گناہ تو کسی معاملہ کے نہ لکھنے میں نہیں ہے۔

۲۷۱۔ دس تہذیبیں :- تہذیب معنی پاک کرنا۔ کسی چیز کو درست کرنا۔ آراستہ کرنا۔

تہذیب اوّل :- یہ ہے کہ ہم کانوں سے کسی بُری بات کو نہ سنیں۔ نہ بُرے تذکروں کے سننے کا اپنے کو عادی بنائیں۔ دوسری تہذیب : یہ ہے کہ ہم آنکھوں سے کسی چیز کو بُری نظر سے نہ دیکھیں۔ نہ ممنوعہ مقامات کو ہی دیکھ کر نظر کو آلودۂ معصیت کریں۔ جن کو دیکھنے کو خدا نے ممنوع ٹھہرایا ہے۔ جیسے اجنبی عورت کا ستر اور چہرہ اور مردوں کا ستر وغیرہ دیکھنا۔ نہ کسی کو گھورے کہ یہ بھی نگاہِ غضب کی علامت ہے۔ تیسری تہذیب :- یہ ہے کہ ہم زبان سے کوئی بُری بات بھی نہ نکالیں۔ نہ کسی ناجائز چیز کا ذائقہ چکھیں۔ چوتھی تہذیب :- یہ ہے کہ ہم ہاتھوں سے کوئی ایسی چیز بھی نہ چھوئیں جس کو چھونے کو خدا نے منع فرمایا ہے۔ پانچویں تہذیب :- یہ ہے کہ ہم حرام اور ناپاک چیزوں کی بُو وغیرہ بھی اپنی ناک کے ذریعہ سے دل و دماغ تک نہ پہنچائیں۔ یہ پانچ تہذیبات حسیّہ ہیں جو حواس خمسہ کو پاک بناتی ہیں اور ان کو بغیر اعتدال پر لائے ہوئے تم اپنی زندگی کو کبھی کامیاب نہیں بنا سکتے۔ ایک تقسیم اس سلسلے کی اور بھی ہے۔

پہلی قسم :- تہذیب اقدامات ہے یعنی فکر و عمل وغیرہ سے غیر متعلق معاملات و مسائل میں جس کے تم مجاز اور اہل نہ ہو دخل در معقولات دے کر پہل کرنا۔ ان کو اپنے ہاتھ میں لے لینا۔ یہ بھی بدتہذیبی ہے۔ جیسے آج بہت سے غیر علماء و زعماء قوم کی رہنمائی کے شوق میں رہنمائی قوم کے اقدامات بیجا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ واقعتہً اس کے اہل نہیں ہوتے۔ ایسے سب امور سوسائٹی کو خراب

کرنے والے ہیں۔

دوسری قسم :۔ تہذیب اصوات ہے یعنی بوقت انعقاد مجلس واجتماع اکابر مجلس کے احترام وادب کو بالائے طاق رکھ کر کرخت اور غیر موزوں بلندیٔ صوت (یعنی تیز آواز) سے کلام کرنا بھی بے تہذیبی ہے۔ جس کا رفع کرنا ہمارے لیے ضروری ہے تیسری قسم :۔ تہذیب اخبارات ہے یعنی جو خبریں ہم کو موصول ہوں یا جن پر ہم مطلع ہوں انھیں بغیر تحقیق کامل محض خوش اعتقادی پر دوسروں سے نقل کر دینا اور نفس پرستوں کی بیان کردہ روایتوں پر کان دھرنا بھی بدتہذیبی ہے جس کے مفاسد آج کل بکثرت رونما ہیں حالانکہ کسی روایت یا قول کا بغیر تحقیق نقل کر دینا ہی نقل کرنے والے کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے۔ چوتھی قسم :۔ تہذیب مزاحات ہے۔ اس غیر شریفانہ بازاری طرز کا مذاق گالی گلوچ ایک دوسرے پر بہتان کسنا، بُرے نام اور بُرے القاب دینا بھی اجتماعی زندگی کے لیے تباہ کن اور سخت قسم کی بدتہذیبی ہے جن سے مسلمانوں کو بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔ پانچویں قسم :۔ تہذیب خیالات ہے۔ خیال کی نیکی اور بدی پر انسان کے تمام اقوال وافعال وغیرہ کا دار ومدار ہے۔ پس لوگوں کے متعلق بُرے خیال رکھنا، بُرے خیالات کو جلد قبول کرنا، نیک گمان نہ رکھنا ان کو عملی جامہ پہناتے ہوئے غیبت وچغلی وغیرہ کرنا یہ سب امور بھی بدتہذیبی پر مبنی ہیں جن سے اسلام نے بچنے کا حکم دیا ہے باقی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر خود غرض چالاک تمھیں اپنی غرض کا لقمۂ تر بنا کر نگل جائے۔ ایسے موقعوں پر جو کنا رہنا ہی تہذیب ہے۔

پس جو قوم حق تعالےٰ سے علم واقتدار حاصل کرتی ہے سب سے پہلے اس کو کان اور آنکھ اور دل عطا کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ بڑے دلبر ہوش گوش والے ہوتے ہیں۔ حواس خمسہ کا ٹھیک کر لینا گویا اپنی باطنی دنیا کو درست کر لینے کے ہم معنی ہوتا ہے۔" (عقائد الاسلام قاسمی)

دُنیا معنی یہ جہان۔

۲۷۲۔ دُنیا میں مختلف قسم کی حکومتیں :- اصلی معنے اس کے

عورت ہے۔ بہت نزدیک ہونے والی۔ لفظ دنیا مشتق ہے (یعنی وہ لفظ جو دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو) دُنوّ سے (اور دُنوّ معنی نزدیک ہونا یا نزدیکی) اس لیے کہ دنیا بہ نسبت عقبیٰ کے آدمی سے بہت نزدیک ہے۔ لفظ دُنیا مؤنث ہے۔

دُنیا میں مختلف قسم کی حکومتوں کا وجود میں آنا، اس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ میں قبیلہ کا کام بڑھ جانے کی وجہ سے سردارِ قبیلہ کے فرائض قبیلہ کے سردار نے چند لوگوں میں تقسیم کر دیئے جو مختلف شعبوں کے افسر ہونے کے علاوہ سردار کے مشیر یا اس کی کونسل کے ممبر ہوتے تھے، مگر حکومت کی طاقت ایک ہاتھ میں ہونے کی جگہ چند ہاتھوں میں آجانے سے اُن کے درمیان رسہ کشی جاری ہو گئی۔ اور جس نسبت سے سردارِ قبیلہ اور اُس کے مشیروں اور مصاحبوں کی طاقت میں کمی بیشی ہوتی تھی اُسی نسبت سے آئین حکومت (یعنی حکومت کے قانون) مختلف شکلیں اختیار کرتا رہتا تھا۔ مگر ہر قسم کی حکومت کی بنیاد وہی قدیم طرز کی رہتی تھی۔ اور آج تک ہر نظام حکومت میں اسی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ مثلاً جب تمام اختیارات ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتے ہیں تو وہ "شخصی" حکومت کہلاتی ہے۔

جب حکومت مذہبی لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے تو وہ "مذہبی" یعنے (THEOCRACY) کہلاتی ہے۔ اور جب طاقت چند امراء کے ہاتھوں میں آتی ہے تو "چند سری" یا (OLIGRRCHY) کہلاتی ہے۔

جب عوام کے نام سے تعلیم یافتہ یا سرمایہ دار حکومت کرتے ہیں تو (DEMOC-RACY) یا جمہوریت کہلاتی ہے۔ اور جب کاریگروں اور کاشتکاروں کے ہاتھوں میں حکومت ہوتی ہے تو "سوشلزم" اور "کمیونزم" یا "اشتراکیت" اور "اشتمالیت" کہلاتی ہے۔

لیکن "جمہوریت" اور "اشتراکیت" کے دوران میں جب حکومت کی باگ ڈور کسی طاقت ور شخص کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو وہ بالکل زمانہ قدیم کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور آج کل اس کا نام "ڈکٹیٹر شپ" یا "آمریت" ہے۔

۲۷۳۔ دُنیا اُسے جگہ دیتی ہے جو ماحول میں اپنا مقام پیدا کرلے :۔

ماحول معنی اردگرد کے حالات۔ + مقام معنی جگہ قیام کی۔

اگر انسان کے اندر کوئی کمزوری نہ ہو، اگر اس نے کوئی کوتاہی اپنی طرف سے نہ کی ہو، اگر زندگی میں وہ ان معیاری تیاریوں کے ساتھ داخل ہو جو زمانے نے مقرر کی ہیں تو دنیا اُسے جگہ دینے پر مجبور ہوگی۔ وہ ہر ماحول میں اپنا مقام پیدا کرلے گا وہ ہر بازار سے اپنی پوری قیمت وصول کر سکے گا۔ اس حالت میں اس کے اندر جن اخلاقی اوصاف کی نشوونما (افزائش) ہوگی وہ جرأت، اعتماد، عالی حوصلگی، شرافت، دوسروں کا اعتراف اور ہر ایک سے صحیح انسانی تعلق ایک مفکر کا قول ہے کہ جس انسان میں یہ اوصاف ہوں وہ ایک لائق شخص ہے۔ چناں چہ ایک لائق شخص اور کامیاب نہ ہو۔ یہ جھوٹ ہے۔ یہ شاعری یا خطابت نہیں بلکہ ایک حقیقت کا سادہ سا اظہار ہے۔ اگر انسان اپنی طرف سے اہلیت کا ثبوت دے اگر اس کے اخلاق میں وہ چیزیں نہ ہوں جن کی بنا پر کوئی شخص دوسروں کے لئے قابلِ نفرت ہو جاتا ہے۔ اگر کسی ذاتی یا اجتماعی حماقت کی وجہ سے وہ اپنی طاقت کو کمزور نہ کرلے، اگر اس نے اپنے ماضی میں اپنے حال کے لیے کانٹے نہ بوئے ہوں اگر وہ زمانہ کے معیاروں کو سمجھے اور وقت کے مطابق اپنی قوتوں کو استعمال کرے، تو یہ ناممکن ہے کہ وہ کامیاب نہ ہو، اور ماحول کے اندر اپنی جگہ نہ بنا سکے۔

دین معنی مذہب

۲۷۴۔ دین سے محبت ہی راہِ نجات ہے :۔

مذہب اصل

ہیں لغوی اعتبار سے راہ اور راستہ کو کہتے ہیں۔ وہ جگہ جو راہ اور راستہ کی جانے اور چلنے کی ہو۔ یعنی ایسی راہ اور راستہ اختیار کرنا جس پر جانے اور چلنے کے لیۓ زندگی ٹھیک ٹھیک اور صحیح و درست طریقہ سے گزر سکے۔ + دین کے معنی لغوی اعتبار سے جیسے کہ اوپر بیان کیے گئے ہیں مذہب کے ہیں۔ بدلہ دینا اور بمعنی حساب کے بھی آتا ہے اور مذہب مجازاً دین آئین کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی ایسے قوانین اختیار کرنا جو زندگی کو ٹھیک اور بالکل صحیح طور پر (اللہ اور اس کے رسول صلعم کے بتائے ہوئے) راہ اور راستہ پر جانے اور چلنے کے لیے رہنمائی کر سکیں۔ + نجات معنی مخلصی۔ رستگاری۔

دنیا میں جتنے بھی انسان ہیں وہ مختلف گروہ میں الگ الگ بٹے ہوئے ہیں۔ اور ہر گروہ نے الگ الگ عقائد اختیار کر رکھے ہیں۔ انھیں عقائد کے تحت وہ اپنا ایک الگ مذہب بتاتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے لفظ مذہب کو قریب قریب سب ہی فرقے اپنے مذہب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی زبان میں کوئی پنتھ، کوئی دھرم، کوئی مت اور کوئی دوسرے الفاظ سے اپنے اپنے مذہب کو یاد کرتے ہیں۔ لیکن ان سب الفاظ کو وہ مذہب کے معنی میں ہی استعمال کرتے ہیں۔ لفظ 'دین' میں یہ خوبی بھی ہے کہ اوّل تو دیگر مذاہب والے اس لفظ کو اپنے مذہب کے لیے استعمال ہی نہیں کرتے ہیں۔ اور کرتے بھی ہیں تو معدودے چند لیکن اہل اسلام دین اور مذہب دونوں الفاظ کو اہمیت دیتے ہیں۔

دراصل بات یہ ہے کہ دیگر مذاہب والے اپنے اپنے مذہب کے لیۓ لفظ دین کیوں استعمال نہیں کرتے، جہاں اور بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ان میں یہ ایک صورت بھی نظر آتی ہے کہ دوسرے مذاہب جیسے پنتھ۔ دھرم، اور مت اور دیگر مذاہب والے جو مختلف قسم کے عقائد کے قائل اور پیرو ہیں ان کے مذاہب کے لیے لفظ دین کا استعمال کساتھ پن نہیں کرتا ہے یعنی موزوں نہیں معلوم ہوتا ہے۔ "اسلام" کے لیۓ لفظ دین یعنی "دینِ اسلام"

مَوزوں و مُقرون (یعنی تُلا ہوا اور نزدیک کیا گیا) ہے۔

اب ہم اپنے عنوان دِین سے محبت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ دین اسلام جس طرح اللہ اور اُس کے رسول صلعم، کُتب آسمانی، فرشتوں اور قیامت اور جنت و دوزخ پر ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے۔ نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج کے فرائض کی ادائیگی کی تاکید فرماتا ہے۔ تقویٰ، پرہیزگاری جھوٹ سے بچنے، سچ بولنے اور ایمان داری کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہاں پر ایک خاص ہدایت و تلقین یہ بھی کرتا ہے کہ ہم دنیا کی ہر چیز سے کہیں زیادہ یہاں تک کہ اپنے ماں باپ، بیوی، اولاد اور اپنے کاروبار بلکہ ہر نفع والی، محبت پہنچانے والی اور آرام و راحت دینے والی جائداد، کھیتی سوداگری حتیٰ کہ ہر پیاری سے پیاری چیز کے مقابلہ میں اس سے زیادہ خدا اور اُس کے رسول صلعم اور اُس کے مقدس و پاک دین سے محبت کریں۔

اگر کبھی ایسا موقع آجائے کہ اُس کے دین یعنی دین اسلام کے سیدھے اور سچے راستہ پر چلنے کے لیے، اللہ اور اس کے رسول صلعم کے حکموں کو ماننے اور اُن پر عمل کرنے کے لیے سخت اور نازک وقت آجائے (خدا نہ کرے) تو اس راستہ میں دین سے محبت اور اُسے قائم رکھنے کے لیے، اپنا سب کچھ قربان کردو، سب سے پیاری چیز کو اُس پر نثار کردو۔ اگر جانِ عزیز کی ضرورت پیش آجائے تو اس سے دریغ نہ کرو، دین پر قائم رہنے اور اللہ اور اُس کے رسول صلعم کے حکموں پر چلنے کی وجہ سے جان و مال عزت و آبرو کا ڈر ہو تو اُس وقت بھی اللہ اور رسول صلعم کو اور دین کو نہ چھوڑو۔ کیوں کہ ہماری عزت و آبرو اور جان و مال سب اللہ اور اس کے رسول صلعم کے لیے ہے۔ ایک دینی مطالعہ کی کتاب "اسلام کیا ہے؟" میں بیان کیا گیا ہے کہ ارشاد باری تعالےٰ ہے: "قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ ......تا...... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (سورۃ توبہ ع ۳) ترجمہ:-

(اے رسولؐ) تم ان لوگوں کو جتلا دو کہ اگر تمہارے ماں، باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی برادر، تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ قبیلہ، اور تمہارا مال و دولت، جسے تم نے کمایا ہے، اور تمہاری تجارت جس کی کساد بازاری (یعنی نکاسی نہ ہونے) سے تم ڈرتے ہو، اور تمہارے رہنے کے مکانات جو تمھیں پسند ہیں (سو اگر یہ چیزیں) تم کو زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ سے اور اُس کے رسول صلعم سے اور اس کے دین کے لیے جہاد کرنے (یعنی کوشش کرنے) سے تو اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو (اور یاد رکھو) کہ اللہ نہیں ہدایت دیتا ہے نافرمانوں کو۔

ایک مشہور اور صحیح حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ایمان کی مٹھاس اور دین کا ذائقہ اُسی شخص کو نصیب ہوگا۔ جس میں تین باتیں جمع ہوں۔ اوّل یہ کہ اللہ و رسول صلعم کی محبت اُس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جس آدمی سے محبت کرے صرف اللہ کے لیے کرے۔ (گویا ذاتی اور حقیقی محبت صرف اللہ ہی سے ہو) اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹنا اور دین کو چھوڑنا اس کو ایسا ناگوار اور گراں ہو جیسا کہ آگ میں ڈالا جانا۔"

ایمان دراصل اسی کا نام ہے کہ آدمی بالکل اللہ اور رسولؐ کا ہو جائے اور اپنے سارے تعلقات اور خواہشات کو ان کے تعلق پر اور ان کے دین کی راہ میں قربان کر سکے۔ جس طرح کہ صحابہ کرامؓ نے کر دکھایا اور آج بھی اللہ کے سچے اور صادق بندوں کا یہی حال ہے، اگرچہ ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو بھی انہیں میں سے کر دے۔ آمین"۔

عنوان نمبر ۳۰۶

۲۷۵۔ دُنیا سے محبّت شیطان کی راہ ہے :-

ہم دُنیا کے معنی وغیرہ پر اس سے قبل تحریر کر چکے ہیں۔ یہاں پر ہم لفظ محبت کے معنی پر کچھ تحریر کریں گے :- محبّت معنی دوستی، اُلفت۔ محبت میں حرفِ اوّل

میم ہے۔ اور یہ لفظ میم کے ضمہ یعنی پیش کی حرکت (جیسے دُودھ کی پہلی دَال پر ہے) لگاکر غلط ہے۔ اس لفظ کے میم پر زبر لگاکر پڑھنا درست ہے۔

دُنیا کی محبت" میں ہر وہ فعل شامل ہے جو اللہ اور اُس کے رسول صلعم کے بتائے ہوئے راستہ سے ہٹ کر کسی ایسے شغل یا شوق میں مشغول ہوجائے جو شیطان کی راہ پر ڈال دے، نفس کے تابع ہوکر نیکی سے دور اور گناہ کی راہ اختیار کرے۔ حظِ نفس یعنی ہر ایسی خوشی، شادمانی اور شوق کو پورا کرنے کے لیے کہ جو اُس کے نفس یعنی روح، سادہ الفاظ میں یہ سمجھ لیجیے کہ جو اُس کی طبیعت کو اُس کی خواہشِ دُنیوی کو لذت و لطافت حاصل ہوسکے پورا کرنے کے لیے ہر وہ فخریہ اور نام پیدا کرنے کو کام کرے جو دنیا والوں کو اس کی بڑائی کا ترانہ گانے پر آمادہ و تیار کردے۔ ظاہر ہے کہ ایسے افعال کی پاداش یعنی گناہ کی راہ میں مبتلا ہوکر دین سے دُور اور دنیا سے قریب یا یوں سمجھ لیجیے کہ دنیا کی محبت میں آکر گرفتارِ بلا جیسے دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ عذاب و گناہوں کا مستحق ہوجائے گا۔ بس یہی ثمر (پھل) ہے دنیا سے محبت کا۔ اس لیے دُنیا سے محبت نہیں کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ ہم سب کو دُنیا کی محبت سے بچائے اپنی اور اپنے رسول صلعم اور اپنے دین سے محبت کی چاہ عطا فرمائے۔ آمین!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب موسومہ "تعلیم الدین" میں دنیا سے محبت پر مختصراً لیکن نہایت جامع الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: قال اللہ تعالےٰ:۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (الآیہ) ترجمہ:۔ اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر دھوکے کی ٹٹی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔ الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر۔ (رواہ مسلم) ترجمہ:۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔

دُنیا جس میں فی الحال حظِ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو وہ دنیا ہے۔ موت کو کثرت سے یاد کیا کرے اور مدتوں کے لیے منصوبے اور ساماں نہ کرے۔ (یہ اس کا یعنی دنیا سے محبت کا علاج ہے۔)

"ذ"

۲۷۶۔ ذِکرِ الٰہی :- ذِکر۔ معنی یاد کرنا۔ دل یا زبان سے۔ یہاں پر لفظ ذِکر سے ہماری مراد ہے کہ اللہ تعالےٰ کو دِل اور زبان سے یاد کرنا اور اس طرح یاد کرنا کہ ذاکر کے دل اور دماغ میں سوائے ذکرِ الٰہی کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ اور وہ اس ذِکر میں ایسا محو ہو جائے کہ اُسے اپنی بھی کوئی خبر نہ رہے + الٰہی معنی میرا خدا۔ اے میرے خدا۔

آدمی کو ہر وقت ذکرِ الٰہی کرنا چاہیئے۔ اور کیوں نہ کرے جب آدمی اپنے پیدا کرنے والے کو بھی یاد نہیں کرے گا تو اور کس کو یاد کرے گا، اُس یعنی خدا نے آدمی کو پانی سے پیدا کیا۔ اشرف المخلوقات کا شرف عطا فرمایا۔ خصوصاً مسلمان کو اللہ تعالےٰ کا جتنا بھی شکر گزار ہونا چاہیئے وہ کم ہے کہ اُس نے مسلمان کو اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا اور شرفِ ایمان عطا فرما کر اُمتِ محمدیہؐ کی نعمت، انعام اور بخشش سے نوازا۔

"ذکرِ الٰہی سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے، ذکرِ الٰہی کے لیے ایک مغز اور تین پوست ہیں۔ مغز تو مقصود بالذات ہے اور پوست اس لیے مقصود اور محبوب ہیں کہ وہ مغز تک پہنچنے کے ذرائع اور اسباب ہیں۔ (یعنی دماغ میں قصد و ارادہ کریں اور دماغ کے تحت جو اعضائے جسم ہیں ان میں حرکت پیدا کریں تا کہ ذکرِ الٰہی کے لیے ذریعہ اور سبب بنے)۔

(۱) پہلا پوست صرف زبان سے ذکر کرنا ہے۔ (۲) دوسرا پوست قلب سے ذکر کرنا اور جبراً بتکلف (یعنی تکلیف برداشت کرتے ہوئے) اس کا خوگر ہونا۔

(۳) تیسرا پوست یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی قلب میں جگہ کرلے اور ایسا گڑ جائے کہ اس کا چھڑانا دشوار ہو جائے۔ (۴) چوتھا درجہ جو مغز۔ اور مقصود بالذات وہ یہ ہے کہ قلب میں ذکر کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے بلکہ مذکور حق تعالیٰ کی ذات ہی ذات رہ جائے۔ نہ قلب کی طرف توجہ رہے، نہ ذکر کی جانب اِلتفات (یعنی میلان) نہ اپنی خبر ہو، نہ کسی دوسرے کی۔" (تبلیغِ دین از حضرت امام غزالیؒ)

حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے کہ:۔ اللہ کا کثرت سے ذکر کرو تاکہ فلاح پاؤ...

حدیث میں آیا ہے کہ: اللہ کا ذکر جہاد اور صدقات اور خیرات سب سے افضل ہے۔

ایک شخص حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپؐ کوئی چیز ایسی بتا دیجئے کہ میں اُسے مضبوطی سے پکڑ لوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا: لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہ: تمھاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہا کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ:۔ بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹوں کی حرکت ہوتی ہے تو میں اس کے ساتھ (یعنی ہونٹوں کے مانند قریب) ہوتا ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سب ذکروں میں افضل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب کوئی بندہ اِخلاصِ قلب (یعنی خالص دل) سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتا ہے تو اس کلمہ مبارک کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بندہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے۔

۲۷۔ ذاتی سرِشت:۔ ذاتی معنی اصلیت ہر شے کی۔ ہر چیز کی حقیقت + سرِشت معنی پیدائش۔ خمیر۔ اور عادت کو بھی کہتے ہیں۔

ہر آدمی اپنی سرشت سے پہچانا جاتا ہے۔ اگر اس کی اچھی سرشت ہے تو وہ یقیناً صاحب صفات آدمی ہوگا۔ اور اگر اس کی سرشت اچھے ماحول میں نہیں ہوئی ہے تو وہ برائی ہی کی طرف لوٹے گا۔ اس لیے ماں باپ کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا فرض یہی بنتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کا بچپن ہی سے پورا پورا خیال رکھے۔ لاڈ پیار کا جہاں تک کیا جانا اچھا ہے وہ ضرور کرنا چاہیئے۔ لیکن بچہ کی ایسی غلطی پر جو اُس کے لیے اُس کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہو اور اس کے لیے بُرے اور غلط نتائج کا باعث بنے اُس کو سختی سے پکڑنا چاہیئے۔ اس وقت کی یہ پکڑ اور سختی اُسے سنوارنے اور صحیح راستہ پر ڈالنے میں تازیانۂ ہدایت ہوگی۔ اس کے اور اس کی مستقبل کی زندگی کے لیے باعثِ رحمت ہوگی، اور اس کی بھرپور زندگی ایک کامیاب زندگی ہوگی۔

اگر کسی شخص کی ذاتی سرِشت عمدہ ہو اور اس کا ماحول بھی پاک ہو، لطیف ہو، تو اس شخص کی زندگی اخلاقِ کریمانہ میں نمایاں اور صفاتِ عالیہ میں ممتاز ہوگی۔ اور وہ ہر قسم کے شرف و بزرگی و عزت کا حامل ہوگا۔

اگر کسی شخص میں ایمان باللہ مستقیم و مستحکم ہو اور اس کا یقین اس پر مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہو، اُس کے بتائے ہوئے راستہ پر اپنے قدم اٹھائے، تو پھر اس راہ کی تمام دشواریاں اور پریشانیاں اُس شخص پر آسان ہی نہیں بلکہ آسان تر ہو جائیں گی۔ اور تمام ڈر، خوف، تکلیفیں اور الجھنیں پست ہو کر رہ جائیں گی۔ تقویٰ، عفت، صبر و استقامت اور دیانت و امانت ایسی روشن صفات ہیں کہ جو انسان کو فرشتہ خصلت بنا دیتی ہیں۔ اِن صفات کو ہی نادر بسلسلۃ الذہب یعنی سونے کی سنہرے موتیوں کی لڑیاں کہا جائے تو بجا ہے۔ اگر انسان

ان پر عمل پیرا ہو تو پھر کون سی شیطانی طاقت ہے جو اس کے قدموں کو ڈگمگا سکتی ہے بس بات یہی ہے کہ آدمی کی ذاتی سرشت اچھی اور عمدہ ہونی چاہیئے تو پھر وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

الحاصل انسان کو خواہ کوئی بھی پریشانی لاحق ہو یا کسی بھی تکلیف و مشکل کا سامنا کرنا پڑے ہر حالت میں اُسے اپنے پیدا کرنے والے خالقِ مطلق اللہ جل شانہ، کی جانب رجوع کرنا چاہیئے اور اسی سے التجا کرنی چاہیئے کہ وہ حق بات پر ثابت قدم رکھے اور استقامت بخشے۔

۲۷۸۔ ذریعہ معاش :۔ ذریعہ معنی وسیلہ، واسطہ، + معاش معنی وہ چیز جس سے زندگانی بسر کی جائے + یعنی زندگانی بسر کرنے کا وسیلہ یا واسطہ۔

دنیا میں رہتے ہوئے ہر انسان کو کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسان نہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی کسی کی کوئی مدد کر سکتا ہے۔ لیکن اسی دنیا میں کرنے کے لیے کام بھی نہیں معلوم کتنی قسم کے ہیں۔ دراصل اچھے کام وہی ہو سکتے ہیں جو جس کو پسند آئے۔ بہرحال اسلام اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کمانے کی تعریف کرتا ہے۔ یوں تو ہر وہ کام کرنا چاہیئے جس سے اپنا اور بچوں کا پیٹ بھر سکے۔ لیکن اس کا ذریعہ جائز اور حلال ہو۔ ناجائز کام اور ناجائز طریقوں سے روزی کمانے کو اسلام نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کمانے کے بارے میں ایک حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی انسان کا بہترین رزق اس کے اپنے ہاتھ کی محنت سے کمایا ہوا رزق ہے اور بے شبہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت سے روزی کماتے تھے۔"

اس حدیث میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے محنت سے روزی کماتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام باوجود شہنشاہی

کے اپنی سلطنت سے اپنے خرچے کے لئے کچھ نہیں لیتے تھے بلکہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے اپنی روزی کماتے تھے۔ اور اللہ تعالےٰ نے اُن کے ہاتھ میں لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ جب وہ لوہے کو اپنے ہاتھ میں لیتے تھے تو موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ اور وہ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اس لوہے کی زرہ بناتے تو جس طرح وہ چاہتے کام میں لے آتے تھے۔

قرآن مبارک میں اللہ تعالےٰ نے اس واقعہ کا سورۂ انبیاء میں اس طرح ذکر فرمایا ہے:۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝ (سورۂ انبیا، ع ۶) ترجمہ:۔ اور ہم نے ان (داؤد علیہ السلام) کو زرہ (بنانے) کی صنعت تم لوگوں کے (نفع کے) واسطے سکھلائی تاکہ وہ (زرہ) تم کو (لڑائی میں) ایک دوسرے کی زد سے بچائے۔ سوتم (اس نعمت کے) کیا شکر گزار بنتے ہو۔؟

حضرت داؤد علیہ السلام وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے وحی کی تعلیم کے ذریعہ ایسی باریک باریک لوہے کی زنجیروں سے زرہیں بنائیں جو ہلکی بھی ہوتی تھیں۔ سپاہی ان کو پہن کر میدانِ جنگ میں آسانی اور اپنی چال سے جاتا تھا۔ اس سے پہلے بہت بھاری زرہ ہوتی تھی۔ جس کو بہت قوی آدمی پہن سکتا تھا۔ بہرحال ہمارا مقصد یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کماتے تھے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کمانے کو بہترین رزق فرمایا ہے۔

۲۷۹۔ ذمّی:۔ ذمّی معنی (یہ ایک عربی کا لفظ ہے) اہل کتاب جن کو مسلمانوں کے ملک میں پناہ دی گئی ہو۔ یعنی کا فر جزیہ دینے والے مطیع اسلام، + اہل ذمّہ یعنی وہ لوگ جو اہل کتاب مثل یہود و نصاریٰ کے ہوں اور قول اور عہد کر کے ملک اسلام میں رہنے لگیں۔

اسلامی مملکت کے غیر مسلم ذمّی شہریوں کے متعلق بدائع جلد ۷، ص ۱۱۳ میں ذمیوں

کے حقوق پر بحث کرتے ہوئے یہ تصریح کی گئی ہے۔

"اسلامی آبادیوں میں ذمیوں کے جو قدیم معابد ہوں اُن سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ ٹوٹ جائیں تو انھیں دوبارہ بنا لینے کا حق ہے لیکن نئے معابد بنانے کا حق نہیں۔"

یہ اسلامی آبادیوں کے متعلق ہے۔ اسلامی آبادیوں سے کیا مراد ہے؟

صاحب بدائع نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

"اسلامی آبادیوں سے وہ مقامات مراد ہیں جن کی آراضی مسلمانوں کی ملکیت ہو اور جنھیں مسلمانوں نے شعائرِ دین کے اظہار کے لیے مخصوص کر لیا ہو۔" ان مقامات کے سوا دوسری تمام بستیوں کے متعلق فقہا نے اجازت دی ہے کہ وہاں ذمی لوگ نئے معابد بھی تعمیر کر سکتے ہیں۔

حضرت مولانا وحید الزماں لکھنوی نے شرح وقایہ کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے اس ترجمہ میں مولانا موصوف نے بین القوسین "شوالہ" کا لفظ بڑھا کر یہ واضح کیا ہے کہ شریعت میں جو حکم صوامع و کنائس کا ہے وہی حکم شوالوں کا ہے۔"

اسلام میں غیر مسلموں کا درجہ۔ اس کے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:۔ کسی غیر مسلم رعیت پر اگر کسی نے ظلم کیا یا اس کی توہین کی یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف دی یا اُس سے کچھ بغیر اس کی خوشی کے لے لیا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔" (ابو داؤد)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔ جس نے کسی غیر مسلم رعیت کو قتل کر دیا تو اُس کو جنت کی خوشبو بھی نہ ملے گی، حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس برس کی دوری تک جاتی ہے، یعنی جنت کے قریب بھی نہ جا سکے گا۔ (داخل ہونا تو درکنار)

(البخاری)

ایک اور ارشاد میں فرمایا ہے:۔ جو لوگ آدمیوں کو دنیا میں عذاب دیتے اور ستاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا۔" (مسلم) (اسلامی عدل و سیاست)

"ر"

۲۸۰- رَبُّ العَالَمِینْ :- رَبّ معنی خداوند۔ پرورگار اور پالنے والا یعنی خدائے تعالیٰ جل شانہٗ۔ + عالمین جمع ہے عالم کی۔ یعنی جو چیز کہ سوائے خدا تعالیٰ کے ہے وہ عالم ہے۔ جہان۔ مخلوقات یعنی مخلوقات کا پالنے والا۔

" وہ تمام عالم کا پرورش کرنے والا ہے۔ عالم بَر وزن فاعل بالفتح اُس چیز کو کہتے ہیں کہ جس سے دوسری چیز کا علم حاصل ہو جاوے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے سوا ہر موجود و مخلوق کو شامل ہے۔ کیوں کہ ان سے ان کے پیدا کرنے والے خدا تعالیٰ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ دیکھیے جب ہم کسی تخت یا مکان کو دیکھتے ہیں تو ہم کو یقین کامل ہوتا ہے کہ ضرور اس کا بنانے والا کوئی بڑھئی اور معمار تھا کہ جس کے ہاتھ سے یہ بنے ہیں۔ اسی طرح مخلوقات کو غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ضرور کوئی قادر بیچون و بےچگوں اس کو عدم سے ہستی میں لانے والا ہے۔ پھر اس عالم کے بیبے بے شمار انواع و اقسام ہیں۔

(۱) عالم مجردات۔ یعنی وہ چیزیں جو جسم عنصری اور جسم سماوی سے بَری ہیں اور ہم کو بسبب لطافت کے دکھائی نہیں دیتیں۔ (جس طرح کہ عالم عنصری میں ہَوا لطافت سے دکھائی نہیں دیتی۔ جیسا کہ ملائکہ اور ارواح۔

(۲) عالم جسمانیات :- پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ عالم علویات۔ جیسے کہ آسمان اور آفتاب اور ماہتاب اور ستارے + عالم سفلیات۔ پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک عالم لطیفات یعنی وہ چیزیں کہ جو بسبب لطافت (باریکی) کے دکھائی نہیں دیتیں جیسا کہ ہَوا اور کرۂ آتش و دیگر بساط (یعنی پانی، آگ، خاک اور ہوا) کہ جو علوم جدیدہ سے ثابت ہوئے ہیں اور وہ چیزیں کہ جن کا مادہ صرف یہ لطیف عناصر ہیں یا غالب ہیں جیسا کہ جن اور شیطان اور دیگر مخلوقات الٰہی کہ جس

کو ہم نہیں جانتے:- وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ- دوسرا عالم کثیفات (دلدار، موٹا) پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عالم مفردات جیساکہ پانی اور خاک۔ عالم مرکبات (یعنی وہ چیزیں جو کئی چیزوں سے مل کر بنی ہوں) پھر اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔ اوّل عالم کائنات یعنی وہ چیزیں کہ جو زمین سے اوپر ہیں۔ جیساکہ ابر اور اولے، اور قوس قزح وغیرہ چیزیں۔ دوم عالم جمادات یعنی پہاڑ اور دیگر معدنیات چاندی، سونا، ہیرا، بلور وغیرہ۔ سوم عالم نباتات یعنی درخت اور گھاس اور جڑی بوٹیاں۔ چہارم عالم حیوانات یعنی انسان، گدھا، گھوڑا، درند، پرند، جاندار چیزیں خواہ بری ہوں۔ خواہ بحری۔ ان تینوں آخر کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔

ان سب میں عالم انسان اشرف ہے بلکہ اپنے روحانی علاقہ سے تو ملائکہ سے بھی دو چار قدم آگے ہے۔ پس جب ان سب کو جمع کر کے خدا نے رب العٰلمین کہا تو کوئی چیز اس کی تربیت اور پرورش سے خالی نہ رہی اور تربیت یہ ہے کہ درجہ بدرجہ کسی چیز کو پورا کیا جائے اور اس کے اس کمال کو جو کہ مقدر ہے پہنچا جائے اور عالم محسوسات میں تو آپ کو بھی صدہا بلکہ ہزارہا چیزوں کا درجہ بدرجہ پورا ہونا اور تربیت پانا مشاہدے سے معلوم ہوتا ہے۔ سب سے اول اشرف المخلوقات حضرتِ انسان ہی کو دیکھئے کہ اول غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے۔ پھر عورت کے پیٹ میں علقہ (یعنی جما ہوا خون) اور مضغہ (یعنی گوشت کا ٹکڑا) بن کر پورا بچہ بنتا اور باہر آتا ہے اور پھر ایک ہی بار جوان اور قوی نہیں ہو جاتا بلکہ رفتہ رفتہ اس طرح سے کہ پہلے بیٹھنے لگتا ہے، پھر گھٹنوں چلتا ہے، پھر دیوار پکڑ کر، پھر بڑھتے بڑھتے داڑھی مونچھ آ کر جوان ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح منزل بہ منزل بے اختیار گھٹتا جاتا ہے۔ اور یہی حال سب چیزوں کا ہے۔ خواہ وہ ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

اب آپ کو تمام عالم کے مجموعہ کا حادث (نئی چیز جو پہلے نہ ہو۔ نو پیدا شدہ) ہونا بخوبی معلوم ہو جائے گا۔ عالم یعنی خدائے تعالےٰ کی ذات وصفات

کے سوا جو کچھ ہے، یا جوہر ہے یعنی بذاتِ خود قائم جیسا کہ درخت و پتھر یا عرض کہ کسی اور میں ہو کر پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ رنگ، سیاہی، سفیدی کہ جو بغیر کسی جسم کے پائی نہیں جاتی، اور ان میں سے ہر ایک حادث ہے۔ یعنی پہلے معدوم تھا۔ پھر موجود ہوا ہے۔ اور جب عالم کے دونوں جزء حادث ہوئے تو مجموعۂ عالم بھی حادث ہے، اور ہر حادث کے لیے ایک محدث یعنی ختم کرنے والا ضرور ہے اس لیے کہ جب تمام عالم حادث ہوا تو...... قطعاً ضروری الوجود نہیں ورنہ عدم کو قبول کرنے کے کیا معنے۔ بلکہ وجود و عدم اس کی ترازو کے دونوں پلے مساوی ہیں۔ پس کوئی مُرَجح یعنی اُس وجودی کا پلہ کا جھکانے والا ضرور ہے۔ اور وہ عالم سے الگ ہے اور عالم کے جمیع اوصاف و خصائص (یعنی سب خوبوں اور خصلتوں) سے بھی مبائن ہے۔ (یعنی جُدا ہے) کہ جس طرح اپنی ذات میں مبائن ہے۔ اب رہا یہ ثبوت کہ کل اعراض (یعنی وہ چیزیں جو قائم بذات خود نہ ہوں) حادث ہیں۔ سو وہ یوں ہے کہ بعض کا حادث ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریکی چلی گئی اور روشنی ہو گئی اور سبز پتا سفید ہو گیا اور بعض کا یوں کہ ہر عرض قابلِ عدم ہے اور جو قابلِ عدم ہے وہ قدیم نہیں اور جو قدیم نہیں وہ حادث ہے۔ اور کل جواہر کا حادث ہونا بھی ظاہر ہے۔ اس لیے کہ کوئی جوہر ایسا نہیں ہے کہ جس پر کوئی نہ کوئی عرض سوار نہ ہو اور نہیں تو حرکت و سکون سے تو کوئی بھی خالی نہیں۔ کیونکہ اگر دو آن تک ایک جگہ میں ہے تو ساکن ورنہ متحرک۔ پس جو حوادث کا محل ہے وہ خود بھی حادث ہے ورنہ قدم حوادث لازم آوے گا۔ اس کے سوا اور صدہا دلائل اور براہین (یعنی دلیلیں)، اس امر پر ہیں کہ جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

پس جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ تمام عالم حادث ہے تو اس میں بھی شک نہ رہا ہوگا کہ یہ ممکن ہے اور ممکن تو ہر وقت اپنی ذات و صفات میں واجب تعالٰے (یعنی خدا برتر جو ہمیشہ سے ہے جو اپنی ذات میں کسی کا محتاج نہیں ہے) کا دست نگر

رہتا ہے یعنی ہر ساعت و ہر لمحہ ہر ہر بات میں فقیر کی طرح اُس کی طرف جھولی پھیلائے رہتا ہے اور وہ رحمٰن و رحیم اس میں خزانۂ غیب سے وجودات اور صفات اور کل حاجات کے ٹکڑے ڈالتا رہتا ہے تاکہ ہر وقت اُس کو اُس سے ارتباط و احتیاج (یعنی ربط و حاجت) رہے اور ایک بارگی حاصل کر کے دعوے استقلال نہ کرنے لگے، اور خدائی کا دم نہ بھرنے لگے اور اس احتیاج ہمہ وقت کے روا کرنے کو تربیت اور اُس روا کرنے والے کو "رب" کہتے ہیں۔

پس اس لفظ رب العٰلمین سے چند امور ثابت ہوئے۔ اوّل خدا تعالےٰ کی ذات مقدسہ اور اس کے تمام صفات کمالیہ کا ثبوت۔ اس لیے کہ اس عالم گونا گوں کی تربیت بغیر حیات۔ قدرت، علم، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ تکوین اور پھر رازقیت، رحمت وغیرہ کے نہیں ہو سکتی اور تمام حدوث اور نقصان کی باتوں سے بری ہوتا کیوں کہ ممکن اور واجب اور رب اور مربوب (مخلوق) میں تغایر (فرق) ذاتی ہے۔

پس جہالت، عجز، حدوث، کھانے پینے، سونے، چلنے، پھرنے سے وہ پاک ہے۔ اسی طرح بیوی بنانے، بچہ جنانے اور مجسم و متشکل ہونے اور کسی مکانِ خاص میں اور زمانہ میں پائے جانے سب سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ باتیں مربوب کا حصہ ہیں نہ کہ رب کا۔ دوم یہ کہ اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ سہیم (یعنی شریک حصہ دار) نہ ہم جنس، نہ ہم کفو، نہ باپ، نہ بیٹا اس لیے کہ اب جو کوئی دوسرا مخلوق ہوگا تو وہ عالم میں داخل ہوگا اور جب کہ وہ ایک عالم بلکہ کل عالموں کا رب ہے تو پھر اس کا شریک و سہیم کب ہے۔"

(تفسیر حقانی ج ۲ صفحہ ۱۹)

۲۸۱۔ روزِ سبت میں یہود کی حیلہ سازی :۔

روز سبت معنی ہفتہ کا روز۔ سنیچر۔ + حیلہ سازی معنی بہانہ بنانا۔

مخلوق میں نہیں معلوم کتنی مخلوقات ہیں۔ ہم ان کا شمار ہی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالےٰ ہی جاننے والے ہیں کہ اُس نے اس کائنات میں کتنی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں۔ بہرحال اشرف المخلوقات میں سب سے اوّل حضرتِ انسان ہی کا شمار ہوتا ہے، انسانوں میں سے ہی اللہ جل شانہ، نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے ہیں، ان ہی میں اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں لیکن ان ہی میں ایسے انسان بھی ہوئے ہیں۔ جن سے ابلیس جیسا شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ یہود حیلہ سازی اور مکر و فریب کرنے میں پیش پیش ہیں۔ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کو نہ صرف پریشان کیا ہے بلکہ اُن مبارک ہستیوں کو قتل تک بھی کیا ہے۔ اور حیلہ بنانے میں تو یہ لوگ بہت آگے رہے ہیں، حیلہ تراشی کرنے میں ان کو بڑا ملکہ رہا ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت مولانا ابو محمد عبد الحق الحقانی الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ روزِ سبت کا ذکر کرتے ہوئے اپنی تفسیر موسومہ "تفسیر حقانیؒ" جلد دوم کے ص۱۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ :- "حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں سمندر کے کنارہ پر ملک شام میں کوئی شہر یا قصبہ تھا۔ (جس کو بعض نے ایلہ کہا ہے) ہفتہ کے روز کہ جس کو سبت کہتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے دین میں شکار کھیلنے یا اور کاروبار دنیوی کرنے کی سخت ممانعت تھی۔ جیسا کہ توراۃ میں مذکور ہے، وہاں کے لوگوں نے حیلہ کیا کہ پانی کی نالیاں حوضوں میں ڈال دیں، ہفتہ کے روز ان نالیوں کے ذریعہ سے حوضوں اور تالابوں میں مچھلیاں جمع ہو جاتی تھیں اور وہ نالیوں کو بند کر دیتے تھے، پھر اتوار کو پکڑ کر کھاتے۔

جب یہ پشت گزر گئی تو نئی پشت کے لوگ تو خاص ہفتہ کے روز بھی مچھلیاں پکڑنے لگے۔ ہر چند انبیاء اور صلحاء سمجھاتے تھے مگر وہ نہ مانتے تھے۔ تب خدا نے اُن پر قہر نازل کیا کہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور شدتِ ورم سے ان کی شکلیں بگڑ کر بندروں کی سی ہو گئیں۔ اور تین روز میں ہزاروں آدمی مر گئے۔ چنانچہ ہمو ئیل

کی دوسری کتاب کے ۲۴ باب میں مجملاً اس قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہود میں یہ واقعہ عبرت انگیز ہر شخص کی زبان زد تھا۔

رَحمَتُ معنی بخشش، مہربانی۔

۲۸۲۔ رَحمتُ:- انسان کو ہر وقت اللہ جل شانہٗ کی رحمت سے امید اور اچھی امید رکھنی چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر ہے۔ یہ مسلمان کا شیوہ نہیں ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید ہو جائے۔ یہ کافروں کا بُرا اور نہایت بُرا طریقہ ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔ کسی بھی کام کے لیئے جب بارگاہِ الٰہی میں دعا کرو تو یوں کہنا چاہیئے کہ "اے اللہ! اس کام کو میرے لیے اپنی رحمت کے ساتھ بہتر فرمانا۔" یہ کافی نہیں ہے کہ اے اللہ! اس کام کو میرے لئے بہتر کرنا۔ واضح ہو کہ ہر کام و مقصد میں اللہ کی رحمت کو شریک و شامل رکھو۔

"رحمتؔ کی چند قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ دل میں نورِ ایمان و توحید حاصل ہو۔ دوم یہ کہ اعضاء پر اطاعت اور خدمت کے انوار ظاہر ہوں۔ سوم یہ کہ دنیا میں رزق اور اسبابِ معاش سہل ہو جاویں اور تندرستی اور امن و عافیت حاصل ہو۔ چہارم یہ کہ شدتِ موت اور اس کے بعد قبر اور حشر میں رستگاری ہو۔ پنجم یہ کہ عالمِ سرور میں اُس کا دیدار اور نعماء بے شمار حاصل ہوں۔ لفظ رحمت ان سب کو شامل ہے۔" (تفسیر حقانیؒ)

قصص القرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔ وجاہت وعزت، دولت و ثروت اور خوش حالی و رفاہیت (عیش) کی حالت میں اللہ تعالےٰ کی شکر گزاری اور احسان شناسی کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اور اگر رعونت و انانیت کارفرما نہیں ہے تو بہت آسان ہے۔ لیکن مصیبت وبلا، رنج ومحن اور تنگ حالی میں رضا بقضاء رہ کر (یعنی خدا کے حکم پر جو مخلوقات کے حق میں دفعتاً واقع ہو جائے) حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا اور صبر و استقامت کا ثبوت دینا بہت مشکل اور کٹھن ہے۔ اس لیئے جب کوئی خدا کا نیک بندہ اس زبوں حالت میں ضبط و

استقلال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور صبر و شکر کا مسلسل مظاہرہ کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفت "رحمت" بھی جوش میں آجاتی ہے اور ایسے شخص پر اس کے فضل و کرم کی بارش ہونے لگتی ہے اور وہ غیر متوقع طور پر بے غایت افضال و اکرام سے نوازا جاتا اور دین و دنیا دونوں کی کامرانی کا حق دار بن جاتا ہے۔

۲۸۳۔ روزہ کی قسمیں:۔ روزہ معنی شرعی طور پر تمام دن بھوکا پیاسا رہنا۔ + قسمیں جمع ہے قسم کی بمعنی حصہ طرح طرح۔

روزہ دین اسلام کے پانچ بنیادی اصولوں میں سے ایک رکن ہے۔ روزہ انسان کی شہوانی خواہشات پر کنٹرول کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ روزہ انسان کی بھوک اور پیاس کو سمجھنے کا ایک واحد علم ہے کہ بھوک کیسی ہوتی ہے۔ اور پیاس کسے کہتے ہیں۔ تب ہی کسی بھوکے یا پیاسے کی مدد کرنے کے لیئے انسان کا دل کسی بھوکے یا پیاسے سائل کی خدمت کرنے کے لیئے ایک دم بے اختیار ہو جائے گا۔ روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس کے ثواب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ روزہ کا ثواب ہم اپنے بندہ کو خود اپنے دستِ مبارک سے عطا فرمائیں گے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ روزہ کھانے پینے اور مباشرت کے چھوڑنے کا نام ہے۔ روزہ سے دشمنِ خدا یعنی شیطان مغلوب ہوتا ہے۔

روزہ کی تین قسمیں تو کیفیت کے اعتبار سے ہیں اور تین ہی درجے اس کی مقدار کے اعتبار سے ہیں۔ جیسے ادنیٰ درجہ تو یہ ہے کہ رمضان کے فرضی روزے ہر سال رکھ لیا کرے۔

(۲) اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام روزہ رکھتے تھے یعنی ایک دن روزہ رکھے اور دوسرے دن کھاتے پیتے۔ پھر تیسرے دن روزہ رکھے، اور

چوتھے دن نہ رکھے۔ (۳) متوسط درجہ یہ ہے کہ عمر کا تہائی حصہ روزہ میں صرف ہو جائے۔ اس حساب سے سال بھر میں چار ماہ اور ایک یوم کے روزے ہوں گے کیوں کہ دونوں عیدین اور ایام تشریق کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔

روزہ کی کیفیت کے اعتبار سے تین قسمیں یہ ہیں:- (۱) ایک تو عوام کا روزہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے بچتے ہیں۔ اگرچہ بدن سے گناہ کیئے جائیں۔ سو یہ نام ہی کا روزہ ہے۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ بدن کے کسی بھی عضو سے کوئی کام خلاف شرع نہ ہو۔ یعنی زبان غیبت سے محفوظ رہے۔ آنکھ نامحرم کو بُری نگاہ سے نہ دیکھے (۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ جو خالص روزہ خاص بندوں کا ہوتا ہے کہ اعضائے بدن کے ساتھ ان کا قلب بھی فکر و وسواس سے محفوظ رہتا ہے اور سوائے ذکر الٰہی کے کسی چیز کا بھی ان کے دل میں گزر نہیں ہوتا ہے۔ یہ کمال کا درجہ ہے۔

۲۸۴۔ روزے اور آسمانی کتب:-

آسمانی صحیفے اور کتابیں جو آدم علیہ السلام سے لے کر جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء و رسل پر نازل ہوئیں۔ ان کی تعداد ایک سو چار بتلائی گئی ہے۔

ہم یہاں پر جن آسمانی کتب کا ذکرِ خیر کر رہے ہیں وہ چار ہیں (۱) توراۃ۔ (۲) انجیل (۳) زبور (۴) قرآنِ مبارک۔

"اللہ جلّ شانہ، کی یہی حکمت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبکہ کوہ طور پر ان کو توراۃ ملی اور خدا نے اُن سے کلام کیا تو اوّل اُن سے چالیس روزے رکھوائے اور اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیابان میں چالیس روزے رکھے۔ غالباً اُن کو اُسی وقت انجیل عطا ہوئی ہو۔ اور آنحضرت صلعم نے بھی غار حرا میں روزے رکھے۔ اُن پر وہاں قرآن نازل ہوا۔ رمضان کے مہینے میں شبِ قدر میں جو تجلی الٰہی کا وقت ہے قرآن مجید تمام و کمال لوح محفوظ سے نقل ہو کر آسمانِ دنیا میں بیت المعمور ایک جگہ ہے وہاں نازل ہوا۔ اور پھر

وہاں سے تھوڑا تھوڑا دنیا میں آنحضرت صلعم پر نازل ہوتا گیا۔" (تفسیر حقانی ج ۳)

۲۸۵۔ روزہ اور قرآن شریف بندہ کی شفاعت کریں گے:۔

قرآن معنی کلام اللہ۔ + بندہ معنی تابعدار۔ + شفاعت معنی سفارش کرنا۔

روزہ اور قرآن شریف دونوں بندہ کے لیئے اللہ جل شانہٗ سے شفاعت کریں گے۔ فضائل قرآن میں اس کی فضیلت پر بیان کیا گیا ہے کہ:۔ عبداللہ بن عمرؓ حضور صلعم سے نقل کرتے ہیں کہ روزہ اور قرآن شریف دونوں بندہ کے لیئے شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ عرض کرتا ہے کہ یا اللہ میں نے اس کو دن میں کھانے پینے سے روکے رکھا۔ میری شفاعت قبول کیجیئے اور قرآن شریف کہتا ہے کہ یا اللہ میں نے رات کو اس کو سونے سے روکا میری شفاعت قبول کیجیئے۔ پس دونوں کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

ترغیب میں الطعام والشراب کا لفظ ہے جس کا ترجمہ کیا گیا۔ حاکم میں شراب کی جگہ شہوات کا لفظ ہے۔ یعنی میں نے روزہ دار کو دن میں کھانے اور خواہشاتِ نفسانیہ سے روکا۔ اس میں اشارہ ہے کہ روزہ دار کو خواہشاتِ نفسانیہ سے جدا رہنا چاہیئے اگرچہ وہ جائز ہوں جیسا کہ پیار کرنا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ کلام مجید جوانمرد کی شکل میں آئے گا اور کہے گا کہ میں ہی ہوں جس نے تجھے راتوں کو جگایا اور دن کو پیاسا رکھا۔

حکمت معنی دانائی، عقلمندی۔

۲۸۶۔ روزہ کی حکمت:۔

اللہ تبارک وتعالےٰ نے قرآن مبارک میں ارشاد فرمایا ہے کہ:۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ ع ۲۳) ترجمہ:۔ اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے (امتوں کے) لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کہ تم (روزہ کی بدولت

رفتہ رفتہ) متقی بن جاؤ۔
اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے کہ روزہ رکھنے سے عادت پڑے گی نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی۔ اور اسی عادت کی پختگی بنیاد ہے تقویٰ کی، یہ روزہ کی ایک حکمت کا بیان ہے، لیکن حکمت کا اسی میں انحصار نہیں ہو گیا خدا جانے اور کیا کیا ہزاروں حکمتیں ہوں گی۔

۲۸۷۔ رَمَضَان کا چاند دیکھنا :۔

رَمَضَان معنی میم پر زبر کے ساتھ۔ نام نویں مہینے قمری کا جس میں مسلمان روزے رکھتے ہیں اور یہ لفظ ماخوذ ہے رَمَض سے جس کے معنی جلانے کے ہیں۔ چونکہ یہ مہینہ بسبب روزے رکھنے کے گناہوں کو جلا دیتا ہے اس لیے یہ نام ہوا۔
رمضان کا چاند دیکھنا ضروری ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم چاند (رمضان کا) دیکھو تو روزے رکھنا شروع کر دو، اور جب تم چاند (عید الفطر کا) دیکھو تو روزہ ترک کر دو۔ پھر اگر تمھارے مطلع میں اَبَر ہو تو تم اس کے لیے اندازہ کر لو۔
جو شخص رمضان کے روزے بہ حالتِ ایمان ثواب سمجھ کر اور خالص نیت سے رکھے (اُس کے لیئے ثواب بہت زیادہ ہے) حضرت عائشہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ”لوگوں کا اُن کی نیتوں کے موافق حشر ہوگا۔“
نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوقات سے زیادہ رمضان میں سخی ہو جاتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ فائدہ رسانی میں سخی تھے۔ اور تمام اوقات سے زیادہ رمضان میں سخی ہو جاتے تھے۔ جب جبرئیل علیہ السلام آپؐ سے ملتے تھے اُس وقت آپؐ تیز ہوا سے بھی زیادہ نیکی میں سخی ہو جاتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنا اور لغو کام کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس بات کی کچھ ضرورت نہیں کہ (روزہ کا نام کر کے) وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

ایک دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہی مروی ہے۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان دار ہو کر بغرض ثواب شب بیداری کرے گا اُس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور جو شخص رمضان کے روزے بہ حالت ایمان ثواب سمجھ کر رکھے اُس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔" (بخاری صحیح اُردو ج ۱)

۲۸۸۔ رَبُّ العٰلمین کا سلام :- سَلام معنے دُعا دینا۔ اطاعت کرنا۔

ہم یہاں پر اس عنوان سے ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت پر عرض کر رہے ہیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کا لقب جاہلیت میں بھی طاہرہ تھا۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے داخل ہوئیں۔ اُن پر کسی مرد یا عورت کو تقدم فی الاسلام حاصل نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار جسانہ مزنیہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئی۔ نبی صلعم نے نہایت مہربانی سے اس کا حال دریافت فرماتے رہے اور پوچھتے رہے کہ ہمارے بعد تمہارا کیا حال رہا۔ وہ چلی گئی تو میں نے پوچھا کہ یہ بڑھیا کون تھی۔ جس سے ایسی عنایت سے حضورؐ باتیں فرماتے رہے۔ فرمایا۔ خدیجہ کی سہیلی ہے۔ اُسے خدیجہ رضؓ کے ساتھ بہت محبت تھی۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ نے اپنی صحیح کے باب تزویج النبیؐ خدیجہؓ و فضلہا میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ روایت کی ہے کہ :-

جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے کہا۔ (ابھی خدیجہ حضور کے پاس ایک برتن جس میں کچھ کھانے پینے کی چیز ہے۔ لے کر حاضر ہوتی ہیں) آپ اُن سے رب العٰلمین کا سلام نیز میرا سلام کہہ دیجیے اور اُن کو ایک ایوان جنت کی بشارت دے دیجئے۔ جو خالص مروارید سے ہوگا۔ جس کے اندر کوئی رنج والم نہیں۔

ذرا غور کیجیے! ماشاء اللہ۔ رب العٰلمین کا سلام یہ ایسا شرف ہے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا وفضلہا کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہیں۔ (رحمۃ اللعالمین ج ۲)

۲۸۹۔ رات بھر سونا :-

واضح ہو کہ زیادہ سونا اچھا نہیں ہے۔ اس سے بدن شست ہو جاتا ہے اور جس طرح زیادہ جاگنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے اسی طرح زیادہ سونے سے صحت پر مُضر اثر پڑتا ہے۔ طبّی اصول کے مطابق اپنی صحت کو اچھی طرح قائم رکھنے کے لیئے صرف چھ گھنٹے رات دن میں سونا چاہیئے۔ جہاں تک عبادت کا سوال ہے وہ رات کو چونکہ تنہائی ہو جاتی ہے اور سکون کا وقت ہوتا ہے اس لیئے وہ رات ہی میں اچھی طرح کی جاسکتی ہے تو پھر رات بھر سونا تو اس کے لیئے ویسے بھی درست نہیں ہے۔ اس رات بھر سونے میں قصص القرآن جلد دوم میں مذکور ہے کہ:-

ابن ماجہؒ کی ایک حدیث میں منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سلیمانؑ بن داؤدؑ کی والدہ نے ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام کو یہ نصیحت فرمائی:-

"بیٹا رات بھر نہ سوتے رہا کرو، اس لیئے کہ رات کے اکثر حصّہ کو نیند میں گزارنا انسان کو قیامت کے دن اعمال خیر سے محتاج بنا دیتا ہے۔"

۲۹۰۔ رِیَاح کی تسخیر :-

رِیَاحُ معنی ہوائیں۔ رِیاحُ جمع ہے رِیحُ کی۔+ تسخیر معنی تابع کرنا۔ اپنی طرف کر لینا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوتِ حقہ کے خصوصی امتیازات میں سے ایک

امتیاز یہ بھی تھا کہ اللہ تعالٰی نے ریاح یعنی ہوا کو اُن کے حق میں مسخر کر دیا تھا۔ اور وہ اُن کے زیرِ فرمان کر دی گئی تھی۔ قرآن عزیز نے حضرت سلیمانؑ کے اس شرف کے متعلق تین باتیں بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ ہوا کو سلیمانؑ کے حق میں مسخرؔ کر دیا گیا۔ دوسری یہ کہ ریاح یعنی ہوا اُن کے حکم کے اس طرح تابع تھی کہ شدید اور تیز و تند ہونے کے باوجود اُن کے حکم سے نرم اور آہستہ روی کے باعث راحت ہو جاتی تھی۔ تیسری بات یہ کہ نرم رفتاری کے باوجود اُس کی تیز روی کا یہ عالم تھا کہ حضرت سلیمانؑ کا صبح و شام کا جُدا جُدا سفر ایک شہسوار کی مسلسل ایک ماہ کی رفتارِ مسافت کے مساوی ہوتا تھا۔ گویا تختِ سلیمان علیہ السلام انجن اور مشین جیسے اسبابِ ظاہر سے بالاتر صرف خدائے تعالٰی کے حکم سے ایک بہت تیز رفتار ہوائی جہاز سے بھی زیادہ تیز مگر سُبک روی کے ساتھ ہوا کے کاندھے پر اُڑا چلا جاتا تھا۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب چاہتے تو صبح کو ایک مہینہ کی مسافت اور شام کو ایک مہینہ کی مسافت کی مقدار سفر کر لیتے تھے۔"

(قصص القرآن ج ۲ ص ۱۰۲)

۲۹۱۔ روزِ حساب جہنّم کا دھواں اور کفّار:-

روزِ حساب معنے حشر کا دن۔ + جہنّم معنی گہرا کنواں اور نام دوزخ کے پہلے طبقے کا۔ + کفّار جمع ہے کافر کی۔ معنی چھپانے والا۔ چونکہ بے دین حق کو چھپاتا ہے اور اسلام کی طرف نہیں پھرتا ہے۔ اس لیئے کافر کہا۔

قرآن مبارک میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ:- اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۚ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ .... تا ...... كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۗ (سورۃ المرسلٰت ع ۱) ترجمہ:- (کفار کو) تم اُس عذاب کی طرف چلو جس کو جھٹلاتے تھے۔ ایک سائبان کی طرف چلو۔ جس کی تین شاخیں ہیں۔ جس میں نہ (ٹھنڈا) سایہ ہے اور نہ وہ گرمی سے بچاتا ہے۔ وہ انگارے

برسادے گا جیسے بڑے بڑے محل۔ جیسے کالے کالے اُونٹ۔

اس کی تفسیر حضرت تھانوی رح نے یوں بیان فرمائی ہے:۔ مراد اس سائبان سے ایک دھواں ہے جو جہنم سے نکلے گا۔ اور چونکہ کثرت سے ہوگا اس لیئے بلند ہوگا۔ پھٹ کر کئی ٹکڑے ہو جاوے گا۔ فراغ حساب تک (یعنی حساب کی فراغت تک) کفار اسی دھوئیں کے احاطہ میں رہیں گے۔ جب مقبولین ظلِ عرش (عرش کے سایہ) میں ہوں گے۔

آگے فرماتے ہیں کہ قاعدہ ہے جب چنگاری آگ سے چھڑتی ہے تو بڑی ہوتی ہے۔ پھر پہلی تشبیہ ابتدائی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسری تشبیہ انتہائی حالت کے اعتبار سے ہے۔"

۲۹۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم:

رسول ؐ معنی پیغمبر جو صاحبِ کتاب ہو۔ یعنی نئی کتابِ آسمانی خدا کی طرف سے لے کر آوے۔ + صحابہ رضؓ معنی ہم صحبت۔ یعنی وہ دوست جو حضور صلعم کے ساتھ رہتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم میں آپؐ کے چار دوست بہت مشہور و معروف ہیں۔ (۱) حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جو آپؐ کے خلیفہ اوّل ہوئے ہیں۔ (۲) حضرت عمر فاروق رضؓ جن کے زمانہ سے مسلمانوں کے خلیفہ کا لقب امیر المومنین شروع ہوا۔ (۳) حضرت عثمان غنی رضؓ جو جامع قرآن کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ (۴) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ جو شیر خدا کے لقب سے مشہور و معروف ہیں۔ یہ چاروں دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

٭ ایک روز حضرت عمران بن حصین رضؓ نے چند لوگوں کے سامنے "شفاعت" کا بیان کیا۔ ایک شخص بولا۔ "اے ابوالجنید تم ہمارے سامنے وہ حدیثیں بیان کرتے ہو جن کی اصل ہمیں قرآن میں نہیں ملتی"، عمران رضؓ یہ سن کر غضب ناک ہو گئے۔

اور آپ نے اُس سے فرمایا۔ "تم نے قرآن پڑھا ہے؟" اس نے کہا۔ ہاں۔ فرمایا کیا تم نے قرآن میں کہیں یہ پڑھا ہے کہ عشاء کی فرض رکعتیں چار، مغرب کی تین، فجر کی دو۔ ظہر اور عصر کی چار چار ہیں۔ بولا۔ نہیں۔ حضرت عمران رضؓ نے فرمایا۔ کیا ان سب رکعتوں کا علم تم نے ہم سے حاصل نہیں کیا اور کیا ہم نے ان کو آنحضرت صلعم سے نہیں سیکھا ہے؟

پھر حضرت عمران رضؓ نے سوال کیا۔ کیا تمہیں قرآن میں کوئی ایسی آیت ملی ہے جس میں بتایا گیا ہو کہ چالیس بکریوں میں ایک بکری کی زکوٰۃ کی۔ اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ اور اتنے درہم میں ایک درہم زکوٰۃ کا ادا کرنا ہوگا۔ اس شخص نے کہا نہیں۔ آپ بولے۔ کیا زکوٰۃ کی ان تمام مقادیر اور نصاب کا علم تم نے ہم سے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سیکھا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضؓ زبان داں اور عربی فصاحت و بلاغت سے پورے پورے طور پر واقف ہونے کے باوجود بعض آیات کا مطلب نہیں سمجھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آیت حج نازل ہوئی تو ایک صحابی نے دریافت کیا۔ "یہ حکم اسی سال کے لیے ہے یا ہر سال کے لیے۔" پھر آپؐ نے اس کی تشریح فرمائی کہ ایک شخص پر عمر میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے بشرطیکہ اس میں فرضیت حج کی شرائط پائی جائیں۔

اسی طرح تیمم کے متعلق جب آیت نازل ہوئی تو صرف وضو کے لیئے پانی نہ ملنے پر سمجھی گئی۔ آپؐ نے اس کی بھی تشریح فرمائی اور غسل ضروری کے لیئے بھی ارشاد فرمایا اور کہا کہ جو تیمم وضو کا قائم مقام ہے وہی غسل کا بھی قائم مقام ہے۔" (فہم قرآن صہ ۸۶، ۸۷)

۲۹۳۔ راہن اور مُرتہِن :- راہن معنی گروی رکھنے والا کسی چیز کا۔ مُرتہِن معنی جس کے پاس رہن کیا جائے۔

راہن اور مرتہن یا کوئی اور جب باہم اختلاف کریں تو وکیل مدعی کے ذمہ ہے اور اگر وہ دلیل پیش نہ کرے تو مدعیٰ علیہ کے ذمہ قسم (واجب) ہے۔

لیکن واضح ہو کہ قسم کھانا اتنا آسان اور سہل نہیں ہے جتنا اُسے سمجھتے ہیں ایک حدیث میں قسم کی بابت فرمایا ہے:

حضرت ابو وائل رض کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رض بن مسعود کہتے تھے کہ جو شخص ایسی قسم کھائے جس سے اُس کو کچھ مال پانے کا استحقاق ہو جائے اور وہ قسم میں جھوٹا ہو، تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:- اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا الآیہ: (ترجمہ:- جو لوگ اللہ کے عہد اور ایسی قسموں کے عوض تھوڑے دام لیتے ہیں انھیں بڑا عذاب ہوگا۔) پھر انھوں نے عَذَابٌ اَلِیْمٌ تک اس آیت کو پڑھا، اس کے بعد اشعث بن قیس ہمارے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ ابو عبدالرحمٰن (یعنی حضرت ابن مسعود رض) تم سے کیا بیان کرتے تھے؟ ابو وائل رض کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے بیان کر دیا تو انھوں نے کہا کہ سچ کہتے ہیں۔ یہ آیت میرے ہی حق میں نازل ہوئی ہے۔ میرے اور ایک شخص کے درمیان ایک کنویں کی بابت کچھ جھگڑا تھا۔ پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تمھارے دو گواہ (پیش ہونے چاہیئیں) ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو قسم کھالے گا اور کچھ پرواہ نہ کرے گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی بات پر قسم کھالے جس سے وہ کچھ مال کا مستحق ہو جائے اور وہ اس قسم میں جھوٹا ہو۔ تو وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اُس پر خشمگیں (غصہ کی حالت میں) ہوگا۔"

(صحیح بخاری اُردو ج ۱)

۲۹۴۔ رسول بشر ہوتا ہے یا فرشتہ :۔ بشر معنے آدمی۔ انسان۔ اس میں مذکر اور مؤنث برابر ہیں۔ + فرشتہ معنی خدا کا قاصد نورانی۔

رسول بشر ہے یا فرشتہ اس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے قرآنِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے : قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ .... تا .... لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ (سورۂ بنی اسرائیل ع ۱۱/۱۱) ترجمہ :۔ (اے محمد صلعم) آپ فرما دیجئے کہ سبحان اللہ میں بجز اس کے کہ آدمی ہوں (مگر) پیغمبر ہوں اور کیا ہوں۔ اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے بجز اس کے اور کوئی (قابل التفات) بات مانع نہیں ہوئی کہ انھوں نے کہا کیا اللہ تعالےٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے (رہتے) ہوتے کہ اس میں چلتے بستے تو البتہ ہم اُن پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

اس کی تفسیر میں حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔ یہ ایک شبہ متعلقہ رسالت کا جواب ہے۔ وہ شبہ یہ کہ رسول بشر نہ ہونا چاہیئے۔ فرشتہ ہونا چاہیئے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مرسل الیہم (یعنی جن پر نبی بھیجا گیا) فرشتے ہوتے تو رسول بھی فرشتہ ہوتا۔ جب کہ مرسل الیہم بشر ہیں تو رسول بھی بشر ہونا چاہیئے۔

اگر وسوسہ ہو کہ جب مناسبت کی ضرورت سے مجانست (یعنی ہم جنس) کی رعایت ہوئی تو پھر رسول کے پاس کہ بشر ہوتا ہے فرشتہ کیسے آتا ہے اور کیونکر فیض (فائدہ) ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ رسول میں چونکہ شانِ ملکیت (یعنی فرشتہ کی شان) بھی ہوتی ہے اس لیے اس کو فرشتہ اور بشر دونوں سے مناسبت ہوتی ہے کہ فرشتہ سے وحی لے کر بشر کو پہنچا دے۔

باری تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (سورۂ توبہ) تمھارے پاس عظیم الشان رسول آیا ہے جو تم ہی

میں سے ہے۔

(الف) مِنْ اَنْفُسِکُمْ :۔ کے مخاطب اہلِ عرب اور قریش ہیں ..... اہلِ عرب کو اپنے حسب ونسب پر بے انتہا فخر اور بے حد ناز تھا۔ وہ غیر عرب کی کوئی وقعت نہ سمجھتے تھے ۔اور ایسے شخص کی اطاعت کو بھی ننگ و عار سمجھا کرتے تھے ۔لہذا رب العٰلمین نے اہلِ عرب پر یہ بھی اظہارِ منت و احسان فرمایا کہ یہ عظیم الشان رسول جس کا اوّلین فرض عرب کو ہدایت کرنا ہے تم ہی میں سے ہے ۔تم سے غیر نہیں۔

(ب) مِنْ اَنْفُسِکُمْ :۔ کے مخاطب کل اہلِ جہاں ہیں۔ اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ رسول جو منصب رسالت کے اعتبار سے عظیم الشان ہے۔ جنس بشر ہی سے ہے۔ کیونکہ اگر وہ جنس ملائک سے ہوتے تو اتحاد جنسیت کے فقدان (گم ہونے) سے اتحاد اور یگانگت کی تکمیل نہ ہو سکتی۔ تعلیم و تعلم میں دشواریاں لاحق ہوتیں اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوتا کہ اُسوۂ رسول کا اتباع کرنے والوں کو صفات ملکوتی پر چلنا محال ہو جاتا اور اتباع نہ کرنے والوں کو بہانہ ہاتھ آجاتا۔

ان آیات سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ رسول انسانوں ہی میں سے ہیں فرشتوں میں سے نہیں۔ وہ انسانوں ہی کی طرح کھاتے، پیتے اور رہتے سہتے تھے۔ قول باری تعالےٰ ہے: (الف) : وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن کو رسالت کے ساتھ مامور کیا۔ وہ انسان ہی تھے۔ ہماری وحی ان کو ملتی تھی۔

(ب) وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ : ہم نے اُن کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ جیتے رہنے والے بھی نہ تھے۔

(ج) بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ :۔ وہ تو باعزت بندے ہیں۔ بات چیت میں اللہ کی اجازت سے آگے نہیں بڑھتے۔ اور اللہ کے حکم پر وہ عمل کیا کرتے ہیں۔

انسانیت کے ثبوت میں یہ بتلایا کہ وہ کھانے پینے سے مستثنیٰ نہ تھے۔ نیز وہ ایک وقت پیدا ہوئے اور دوسرے وقت دنیا سے رخصت ہو گئے اور اُن کی فضیلت کے ثبوت میں فرمایا کہ وہ صاحب وحی ہوتے تھے۔ منصب دار رسالت ہوتے تھے دربارِ الٰہی میں اعزاز و اکرام والے ہوتے تھے۔

ان آیات میں قوۃ علمیہ۔ اور قوت عملیہ کا بھی ذکر ہے اور ان کے مراتب روحانی کا بھی اظہار۔ اور یہی وہ امور ہیں۔ جن سے مقدسین کا باوجود انسان ہونے کے جملہ کائنات سے برتر و ممتاز ہونا ثابت ہے۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۳)

"ز"

۲۹۵۔ زمین و آسمان :- زمین معنی وہ کرہ جس پر ہم رہتے ہیں۔ + آسمان معنی فلک۔

الہامی کتابوں بالخصوص قرآن مجید سے یہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی مجسم چیز ہے جو قیامت کو پھٹ جاوے گی۔ عام ہے کہ وہ کوئی جسم اور کسی قسم کا ہو۔ قال اللہ تعالیٰ: اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَقَالَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ وَقَالَ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَقَالَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ الآیات۔ کیونکہ اگر آسمان فضا یا بعد موہوم کا نام ہوتا جیسا کہ بعض مقلدین یورپ کا قول ہے تو وہ ایک عدمی چیز ہے۔ اس کا پھٹنا اور اس کے چھلکوں یعنی طبقات کا اکھڑنا اور اس کو پیدا کرنا اور بنانا جس طرح کہ زمین اور اس کی چیزیں بنائیں یا اس کی کھڑکیاں کھلنا جس کا کہ توراۃ میں ذکر ہے اور اس کو سقف محفوظ کہنا چہ معنی دارد؟ البتہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ اکابر سے جو کچھ آسمانوں کے باہمی فاصلہ کی نسبت مروی ہے اور یہ کہ فلاں آسمان چاندی کا اور فلاں زبرجد کا اور اس کا اور فلاں اُس کا اگر بسند صحیح ثابت ہے تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے نہ کہ حقیقت پر۔ پھر اس پر اعتراض محض بے جا ہے۔

عالم کے پیدا ہونے میں لوگوں کے گوناگوں مذاہب اور مختلف اقوال ہیں۔ اسی طرح اصول مرکبات میں بھی حکماء کا باہم اختلاف ہے۔ چنانچہ کچھ حکماء، آگ، پانی خاک اور ہوا۔ اربع عناصر کے قائل ہیں۔ بعض صرف ایک ہی عنصر کے قائل ہیں بعض دو کے، بعض تین کے اور بعض بہت سے عناصر مانتے ہیں۔ جو ایک کہتے ہیں پھر اُن کا بھی اختلاف ہے۔ کوئی آگ کو اصل مانتا ہے اور عناصر اسی سے پیدا ہونا کہتا ہے کہ آگ مستحیل (یعنی ایک حالت سے دوسری حالت پر) ہو کر ہوا بنی اور ہوا مستحیل ہو کر پانی بن گیا اور پانی منجمد ہو کر زمین بن گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوا اصل ہے باقی سب چیزیں مستحیل ہو کر ہوا سے بنی ہیں۔ بعض پانی کو اصل کہتے ہیں۔ بعض مٹی کو اصل قرار دیتے ہیں۔ بعض انجرات (یعنی بھاپ) کے قائل ہیں۔ یہاں بھی عقل کو بڑی حیرانی اور سرگردانی تھی کہ کس کو غلط کہیے کس کو صحیح؟

اس لیئے اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاء علیہم السّلام کی معرفت اس راز سربستہ کو یوں کھول دیا :- قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا .... تا .... ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝ (پارہ ۲۴ فمن اظلم سورۃ حٰمٓ السجدۃ ع ۲)

ترجمہ :- آپ فرمایئے کہ کیا تم لوگ ایسے خدا (کی توحید) کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو (باوجود اتنی وسعت کے) دو روز میں پیدا کر دیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو یہی سارے جہان کا رب ہے اور اُس نے زمین میں اس کے اُوپر پہاڑ بنا دیئے، اور اس (زمین) میں فائدہ کی چیزیں رکھ دیں اور اس میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں تجویز کر دیں۔ چار دن میں (یہ ہوا جو شمار میں) پورے ہیں۔ پوچھنے والوں کے لیے۔ پھر آسمان (کے بنانے) کی طرف توجہ فرمائی اور وہ (اس وقت) دھواں سا تھا۔ سو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ سو دو روز میں اس کے سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کے مناسب اپنا حکم (فرشتوں کو)

بھیج دیا اور ہم نے اس کے قریب والے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور (استراق شیاطین سے) اس کی حفاظت کی۔ یہ تجویز ہے (خدائے) زبردست واقف الکل کی۔

خدا نے دو روز میں زمین کو پیدا کیا۔ اور بموجب قول ابن عباسؓ کے (کہ جس کو تفسیر مدارک وغیرہ میں نقل کیا ہے) مبداء اس کا ایک جوہر ہے کہ خدائے تعالےٰ کی نظر ہیبت سے پانی ہو گیا۔ پس یہ پانی بحر ہستی میں موجزن تھا اور خدائے تعالےٰ کے احاطہ قدرت و جبروت میں تھا۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ (صحیح بخاری میں ہے قَالَ كَانَ اللهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهُ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ الحدیث کہ اللہ ہی تھا اس سے پہلے کچھ نہ تھا اور اسی کا تخت پانی پر تھا پھر اُس نے آسمان اور زمین کو بنایا اور ترمذی شریف نے بھی ایسا ہی روایت کیا ہے) کہ اس کا تخت پانی پر تھا اور توراۃ پیدائش کے اول باب ۲ آیت میں بھی ہے کہ خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی۔ پھر اس پانی کی حرکت اور تموج سے حرارت اور ابخرات اور دھوئیں پیدا ہوئے اور جھاگ بھی بے شمار اُٹھے وہ جھاگ وغیرہ جس قدر منجمد ہو گئے۔ وہ زمین ہو گئی اور ہر طرف سے پانی اس پر محیط ہو گیا۔ مگر کسی قدر ارتفاع انخفاض (یعنی بلندی نشیب) کی وجہ سے پانیوں کے اوپر بھی رہے کہ جس پر لوگ آباد ہیں اور پانی تحلیل ہو کر حرارت کی وجہ سے ہوا بن گئی اور ہوا تموج کی حرارت سے مستحیل ہو کر آگ بن گئی۔ مگر قرآن شریف سے صرف اس قدر ثابت ہے کہ خدا نے دو روز میں زمین کو بنایا۔ پھر وہ دھوئیں اور ابخرات سے مرتفع تھے اُن سے دو روز میں سات آسمان بنائے۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے:۔ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَاءِ۔ اور وہ جو لطیف ابخرات تھے (اُن سے) ستارے بنا کر آسمان کو مزین کیا۔

پس جب آفتاب و ماہتاب اور رات دن ہو چکے (تو ان کی حرارت و برودت

سے یعنی گرمی و سردی سے) زمین کے اوپر نباتات، پہاڑ و انہار وغیرہ وہ چیزیں پیدا کیں کہ جن کی طرف انسان و حیوانات کو اشد ضرورت ہے اور یہ بھی دو روز میں کیا جیسا کہ فرماتا ہے :- اَلسَّمَآءُ بَنٰهَا ٥ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ٥ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا ٥ وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ٥ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ٥ کہ خدا نے آسمان کو بنایا اور بلند کیا اور پھر اُن کی درستی اور اُس سے رات دن پیدا کر کے اُس کے بعد زمین کو آراستہ کیا۔ اور اس کے اوپر پہاڑوں کا دباؤ ڈالا۔ پھر حیوانات اور حضرت انسان کو بنایا تو راۃ میں بھی اسی کے موافق ہے مگر کسی قدر عبادت کا ایچ پیچ ہے۔ باقی مطلب صاف ہے۔

جمہور علماء صحابہ و تابعین عبداللہ بن عباسؓ و مجاہد و حسن وغیرہ اسی تفسیر پر متفق ہیں کہ آسمان زمین کے بعد بنایا گیا ہے۔ جیسا کہ ابھی مذکور ہوا۔ لیکن بعض علماء جیسا کہ قتادہؒ اور سدیؒ اور مقاتلؒ اور بیضاویؒ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کو پہلے پیدا کیا۔ اس آیت سے والارض بعد ذالك دحٰها اور ثم کو تراخی رتبی پر محمول کرتے ہیں مگر یہ تکلف ہے۔ کلام الٰہی میں غور نہیں کیا کیونکہ بعد ذالك جو فرمایا ہے تو زمین کے دَحُو کی نسبت فرمایا نہ پیدا ہونے کی نسبت یعنی زمین آسمان سے پیدا تو پہلے ہو چکی ہے مگر اس کی آراستگی جو دَحُو کا مفاد ہے آسمانوں کے بعد ہے۔

زمین کو دو روز میں پیدا کیا اور دو روز میں اس کو آراستہ کیا اور دو روز میں آسمان بنایا یہ کل چھ روز ہوئے۔ جیسا کہ فرمایا :- وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ زمین کو اتوار اور پیر کے دن اور اس کی آراستگی اور اس کے پہاڑ وغیرہ چیزیں منگل اور بدھ کے روز اور جمعرات کے دن آسمانوں کو اور جمعہ کے دن ستاروں کو پیدا کیا۔ صحیح مسلم میں اور طرح آیا ہے۔ توراۃ سِفر خروج ۲۱ باب ۱۷ درس میں یہ بھی ہے۔

اس لیے کہ چھ۶ دن میں خداوند نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔ اور یہ ساتواں روز ہفتہ کا دن ہے کہ جس کو یہود سبت کہتے ہیں۔ لیکن آرام کرنا غلطی کاتب ہے اس لیے کہ وہ فرماتا ہے: وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ۔ کہ ہم پیدا کرنے میں کچھ تھکے نہیں۔" (تفسیر حقانی ص۱۳۹ تا ص۱۴۴)

۲۹۶۔ **زرتشت**:- اس عالم فانی میں لوگوں نے بہت سے مذاہب اختیار کیئے ہیں اُن میں ایک مذہب آتش پرستی بھی ہے۔ اسی مذہب کے بانی کا نام زرتشت تھا۔ اس نے ہی آتش پرستی کے مذہب کو جاری کیا تھا۔

"دارائے گشتاسپ بن لہراسپ نے آتش پرستی کو اختیار کیا اور اپنے بیٹے اسفندیار کی مدد سے اس مذہب کو کمال ترقی دی۔ جابجا آتش کدے بنوائے۔ آتش پرستوں کی مذہبی کتابیں زند و پازند اسی کے زمانہ میں تیار ہوئیں۔ اسی بادشاہ یعنی دارائے گشتاسپ کے زمانہ میں زرتشت نے دین آتش پرستی کو جاری کیا تھا۔

زرتشت منوچہرہ یا منوچہر (ایک نسل ایرانی کا نام ہے) بادشاہ کی نسل سے تھا۔ اُس زمانہ کے ایک مشہور حکیم فیثاغورث کا شاگرد تھا۔ اس نے گشتاسپ بادشاہ کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مجوسی اس کو اپنا پیغمبر مانتے ہیں اور اس نے جو کتاب زند بنا کر اپنی امت کو دی تھی وہ اس کتاب کو آسمانی کہتے ہیں۔ اور آگ کو مقدس مانتے ہیں اسی لیے آتش پرستوں کے آتش کدوں میں وہ آگ جو شروع میں روشن کی گئی تھی برابر جاری ہے۔

۲۹۷۔ **زَبور**:- زبور معنی لکھی ہوئی چیز تحریر اور نام ہے حضرت داوٗد علیہ السّلام کی کتاب کا۔

"بنی اسرائیل کی رشد وہدایت کے لیے "اصل اور اساس" تورات تھی۔ لیکن حالات وواقعات اور زمانہ کے تغیرات کے پیش نظر حضرت داوٗد علیہ السلام

کو بھی خدا کی جانب سے زبور عطا ہوئی جو توراۃ کے قوانین واصول کے اندر رہ کر اسرائیلی گروہ کی رشد و ہدایت (نیک راہ پر چلاتے) کے لیے بھیجی گئی تھی چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے شریعت موسویؑ کو از سر نو زندہ کیا۔ اسرائیلیوں کو راہِ ہدایت دکھلائی اور نور وحی سے مستفیض ہو کر (فیض حاصل کر کے) تشنہ کامانِ معرفتِ الٰہی کو (یعنی اللہ تعالےٰ کے پہچاننے کی پیاس رکھنے والے پیاسوں کو) سیراب فرمایا۔

زبور خدا کی حمد کے نغموں سے معمور تھی۔ اور حضرت داؤد (علیہ السلام) کو اللہ تعالےٰ نے ایسا لہجہ اور سحر آگیں لحن (خوش آواز لہجہ) عطا فرمایا تھا کہ جب زبور کی تلاوت فرماتے جنّ وانس حتیٰ کہ وحوش وطیور تک وجد میں آجاتے۔ اس لیے آج تک "لحنِ داؤدی" ضرب المثل ہے۔

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ابوموسیٰؓ اشعری کے حسنِ صوت کو سنتے تو ارشاد فرماتے، ابوموسیٰؓ کو اللہ تعالےٰ نے لحنِ داؤد عطا فرمایا ہے۔

لغت میں زبور کے معنی پارے اور ٹکڑے کے ہیں چونکہ یہ کتاب دراصل توراۃ کی تکمیل کے لیے نازل ہوئی تھی اسی لیے گویا اس کا ایک حصہ اور ٹکڑا ہے۔

زبور ایسے قصائد اور مسجّع کلمات (یعنی سخن با قافیہ کلمات) کا مجموعہ تھا جس میں خدا کی حمد وثنا اور انسانی عبدیت و عجز کے اعتراف اور پند ونصائح اور بصائر و حکم مضامین تھے۔ مسند احمد میں ایک روایت منقول ہے کہ زبور کا نزول رمضان میں ہوا اور وہ مواعظ وحکم کا مجموعہ تھی۔ نیز بعض بشارات اور پیشین گوئیاں بھی منقول تھیں۔ چنانچہ بعض مفسرین نے یہ تصریح کی ہے کہ آیت مسطورہ ذیل میں زبور کے جس واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کی بشارت سے متعلق ہے اور وہی اس کا مصداق (سچا پایا) ہیں۔ ترجمہ:- اور بیشک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ کہہ دیا تھا کہ زمین کے

وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ (انبیاء)

قرآنِ عزیز نے جگہ جگہ توراۃ، انجیل اور زبور کو خدا کی وحی فرمایا ہے اور منزل من اللہ بتایا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے دیدہ و دانستہ خدا کی ان کتابوں کو بدل ڈالا اور جگہ جگہ اپنی مرضی کے مطابق ان میں تحریف کر دی حتیٰ کہ اب ان کے حقائق پر اس قدر پردہ پڑ گیا ہے کہ اصل اور جعل کے درمیان فرق کرنا سخت مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (بقرہ) ترجمہ:۔ بعض یہود وہ ہیں جو توراۃ و انجیل و زبور کے کلمات کو ان کی اصل حقیقت سے بدلتے اور پھرتے ہیں۔" (قصص القرآن ج ۲)

۲۹۸۔ زبانِ عربی:۔ زبان معنی بولی۔ قوم کی لغت + عربی معنی عرب والوں کی بول چال یعنی وہ زبان جس میں عرب والے بات چیت کرتے ہیں۔

سام یا شم حضرت نوح علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے کا نام ہے جب حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ۵۰۲ سال کی تھی کہ آپ کے مشکوئے نبوت میں یہ پہلا بیٹا پیدا ہوا۔ یہی وہ حضرت سام ہیں جو ان تمام اقوام کے پدر ہیں اور جملہ السنہ (یعنی تمام زبانوں) کے معلم ہیں جن کا نام یورپین مورخین نے (اساموٹیک) رکھ دیا ہے۔

کھوج اور غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سامی زبان کا وجود ایشیا اور افریقہ کے اندر برابر پایا جاتا ہے۔ فونی شین، ارمیک، اسیرین اور اُدیک زبانیں سام ہی سے نکلی ہیں اور یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ عبرانی اور عربی زبانیں تمام زبانوں کے اندر زیادہ شان دار اور خزائنِ علمی سے مالا مال ہیں۔

مشہور قدیم مؤرخ سیبر ینجیر اور سکر مدیر اپنے قدما کے اتباع میں اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ سام کی اولاد کا اصلی وطن عرب ہے۔ قرآن مجید نے

آیت: لِتُنذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا۔ میں مکّہ کو "اُم القریٰ" یعنی بستیوں کی ماں بتایا ہے۔ اور یہ ارشاد اُن مورخین کی اس محققانہ جدوجہد کی تصدیق فرماتا ہے۔

یہ بات بھی تاریخ سے ثابت ہوگئی ہے کہ قدیم زمانہ میں کچھ قومیں ریگستانِ عرب سے نکل کر اُس کے گرد و نواح کی قابل کاشت اراضی پر آباد ہوئی تھی۔ اس کا ثبوت اس طرح حاصل ہوا ہے کہ عرب ہی وہ لوگ ہیں جن میں سیمیٹک کیرکٹر (یعنی سامی عادات و اطوار) اصلی حالت میں پایا جاتا ہے کیونکہ اُن کی سادہ زندگی ہمیشہ یکساں طریق پر چلی آئی ہے۔

اہلِ عرب کی زبان ہی ہمیشہ سے محفوظ رہی ہے۔ عبرانی زبان بھی کسی قدیم زمانہ میں محفوظ تھی۔ لیکن سلطنتِ یہود کا زوال، اور آشدودیوں کے ساتھ یہودیوں کی بیاہ شادیاں، بنی اسرائیل کی اسیری، بیت المقدس کی بربادی یہودیوں کا مختلف ممالک میں منتشر ہوجانا یہ ایسے قدرتی اسباب تھے کہ عبرانی زبان اپنی اصلی حالت میں باقی نہ رہی اور ان اسباب سے اس قدر انقلاب عظیم ہوا کہ آخر یہود کی اصلی زبان بجائے عبرانی کے ارمیک بن گئی۔ چنانچہ جب عبرانی کا یہ حال ہے تو دیگر سامی السنہ (یعنی سامی زبانوں) کا ذکر فضول ہے۔

ارمیک زبان کبھی تمام کنعانیوں کی زبان تھی۔ جہاں جہاں کنعانی قومیں عمدہ عمدہ چراگاہوں کی تلاش میں کنعان سے چینی ترکستان تک پہنچتی رہیں۔ یہ زبان بھی وہاں گئی۔ لیکن اب یہ زبان بھی نقاب نیستی کے پردہ میں پنہاں ہے۔

المختصر۔ عربی ہی ایک ایسی واحد اور وحید زبان رہ جاتی ہے۔ جو سام (علیہ السلام) کی تعلیم کردہ زبانوں میں سے زندہ و توانا موجود ہے۔ عرب، شام، عراق، مصر، فلسطین اور مراکو و ٹیونس اب تک اس کے زیرِ نگین ہیں۔ اور اوکسفورڈ سے برازیل تک اس کی سیرگاہیں ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ زبان عربی ہی ان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ جو طوفانِ

نوحؑ کے بعد کسی متمدن حصۂ عالم پر پائی گئی تھیں جیسا کہ حضرت سام ان ممالک کے جملہ باشندہ اقوام کے پدر بزرگوار ہیں۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۲)

۲۹۹۔ زمانہ فترت:۔
زمانہ معنی وقت۔ + فترت معنی سستی۔ + یعنی دو پیغمبروں کے درمیان کا زمانہ۔

لغوی اعتبار سے زمانہ فترت اُس زمانہ کو کہتے ہیں جو دو پیغمبروں کے درمیان ہو۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو زمانہ ہے وہ زمانہ فترت کا کہلاتا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ زمانہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا ہے۔ چھ سو سال کا زمانہ ہے اور اس درمیان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔" (تفسیر المائدہ "قرآن مجید صـ ۱۳۵ حضرت تھانویؒ)

۳۰۰۔ زرّین اقوال کی روشنی میں مُطالعہ کی اہمیت:

زریں اقوال معنی قیمتی باتیں، نصیحت حاصل کرنے کی کہاوتیں۔ بزرگ لوگوں کی بھلی باتیں۔ + مُطالعہ معنی کسی چیز کو دیکھنا، اس سے واقفیت پیدا کرنے کے لیئے۔ + اہمیّت معنی نہایت ضروری، جس کی بڑی ضرورت ہو۔

جس طرح ایک غوطہ زن دریا اور سمندر میں اس کی گہرائیوں میں پہنچ کر قیمتی اور نایاب گوہر حاصل کرتا ہے اسی طرح بحر علم و حکمت کا متلاشی غوطہ زن جب اس میں غرق مطالعہ ہوتا ہے تو یہ بھی اپنے دامن کو بے شمار علمی نکات اور معلومات سے بھر لیتا ہے۔ بس اسی کو "مُطالعہ" یا کتب بینی کہتے ہیں۔

قرآن مبارک میں اللہ تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے اسی وصف کو ملائکہ اور دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں خاص طور پر ذکر فرمایا ہے:۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّهَا۔ باری تعالےٰ نے آدمؑ کو تمام اشیاء کے اسماء تعلیم کر دیئے۔ پھر

آگے ارشاد فرمایا :۔ ولقد کرّمنا بنی ادم :۔ اولادِ آدم کو اشرف بنایا۔ وعلّم الانسان مالم یعلم :۔ جس چیز کا علم انسان کو نہ تھا اس کی تعلیم بخشی۔"

(۱) کتابیں انسان کو حیاتِ فانی میں عزّت اور حیاتِ دوامی میں ابدی سکون بخشتی ہیں"۔ (امام رازیؒ)

(۲) وہ شخص نہایت ہی خوش نصیب ہے جس کو مطالعہ کا شوق ہے۔ لیکن جو شخص فحش کتابوں (یعنی گندی کتابوں) کا مطالعہ کرتا ہے اس سے وہ شخص اچھا ہے جس کو مطالعہ کا شوق نہیں (میکالے) اِن کی دُعا تھی کہ مَیں مروں تو کتب خانہ میں مروں۔

(۳) مطالعہ انسان کے اخلاق کا معیار ہے۔ (علامہ اقبالؒ)

(۴) صاحب بن عبادؒ کو اپنی کتابوں سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے ساتھ ہر سفر میں صرف ادب کی کتابوں کے تین سو اونٹ رہتے تھے۔ (ذرا غور کیجیے جب سفر میں اتنی بڑی تعداد ہوتی تھی تو کل تعداد کس قدر زائد ہو گی۔)

(۵) جب علامہ ابن العلاءؒ سے کسی نے یہ دریافت کیا کہ آدمی کو کب تک علم حاصل کرنا چاہیئے، تو آپ نے فرمایا : مادامتِ الحیٰوۃ تحسن بہ :۔ کہ جب تک حیات مہربان رہے۔ دریائے علم ناپیدا کنار ہے۔ اور انسانی زندگی محدود۔ اگر آدمی کسی حد پر پہنچ کر علم سے سیر ہو جائے۔ تو یہ اس کی حرمان نصیبی ہے (یعنی اس کے مقدر کی محرومی ہے)

(۶) حکیم جالینوس۔ مشہور حکیم ہیں۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اپنے ساتھیوں کی بہ نسبت حکمت زیادہ کیسے حاصل کی ؟ جواب دیا : اس طرح کہ میں نے کتب بینی کے لئے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا ہے۔ جتنا وہ شراب پر خرچ کر چکے ہیں۔

(۷) علامہ ابن رشدؒ ۵۹۵ھ مشہور فقیہہ ہیں۔ آپ نے اپنی تمام عمر کتب بینی میں صرف کر دی، ان کا بیان ہے کہ صرف دو راتیں ایسی گزری ہیں کہ جب وہ مطالعہ نہ کر سکے۔ ایک شادی کی رات اور دوسری والدہ کی وفات کی رات۔

(اسلاف کا ذوقِ مطالعہ)

"س"

۳۰۱۔ سہ آیات اللہ:۔ سہ آیات اللہ معنی تین نشانیاں۔ اصطلاحاً معنی تین معجزے۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو نبوت کے شرف سے نوازا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہر نبی کو الگ الگ معجزات بھی عطا فرمائے۔ لیکن بنی اسرائیل ایک ایسی قوم واقع ہوئی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بار بار کوئی نہ کوئی مطالبہ کرتی رہتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک عجیب مطالبہ کیا کہ ہم گرمی کی شدت سے بہت پریشان ہیں۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ کھانے اور پینے کا مطالبہ کر چکے تھے۔ اس سلسلہ میں "قصص القرآن جلد اول میں مذکور ہے کہ:۔

"کھانے اور پینے کی ضروریات کی فراہمی سے جب اطمینان ہو گیا تو اب بنی اسرائیل نے تیسرا مطالبہ یہ رکھا کہ گرمی کی شدت اور سایہ دار درختوں اور مکانوں کی راحت میسر نہ ہونے کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تپش اور تمازت ہماری زندگی کا خاتمہ ہی کر دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تشفی دی اور بارگاہِ قدس میں عرض کیا کہ جب تو نے ان پر بڑے بڑے انعامات اور فضل و کرم کی بارش کی ہے تو اس سخت تکلیف سے بھی ان کو نجات عطا فرما۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی دعا سنی گئی اور آسمان پر بادلوں کے پرے کے پرے بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہو گئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے ہوئے جاتے بادلوں کا یہ سائبان اُن کے سروں پر سایہ فگن رہتا۔

سُدّیؔ کی ایک روایت میں ان ہر سہ آیات اللہ کا تذکرہ یکجا اس طرح مذکور ہے "جب بنی اسرائیل "تیہ" کے میدان میں پہنچے تو کہنے لگے۔ موسیٰؑ! اس لق و دق میدان میں ہمارا کیا حشر ہوگا۔ کہاں سے کھائیں گے۔ کہاں سے پئیں گے اور

کہاں سے سایہ حاصل کریں گے ؟ تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے کھانے کے لئے "من وسلویٰ" اتارا۔ پینے کے لیے "بارہ چشمے" جاری کردیئے۔ اور سایہ کے لیے "بادل" سایہ فگن ہوگئے۔"

۳۰۲۔ سَلَم :- سلَم معنی ایک قسم کی بیع۔ یعنی کچھ شرائط قائم کر کے کسی چیز کی خرید و فروخت کرنا۔

بیع کرنا یعنی کسی چیز کی خرید و فروخت کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ نقد خریدنا، اُدھار خریدنا یا فروخت کرنا۔ ایسی کوئی چیز خریدنا یا فروخت کرنا کہ جس کی قیمت کو پہلے ہی سے چند شرطوں پر مالک کو دے دینا کہ وہ چیز ابھی تیار بھی نہ ہوئی ہو۔ ایسی قسم کی خرید و فروخت کو سَلَم کہتے ہیں۔ اور اس قسم کی خرید و فروخت اکثر کسی قسم کے غلّہ کے سلسلہ میں زمینداروں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ لیکن واضح ہو کہ سَلم کے لیے ایک معیّن پیمانہ اور ایک معیّن مدت کا طے کر لینا ضروری ہے تاکہ بعد میں کوئی آپسی جھگڑا پیدا نہ ہو جائے۔

دراصل اسلام نے ہر ایسی بُری بات سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے جس سے کوئی آپس میں جھگڑا پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ دین اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بن کر رہو۔ جب تم میں سے کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اسی لئے سَلم جیسی خرید و فروخت کے لئے ایک معین پیمانہ اور معین مدّت کو لازم ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ سَلم میں روپیہ تو نقد دے دیا جاتا ہے اور چیز اُدھار خرید کی جاتی ہے۔ مثلاً کسی کسان کو نقد روپیہ دے دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ ہم اتنے دنوں کے بعد اس نرخ پر تجھ سے گیہوں لیں گے۔

ایک حدیث میں آیا ہے :- حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معیّن پیمانہ میں اور معیّن وزن میں مدّتِ معیّن تک کے لیے۔ (سلم کرنا چاہیئے)۔

۳۰۳۔ سَنَۃُ الوُفُود:۔ سَن یا سَنَہ معنی سال، برس، + وفود جمع ہے وَفد کی بمعنی ایلچی گری اور قاصدی کے طور پر کسی کے پاس جانا۔ نمائندہ + سنۃُ الوفود یعنی وفود کا سال۔

۹ ؁ھ ہجری میں جس وقت آنحضرت صلعم غزوہ تبوکؔ سے فارغ ہوئے تو عرب کے اطراف و جوانب سے بکثرت وفود آنے لگے۔ اس لیے مورخین نے اس سنہ کو سنۃُ الوفود کے نام سے موسوم کیا ہے۔ جب قبیلہ ثقیفؔ کے لوگ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے (قبیلہ ثقیف اہل طائف سے تھے) آنحضرت صلعم کے سامنے تین اُمور پیش کیے تھے۔

(۱) یہ کہ تین سال لات (بُت کا نام ہے) نہ توڑا جائے۔ اس خیال سے کہ ان کی عورتیں اور لڑکے اس کے زیادہ معتقد تھے تا وقتیکہ ان کو اسلام سے محبت پیدا ہو جائے۔ (۲) یہ کہ نماز معاف کر دی جائے۔ (۳) یہ کہ ان کے بُت خود ان کے ہاتھوں سے نہ گرائے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی استدعا کو سُن کر پہلے سے قطعاً انکار فرمایا اور اس سے ناراضی ظاہر فرمائی۔ دوسرے کی نسبت ارشاد فرمایا:۔ (لا خیر فی دین لا صلوٰۃ فیہ۔ کوئی بہتری اس دین میں نہیں ہے جس میں نماز نہیں ہے) تیسرے کی بابت فرمایا یہ ہو سکتا ہے۔

چاروں طرف سے چونکہ وفود آ رہے تھے۔ ابن اسحاق مورخ کہتا ہے کہ عرب دراصل عرب کے سب سے بڑے قبیلہ قریش کے اسلام و مخالفت کا انتظار کر رہا تھا اور بغور یہ دیکھ رہا تھا کہ آنحضرت صلعم اور قریش میں کیسی نبٹتی ہے کیونکہ قریش تمام عرب کے سردار ان کے ہادی، بیت اللہ کے مجاور، اور قومی و ملکی اعتبار سے حضرتِ اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ عرب کا کوئی قبیلہ ان کی سرداری اور ہادی ہونے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ چونکہ قریش آنحضرت صلعم کی مخالفت پر کمر بستہ اور آپؐ سے لڑنے پر مستعد اور آپؐ کے دین

کے صریحی دشمن ہو گئے تھے اس وجہ سے تمام عرب میں ایک شور مچا ہوا تھا۔ لیکن جب اللہ جل شانہٗ کی عنایت سے مکہ فتح ہوا اور قریش نے اسلام قبول کر لیا تو اُس وقت عرب کو معلوم ہو گیا کہ اب نہ کسی کو آنحضرت صلعم سے لڑنے کی طاقت ہے اور نہ کوئی ان کی مخالفت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

بایں لحاظ عرب گروہ کا گروہ بعد فتح مکہ آکر مشرف باسلام ہونے لگا۔ اسی طرح دیگر قبیلوں کے وفود آتے رہے اور مسلمان ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ ۹ھ ہجری اور ۱۰ھ تک جاری رہا۔ آنحضرت صلعم کی یہ عادات حسنہ سے تھا کہ جب کوئی مسلمان ہو کر آتا تھا اس کی آپؐ عزت کرتے تھے۔ اور جب وہ رخصت ہوتے تو آپؐ اُس کو صلہ مرحمت فرماتے تھے۔

۳۰۴۔ سن ۴۱ھ کو عام الجماعت کیوں کہتے ہیں؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات پر لوگوں نے امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مگر آپ نے مصالح عامہ (یعنی عام لوگوں کی اصلاح) کو پیشِ نظر رکھ کر امیر معاویہؓ سے صلح کی خواہش کی۔ انھوں نے سادہ کاغذ پر دستخط کر کے ان سے کہا کہ جو شرائط آپ چاہیں اس پر تحریر کر دیں۔ امام حسنؓ نے لکھا:۔

(۱) اہل عراق کو امن و امان دیا جائے۔

(۲) گذشتہ لڑائیوں میں جو لوگ آپ سے لڑ چکے ہیں اُن سے انتقام نہ لیا جائے۔

(۳) اہواز کا خراج مجھے ملا کرے۔

(۴) میرے بھائی حسینؓ کو بیس لاکھ درہم سالانہ وظیفہ دیا جائے۔

(۵) عطایا میں بنی ہاشم کو دوسرے لوگوں پر تقدیم ہو۔

امیر معاویہؓ نے بلا پس و پیش ان تمام شرائط کو قبول کر لیا۔ اور اس طرح تمام دنیائے اسلام تفرقہ اور اختلاف کے بعد پھر ایک مرتبہ متحد ہو گئی۔ اسی بنا پر اس سال کو "عام الجماعت" کہتے ہیں۔

ربیع الاول ۴۱ھ میں یہ عہد نامہ مکمل ہوا۔ اور اُس روز رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے یہ الفاظ اپنی حقانیت کے ساتھ روشن ہوئے کہ "میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔ امید ہے کہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح و اتحاد قائم ہو جائے گا۔"
(خلفاء اربعہ ص ۱۳۹)

۳۰۵۔ سب سے پہلا سونا جو کعبہ کے دروازہ پر لگایا گیا:

کعبہ معنی بیت اللہ یعنی خدا کا گھر، جس کی طرف نماز میں سجدہ کرتے ہیں۔ اصل معنی کعبہ کے بلند کے ہیں۔ چونکہ کعبہ زمین بلند پر ہے۔ یا از روئے مراتب کے بلند ہے اس لیے یہ نام ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے جب چاہِ زمزم کو کھولا جو اٹ گیا تھا تو وہ سونے کی دو غزالیں نکلیں جن کو قبیلہ جُرہم کے لوگ بھاگتے وقت چاہ زمزم میں ڈال گئے تھے۔ ان غزالوں کو گلا کر کعبہ کے دروازے پر سونے کی تختیاں لگائی گئی تھیں۔ یہ سونا سب سے پہلے کعبہ کے دروازہ پر لگایا تھا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد قبیلہ جُرہم میں کعبہ کی ولایت آئی۔ یعنی قبیلہ جُرہم کعبہ کے والی ہوئے۔ جب وہ گناہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر قبیلہ خزاعہ کے لوگوں کو غالب کر دیا۔ خزاعہ کا رئیس عمرو بن ربیعہ بن حارث تھا۔ جب جُرہم کعبہ سے بھاگے تو انھوں نے کعبہ سے دو سونے کی غزالیں لے کر چاہِ زمزم میں اسے ڈال کر بند کر دیا تھا۔ یہ وہی سونے کی غزالیں تھیں جن کو گلا کر دروازہ پر لگایا گیا تھا۔ جرہم قبیلہ کے سب لوگ سرزمین جہینہ کو نکل گئے تھے جہاں ایک سیلاب آیا اور وہ سب لوگ فنا ہو گئے تھے۔ خزاعہ کے بعد کعبہ کی ولایت قریش میں آئی۔

۳۰۶۔ سب سے پہلے اونٹوں کو گا کر چلانا:

حُدا یا حُدی یہ دونوں لفظ عربی کے ہیں ان کے معنی

وہ گیت جو شتربان اونٹ کو ہانکتے وقت گاتے ہیں، اونٹ اس سے مست ہو کر تیزی کے ساتھ چلتا ہے۔ مضر نے اونٹوں کو اس طرح تیز چلانے کے لیے حُدا جاری کیا تھا۔ واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے جو تاریخ عروج السلام صلہ جلد ششم میں مذکور ہے :۔ "عدنان کے بیٹے معد اور معد کے بیٹے نزار اور نزار کے بیٹے مضر تھے۔ ان ہی مضر کے حقیقی بھائی ایاد تھے۔ ان کی ماں کا نام سودہ بنت عک تھا۔ ان کے دو بھائی ربیعہ اور انمار اور تھے جن کی ماں کا نام حدالہ بنت وعلان جرھمی تھا۔ انھیں مضر نے سب سے پہلے اونٹوں کو گا کر چلانا سکھایا۔ ان کی آواز بھی بہت اچھی تھی۔ قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وہ اونٹ پر سے گر گئے تھے تو ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا جس پر وہ چلّائے "یا یداہ یا یداہ" یعنی ہائے میرا ہاتھ۔ ہائے میرا ہاتھ۔ اونٹ اس آواز کو سُن کر چراگاہوں سے ان کے پاس آکر جمع ہو گئے۔ پھر جب وہ اچھے ہو گئے اور اونٹ پر سوار ہوئے تو انھوں نے "حُدا" ایجاد کیا۔ یعنی گا کر اونٹوں کو چلانا۔ نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ مضر اور ربیعہ کو گالی مت دو، وہ مسلمان تھے۔"

۳۰۷۔ سب سے پہلے اسلام میں تیر اندازی :۔

تیر اندازی معنی تیر چلانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہؓ بن الحرث بن المطلب کو ساٹھ۶۰ یا اسّی سوار مہاجرین رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ کیا۔ یہ مجاہدین مہاجرینؓ کا گروہ جب ثنیۃ المرار میں پہنچا تو وہاں پر قریش کی ایک بہت بڑی جماعت جس کا افسر اعلیٰ عکرمہ بن ابی جہل تھا اور بعض مورخ لکھتے ہیں کہ افسر اعلیٰ مکرز بن حفص ابن الاخیف تھا۔ اس جماعت سے مجاہدین اسلام کی مڈبھیڑ ہوئی تو سعدؓ بن ابو وقاصؓ نے تیر چلایا۔ کہتے ہیں کہ یہ تیر براہِ خدا اسلام میں سب سے پہلے چلا تھا۔ (ابن خلدونؒ ج ۲)

۳۰۸۔ سب سے اوّل اسلام میں خون بہانا :۔

جب نماز فرض ہو گئی تو اوّل اوّل مسلمانوں نے

اپنی نماز کو چھپ چھپ کر پڑھنا شروع کیا۔ چنانچہ جب آپؐ کے اصحابؓ نماز کا ارادہ کرتے تھے تو پہاڑوں کی گھاٹیوں میں جاتے اور وہاں چھپ کر پڑھتے تھے۔ اتفاقاً ایک مرتبہ سعدؓ بن ابو وقاصؓ، عمارؓ اور ابن مسعودؓ، خبابؓ اور سعدؓ بن زید ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ کچھ مشرکین وہاں آ گئے جن میں ابو سفیانؓ بن حرب اور اخنس بن شریق وغیرہ تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو برا بھلا کہا۔ اور ایسے مزاحم ہوئے کہ آپس میں لڑائی ہوگئی۔ سعدؓ نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے ماری جس سے اس کے خون نکل آیا۔ کہتے ہیں کہ ایک قول کی رُو سے اسلام میں سب سے اول یہی خون بہا ہے۔

۳۰۹۔ سب سے پہلے اسلام میں شہید ہونے والی عورت:

شَہِیدَ معنے وہ شخص جو راہ خدا میں بے گناہ قتل ہوا ہو۔

جوں جوں کفار و مشرکین میں سے لوگ مشرف باسلام ہوتے جا رہے تھے تو کفار مکہ کا غصہ ظاہر ہے بڑھتا جا رہا تھا۔ چنانچہ جب مکہ کے کفار کمزور مسلمانوں کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کر رہے تھے اور انھیں طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے تو عمار بن یاسر کی ماں نے جس کا نام سُمیہؓ تھا تکالیف سے تنگ آ کر غصہ میں ابو جہل کو کچھ سخت سُست کہا۔ اس وقت ابو جہل کے ہاتھ میں نیزہ تھا حضرت سمیہؓ کی قبل میں اس نے نیزہ مارا۔ اُس سے وہ مرگئیں۔ یہی عورت اسلام میں سب سے اول شہید ہوئی۔

۳۱۰۔ سب سے پہلے اسلام میں مَصلُوبؔ:-

مَصلُوبؔ معنی سُولی دیا گیا۔ صلیب پر چڑھایا گیا۔

عقبہ بن ابی معیط یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ایذا (یعنے تکلیف) دیتا۔ آپؐ سے اور مسلمانوں سے بڑی عداوت رکھتا تھا۔ اس نے

ایک مرتبہ نجاست کا بھرا ہوا ٹوکرا لیا اور حضور صلعم کے دروازے پر آیا۔ اسے طیبؓ بن عمیر، وہبؓ بن عبد مناف بن قصی نے دیکھ لیا اور ٹوکرا اس سے چھین کر اسی کے سر پر مارا۔ کان پکڑ کر خوب کھینچے۔ عقبہ نے آکر طیب کی ماں سے شکایت کی اور کہا کہ تیرا بیٹا بھی محمدؐ کی طرف داری کرنے لگا ہے۔ اس کی ماں نے جواب دیا کہ اگر ہم ان کی حمایت نہ کریں گے تو اور کون کرے گا۔ ہمارے مال اور جانیں تو محمدؐ پر قربان ہیں۔ یہی عقبہ بدر کی لڑائی میں گرفتار ہو کر مارا گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عرق الظبیہ میں قتل ہوا اور صلیب دیا گیا تھا۔ یہی اوّل شخص ہے جو اسلام میں مصلوب ہوا ہے۔

۳۱۱۔ سب سے اوّل اسلام میں جمعہ:-

مکہ سے ہجرت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہویں ربیع الاوّل کو بروز دو شنبہ عین اعتدال شمس کے قریب قبا میں عمروؓ بن عوف کے یہاں جا کر اُترے اور وہاں دو شنبہ سے پنجشنبہ تک قیام پذیر رہے۔ ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ پھر جمعہ کے دن وہاں سے نکلے تو جمعہ کی نماز کا وقت آپؐ کو بنی سالم بن عوف میں آگیا۔ آپؐ نے اس مسجد میں نماز ادا کی جو بطن وادی میں ہے۔ یہی وہ جمعہ ہے جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اول خطبہ کے ساتھ پڑھی یعنی آپؐ نے سب سے اوّل خطبہ پڑھا اور پھر نماز جمعہ پڑھائی۔ (رحمۃ اللعالمین ج ۱)

۳۱۲۔ سب سے اوّل عبادت:-

عبادت معنے پرستش بندگی۔

اللہ تبارک وتعالےٰ نے اپنے بندوں کے لیے جتنی بھی عبادات فرض کی ہیں اُن میں سب سے اوّل اور سب سے بلند فضیلت والی عبادت نماز ہے۔ یہی وہ عبادت ہے جو آسمان پر معراج والی مبارک رات میں فرض کی گئی ہے۔ چنانچہ اقرار توحید و رسالت اور بُت پرستی سے بچنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے سب سے

اوّل جو فرض کی وہ نماز ہے۔

۳۱۳۔ سب سے اوّل عہد شکنی :-

عہد شکنی معنی وعدہ کا توڑنا۔

حب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر سے لوٹ کر آئے اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو یہ فتح نصیب فرمادی تو یہودی بہت جلے اور حسد کی آگ اُن کے دلوں میں بھڑک اُٹھی۔ یہاں تک کہ بغاوت پر کمر باندھی۔ اور جو عہد و مواثیق مسلمانوں سے کیے تھے وہ توڑ دیئے۔ ان یہودیوں سے یہ مُصالحت اُس وقت کی تھی جب آنحضرت صلعم مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تھے۔ یہی وہ عہد شکنی ہے جو یہودیوں نے سب سے اوّل نبی صلعم سے کی تھی۔" (ابن خلدونؒ ج ۳ حاشیہ)

۳۱۴۔ سب سے پہلا شہید جنگ بدر میں :-

جب جنگ بدر میں دونوں فریقین میں بڑی گرم جوشی کے ساتھ لڑائی ہو رہی تھی اور کفار قریش میں سے کافی آدمی اس لڑائی میں مارے جا چکے تھے۔ لڑائی ابھی تیزی سے جاری تھی تو اس وقت سب سے اول کفار قریش کی طرف سے ایک تیر مہجعؓ جو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے مولیٰ تھے آکر لگا۔ اور وہ اس تیر سے اہل اسلام میں سب سے پہلے شہید ہوئے۔

(ابن خلدونؒ ج ۳ ص ۸۳)

۳۱۵۔ سب سے اوّل خُمس :-

خُمس معنی پانچواں حصہ مال کا لینا۔

غزوہ بدر کے بعد جب اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر کی فتح عطا فرمادی تو یہودیوں نے عہد شکنی کی تھی۔ اس عہد شکنی کے بعد یہودی دشمنی اور کفر کی حرکتیں کرنے لگے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان عورت ایک سُنار کے پاس اپنے زیور کے واسطے گئی۔ وہاں یہود کا ایک شخص آیا اور اس عورت کے دِرع (یعنی پردہ) کو پیٹھ تک کھول دیا۔

اس عورت کو معلوم بھی نہ ہوا۔ جب وہ کھڑی ہوئی تو اس کا سب ستر برہنہ ہو گیا اسے دیکھ کر وہ سب ہنس پڑے۔ ایک مسلمان بھی وہاں موجود تھا۔ اسے یہ حرکت دیکھ کر سخت ناگوار گذرا اور یہودی کو مار ڈالا۔ جس سے جھگڑا بڑھ گیا۔ یہودی بھاگ کر اپنے حصنوں (یعنی قلعوں) میں چھپ گئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر چڑھائی کر دی اور پندرہ روز تک ان کا محاصرہ کیا۔ آخر کار وہ بلاشرط قلعوں سے نکلے۔ ان کی مشکیں باندھی گئیں اور ان کو جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔

سب مال و متاع لے لیا۔ وہ لوگ ملک شام کو چلے گئے۔ آنحضرت صلعم نے اس غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کیا تھا اور ایک خمس نکال لیا تھا۔ چنانچہ ایک قول کے بموجب یہی خمس سب سے اول لیا گیا ہے۔ یہ پہلا خمس تھا جس کو آنحضرت (صلعم) نے اپنے دست مبارک سے لیا ہے۔"

(ابن خلدونؒ۔ ج ۳ صہ ۹۷)

۳۱۶۔ **سَعَیَ بَینَ الصَّفَا وَالمَروَہ:۔** سَعَیَ معنی دوڑنا، درمیان صفا و مروہ کے سات مرتبہ (یہ لوازم حج سے ہے) + بَین معنی درمیان + صَفَا معنی پاک، بے کھوٹ، نام ایک پہاڑی کا جو مکہ معظمہ میں ہے + مَروَہ معنی نام ایک پہاڑ کا جو مکہ معظمہ میں ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ایک روایت منقول ہے۔ اس روایت کا مضمون قصص القرآن جلد اول میں اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ "ابراہیم (علیہ السلام) ہاجرہؑ اور اس کے شیر خوار بچہ اسمٰعیلؑ کو لے کر چلے اور جہاں آج کعبہ ہے اُس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر اُن کو چھوڑ گئے۔ وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی، اور پانی کا بھی نام و نشان نہ تھا۔ اس لیئے ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور بھی اُن کے پاس چھوڑ دیں۔ اور پھر منہ پھیر کر

روانہ ہو گئے۔ ہاجرہؓ اُن کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں، اے ابراہیمؑ تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیے، جہاں نہ آدمی ہے نہ آدم زاد، اور نہ کوئی مونس و غمخوار۔ ہاجرہؓ برابر یہ کہتی جاتی تھیں۔ مگر ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر ہاجرہؓ نے دریافت کیا۔ کیا خدا نے تجھ کو یہ حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا "ہاں۔ یہ خدا کے حکم سے ہے۔" ہاجرہؓ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع نہ کرے گا۔ اور پھر واپس لوٹ آئیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ایک ٹیلہ پر ایسی جگہ پر پہنچے کہ ان کے اہل و عیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے، تو اُس جانب جہاں کعبہ ہے رُخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی:۔ ترجمہ عربی ہے:۔ اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گزارانِ توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل اُن کی طرف مائل ہو جائیں، اور اُن کے لیے زمین کی پیداوار سے سامانِ رزق مہیا کر دے تاکہ تیرے شکر گذار ہوں۔ (سورۂ ابراہیم)

ہاجرہ علیہا السلام چند روز تک مشکیزہ سے پانی اور خورجی سے کھجوریں کھاتی اور اسمٰعیلؑ کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن وہ وقت بھی آ گیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں۔ تب وہ سخت پریشان ہوئیں۔ چونکہ وہ بھوکی پیاسی تھیں۔ اس لیے دودھ بھی نہ اترتا تھا اور بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہونے لگا تو ہاجرہؓ اسمٰعیلؑ کو چھوڑ کر دُور جا بیٹھیں تاکہ اس حالتِ زار میں اس کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھیں۔ کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھ گئیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آ جائے یا پانی نظر آ جائے، مگر کچھ نظر نہ آیا پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں، اس کے بعد دوسری جانب کی پہاڑی

مَروَہؔ پر چڑھ گئیں اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچہؔ کے پاس آگئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر پہنچ کر فرمایا کہ یہی وہ "سعی بین الصفا والمروہ" ہے جو لوگ حج میں کرتے ہیں آخر میں جب وہ مرؔوہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی، چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی۔

ہاجرہ علیہا السلام کہنے لگیں اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سُنی گئی۔ دیکھا تو خدا کا فرشتہ (جبرئیلؑ) ہے۔ فرشتہ نے اپنا پیر (یا ایڑی) اس جگہ مارا جہاں زمزم ہے۔ اس جگہ سے پانی اُبلنے لگا۔ ہاجرہ نے یہ دیکھا تو پانی کے چاروں طرف باڑ بنانے لگیں مگر پانی برابر اُبلتا رہا۔

اس جگہ پہنچ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ اُم اسمٰعیلؑ پر رحم کرے، اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اُس کے چار جانب باڑ نہ لگاتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا۔"

۳۱۷۔ سُنّتِ رسُول صلعم:۔ سُنّت معنی راہ روشن۔ عادت اور فقہ کی اصطلاح میں وہ امر جس کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع کیا ہو۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ کی سنت (طریقہ) کیا ہے۔ فرمایا:۔ (۱) میرا راس المال (یعنی اصل سرمایہ) معرفت ہے۔ (۲) میرے دین کی جڑ = عقل ہے (۳) میری بنیاد = محبت ہے۔ (۴) میری سواری = شوق ہے۔ (۵) میرا انیس = ذکرِ الٰہی ہے۔ (۶) میرا خزانہ = اعتماد بر خدا ہے۔ (۷) میرا ساتھی = غمِ دل ہے۔ (۸) میرا ہتھیار = علم ہے۔ (۹) میرا لباس = صبر ہے۔ (۱۰) میرا مال یغما = رضائے سبحانی ہے۔ (۱۱) میرا فخر = عجز بدرگاہِ ربانی ہے۔ (۱۲) میرا پیشہ = زہد ہے۔ (۱۳) میری خوراک = یقین ہے۔ (۱۴) میرا شفیع = صدق ہے۔ (۱۵) میرا اندوختہ =

طاعت الٰہی ہے۔ (۱۶) میرا خلق = جہاد ہے۔ (۱۷) میری آنکھوں کی ٹھنڈک = نماز میں ہے۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۲)

خواص القرآن واعمال قرآن

قرآن مبارک میں ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں ہیں۔ ہم یہاں پر صرف اُن سورتوں کا ذکرِ خیر کر رہے ہیں جن کے خواص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "قرآن مجید مترجم" میں تحریر فرمائے ہیں۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

۳۱۸۔ سورۂ فاتحہ:۔ سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں سات آیتیں ہیں

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص پر کوئی مصیبت پڑتی دیکھتے تو آپؐ سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم کرتے اور جو شخص مابین سنت و فرض فجر کے مع بسم اللہ چالیس بار پڑھ کر کسی بیمار کے منہ پر دم کرے تو اللہ تعالیٰ برکت سے اس سورۃ کی اس کو صحت کلی عطا فرمائے گا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ الفاتحہ شفاء کُل داءِ۔ چنانچہ ایک شخص بیمار ہوا تو حضرت علیؓ نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کے منہ پر دم کیا تب اُسے بالکل آرام ہوگیا۔

۳۱۹۔ سورۂ بقرہ:۔ سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں دو سو چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ یہ سورۃ جس گھر میں پڑھی جاتی ہے اس گھر میں شیطان دخل نہیں پاتا۔ اور ایک حدیث میں فرمایا کہ سورۂ بقر کو

پڑھو کر اس میں خیر و برکت ہے۔ اور جو شخص اس کے نقش کو لکھ کر جنون اور مرگی والے کے گلے میں ڈالے تو اللہ تعالیٰ شفا بخشے اور مرض آسیب و جذام اور برص میں اس کا نقش اکسیرِ اعظم ہے۔

۳۲۰۔ سُورۂ آلِ عمران :- سورۂ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں دوسو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

اس سورۃ شریف کا ورد رکھنے والا بار قرضہ سے سبکدوش ہوگا اور جو شخص اس سورۃ شریف کا نقش لکھ کر اپنے پاس رکھے بفضلِ خدا غیب سے روزی پائے اور جو شخص سات مرتبہ پڑھے تو تمام قرضہ دور ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ اس کے لیے رزق کس جگہ سے آتا ہے۔

۳۲۱۔ سُورۃ النسآء :- سورۃ النسآء مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو ستتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

اگر کوئی شخص سات مرتبہ ہر روز اس سورۃ شریف کا ورد کرے تو بیوی کو اس سے محبت زیادہ ہو۔ اور اگر بیوی پڑھے تو مرد زیادہ موافقت کرے۔ اور جو شخص اس کا نقش لکھ کر دیوارِ گھر پر چسپاں کرے تو وہ مکان جمیع حادثات مثلاً بجلی، زلزلہ اور آگ سے امن میں رہے اور اگر نقش اس کا اپنے پاس رکھے تو جمیع بلاؤں سے محفوظ رہے۔

۳۲۲۔ سُورۂ مائدہ :- سورۂ مائدہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو بیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

اگر کوئی شخص ایام قحط سالی میں سورۂ مائدہ کو پڑھے تو وہ شخص قحط سے محفوظ رہے اور اگر اس کا نقش اپنے پاس رکھے تو روزی فراخی سے دستیاب ہو۔ اور مرض استسقا میں اس کا نقش پلانا نافع ہے اور جو شخص نقش اس کا لکھ کر اپنے پاس رکھے تو وہ کبھی کسی کا محتاج نہ ہو۔

۳۲۳۔ سورۂ انعام:۔ سورۂ انعام مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ یا چھیاسٹھ ۱۶۶ آیتیں اور بیس ۲۰ رکوع ہیں۔ جو شخص اس سورۃ کو ایک مرتبہ پڑھے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لیئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور ہر قسم کی ضرورت اور حاجتوں میں پڑھنے سے اور مشکلات میں آسانی ہوتی ہے اور جو مشکل ہوتی ہے وہ حل ہوتی ہے۔ اور اگر جاہ وحشم چاہتا ہے تو اس کا نقش لکھ کر گلے میں ڈال لے۔

۳۲۴۔ سورۂ اعراف:۔ سورۂ اعراف مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں دوسو چھ ۲۰۶ آیتیں اور چوبیس ۲۴ رکوع ہیں۔

جو شخص سورۂ اعراف کو پڑھے تو قیامت کے دن اس کا ہاتھ حضرت آدمؑ کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اگر سفر میں اس کا نقش اپنے پاس رکھے تمام آفات سے اللہ تعالےٰ اس کو امن میں رکھے گا۔ اور اگر کسی بادشاہ کا خوف دل پر طاری ہو یا کسی ظالم بادشاہ سے واسطہ پڑے تو تین بار پڑھے ظالم اپنے ظلم سے باز آئے گا۔ اور مہربانی سے پیش آئے گا اور اگر نقس اس کا لکھ کر گلے میں باندھے تو امن و عافیت ہو۔

۳۲۵۔ سورۂ انفال:۔ سورۂ انفال مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں پچھتر ۷۵ آیتیں اور دس ۱۰ رکوع ہیں۔

فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اس سورۃ شریف کی مداومت اختیار کرے گا تو قیامت کے دن میں گواہی دوں گا کہ یہ شخص نفاق سے بیزار ہے۔ اور اگر کوئی شخص قید میں مبتلا ہو تو وہ اس سورۃ کو پڑھا کرے۔ اگر وہ بے قصور ہے تو اللہ اس کی برکت سے اس کو نجات دے گا۔ اگر خود نہ پڑھ سکے تو کوئی رشتہ دار پڑھ لیا کرے اور حاکم اس پر مہربان ہوگا۔ اور اگر اس کا نقش لکھ کر اپنے پاس رکھے گا تو تمام مشکلات اور جمیع حاجات اس کی روا کی جاویں گی۔

۳۲۶۔ سُورہ توبہ:۔ سورہ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو اُنتیس ۱۲۹ آیتیں اور سولہ ۱۶ رکوع ہیں۔

ہر روز ایک بار پڑھنا اس سورۃ کا باعث سلامتی ایمان ہوتا ہے۔ چنانچہ بزرگانِ دین ایسے ایسے فوائد اس کی تلاوت سے اٹھاتے رہے ہیں کہ ظاہری آنکھیں ان کو ناممکن خیال کرتی ہیں۔ کسی حاکم کے سامنے پڑھ کر جائے تو وہ مہربان ہوجاتا ہے اور اگر کوئی خطا ہو تو اس کی بخشش ہوجاتی ہے۔ مال متاع یا زراعت وغیرہ میں اس کا نقش رکھنا موجب خیر و برکت ہوتا ہے اور کسی قسم کا نقصان اس کی جائداد کو نہیں پہنچتا۔ درخت میوہ دار سے باندھیں تو وہ درخت ثمر میں (یعنی پھل میں) زیادہ ہو۔

۳۲۷۔ سُورہ یونس:۔ سورہ یونس مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سونو ۱۰۹ آیتیں ہیں اور گیارہ ۱۱ رکوع ہیں۔

اس سورۃ کا جو ہمیشہ ورد رکھے اس پر سختی جانکنی اور عذاب قبر نہ ہوگا۔ اور جو شخص اکیس ۲۱ مرتبہ پڑھے وہ دشمنوں پر مظفر و منصور ہوگا۔ اور اگر آسیب زدہ کے گلے میں نقش اس کا ڈال دیں تو نجات ہو۔ اور بچہ کے گلے میں ڈالنا باعثِ خیر و برکت ہوتا ہے اور بدنظر کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی سختی یا مصیبت درپیش ہو تو تیرہ ۱۳ بار پڑھیں وہ مصیبت اور سختی دور ہوجاتی ہے۔

۳۲۸۔ سُورہ یوسف:۔ سورہ یوسف مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو گیارہ ۱۱۱ آیتیں اور بارہ ۱۲ رکوع ہیں۔

اگر کوئی شخص اپنے عہدہ سے معزول ہوگیا ہو تو وہ اس کی تلاوت کی مداومت (ہمیشگی) اختیار کرے تو بہ برکت اس سورۃ سے بحال ہوجاوے گا۔ اور اگر کسی حاکم سے کوئی حاجت ہو تو اس کو تیرہ ۱۳ مرتبہ پڑھ کر اس کے پاس جاوے البتہ بامُراد اور کامران آوے گا۔

۳۲۹۔ سُورہ کہف:۔ سورہ کہف مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ایک سو دس ۱۱۰ آیتیں اور بارہ ۱۲ رکوع ہیں۔

جو شخص کہ مبتلائے قرض ہو بعد نماز جمعہ سورۂ کہف سات بار پڑھے اور اللہ کے حضور میں رو رو کر دعائیں کرے قرضہ اس کا اتر جائے گا اور وہ حیران ہو جائے گا اور جو کوئی اس کو شب جمعہ میں پڑھے گا تو اللہ تعالےٰ اس کو ایسا نور عطا کرے گا کہ جس کی روشنی بیت اللہ تک پہنچے اور گناہ اس کے معاف کیے جائیں گے۔ اور مداومت اختیار کرنے والا طاعون، برص، جذام و فتنہ دجّال سے محفوظ رہے گا۔ اور اس کی آخری دس آیت کے پڑھنے کی سخت تاکید ہے اور واسطے زبان بندی اور حفاظت بلیّات (مصیبتیں) اور کشادگی (وسعت) رزق کے واسطے ہر روز صبح کو پڑھیں اور اگر نقش اس کا لکھ کر پاس رکھیں تو دافع بلیات ہے۔

۳۳۰۔ **سُورۂ مریم** :۔ سورۂ مریم مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں اٹھانوے ۹۸ آیتیں اور چھ ۶ رکوع ہیں۔

جو شخص معاش کی کمی کے سبب پریشان ہو تو سورۂ مریم کو سات بار پڑھے پھر دعا کرے اور اگر کوئی حاجت درپیش ہو تو تین بار پڑھے۔ اگر باغ ویران شدہ میں درختوں کے ساتھ نقش اس کا باندھ دیں تو باغ گلہائے شگفتہ اور ثمر سے بھرپور ہو جائے۔

۳۳۱۔ **سُورۂ طٰہٰ** :۔ سورۂ طٰہٰ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو پینتیس ۱۳۵ آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔

اس کے عامل پر جادو یا سحر کوئی اثر نہیں کرتا اور رزق کی کشائش ہوتی ہے۔

۳۳۲۔ **سُورۂ انبیاء** :۔ سورۃ الانبیاء مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ایک سو بارہ ۱۱۲ آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

اگر کوئی شخص پریشان حال ہو اور اکثر وجوہات چند در چند مغموم و متفکر رہتا ہو تو ہر روز تین بار سورۂ انبیاء کو پڑھے۔ اللہ تعالےٰ اس کے غموم و ہموم دُور کر دے گا۔ جو سورۂ انبیاء پڑھے گا قیامت کے دن اس کا حساب نہ ہوگا۔

۳۳۳۔ سُورۂ سَبَا :- سورۂ سبا مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چوّن ۵۴ آیتیں اور چھ ۶ رکوع ہیں۔

جو کوئی شخص اس سورۃ کو دس۱۰ بار پڑھے تو وہ آفات و بلیات سے محفوظ رہے گا اور فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آدمی اس سورۃ کو پڑھتا رہے وہ بہت نیک نصیب ہے، کیونکہ قیامت کے دن کوئی نبی ایسا نہ ہوگا جو اس کے ساتھ مصافحہ نہ کرے۔

۳۳۴۔ سُورۂ یٰسٓ :- سورۂ یٰس مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں تراسی ۸۳ آیتیں ہیں اور پانچ رکوع ہیں۔

سورۂ یٰسٓ کے خواص اس قدر ہیں کہ قلم کو یارا نہیں۔ کیونکہ قلب قرآن ہے۔ چنانچہ فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر شے کا دل ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید کا دل سورۂ یٰسٓ ہے اور جو شخص کسی حاجت کے لیئے ایک بار پڑھے تو اس کی حاجت روا ہو۔ اور اگر بانجھ عورت کو کسی برتن چینی پر لکھ کر اور عرق گلاب سے دھو کر پلاتے رہیں تو وہ بار آور ہو اور اولاد نرینہ جنے۔ اور محتاج پڑھے تو غنی ہو جائے اور اگر کسی مسحور پر (جس پر سحر کیا گیا ہو) پڑھے تو سحر دور ہو جائے۔ آسیب والے شخص پر پڑھ کر دم کریں تو آسیب بھاگ جائے۔ اگر کوئی شخص رات کو بہ نیت خلوص پڑھے تو وہ قطعی جنتی ہے اور دین و دنیا کی تمام مشکلیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں اور ہر مہم ہر مطلب کے لیئے اس کا پڑھنا بہت مفید ہے۔ اگر کسی شخص کی جان اٹک جائے تو اس سورۃ شریف کو تین بار پڑھ کر دم کریں فوراً روح اس کی نکل جائے اور اگر بیمار پر پڑھ کر پھونکیں تو وہ صحت پائے۔ اور اگر نقش اس کا لکھ کر گلے میں پہنے تو ہر آفت سے نجات ہو۔

۳۳۵۔ سُورۂ رحمٰن :- سورۂ رحمٰن مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں اٹھتر ۷۸ آیتیں اور تین ۳ رکوع ہیں۔

حدیث شریف میں ہے جو شخص سورۂ رحمٰن کو پڑھتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اور درد چشم میں پڑھ کر دم کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ شفا بخشے اور مرض طحال پر دم کریں تو صحت ہو جائے۔ نقش اس کا واسطے حاجت براری کے لکھ کر گلے میں باندھیں تو ببرکت اس سورۃ کے اس کی حاجت روا ہو جائے اور اگر کوئی گیارہ مرتبہ پڑھے تو اپنے مطلب کو پہنچے۔

۳۳۶۔ سُورَۂ واقِعہ :- سورۂ واقعہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھیانوے [۹۶] آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

تبع تابعین میں بعض صالحین نے حصول غنا کے لیے عمل سورۃ واقعہ کا اس طرح لکھا ہے کہ روز جمعہ سے سات روز تک بلاناغہ بعد ہر نماز فرض کے پچیس بار پڑھے پھر شب جمعہ آوے تو اس سورۃ کو بعد نماز مغرب کے پچیس مرتبہ پڑھے پھر بعد نماز عشاء کے پچیس مرتبہ درود شریف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجے بعد ازاں ہر روز صبح و شام ایک بار بعد نماز کے پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو غنی کر دے گا یا جس مطلب کے لیے پڑھے گا وہ مطلب پورا ہو گا۔

۳۳۷۔ سُورَۂ جمعہ :- سورۂ جمعہ مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں گیارہ [۱۱] آیتیں اور دو [۲] رکوع ہیں۔

جن میاں بیوی کے درمیان میں ناموافقت ہو ان میں سے کوئی بروز جمعہ اس سورۃ شریف کو تین بار پڑھ کر دعا مانگے محبت بڑھ جائے گی اور نفاق دور ہو گا اور کوئی شخص اچھی طرح کلام نہ کر سکتا ہو تو اس کا ورد رکھے، زبان درست ہو جائے گی۔

۳۳۸۔ سُورَۂ تغابُن :- سورۂ تغابن مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں اٹھارہ [۱۸] آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

حدیث شریف میں لکھا ہے کہ جو کوئی سورہ تغابن ہر روز ایک بار پڑھے تو وہ آدمی مرگ مناجات (یعنی اچانک موت ہونے) سے محفوظ رہے اور اگر کوئی شخص

تین بار پڑھا کرے تو اس کے مال میں خیر و برکت ہو۔

۳۳۹۔ سورۂ مُلک :۔ سورۂ مُلک مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں تیس۳۰ آیتیں اور دو۲ رکوع ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قرآن میں ایک سورۃ ہے جس میں تیس۳۰ آیتیں ہیں۔ اس نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ وہ بخشا گیا اور ابن حبان سے اس طرح روایت ہے کہ یہ سورۃ استغفار کرتی ہے اپنے صاحب کے لیے یہاں تک کہ وہ بخشا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کا یہ لفظ ہے کہ یہ سورۃ منجیہ ہے عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ہر مومن کے دل میں ہو اور جو شخص اس کو اکتالیس۴۱ بار پڑھے تو جملہ مشکلات اس کی حل ہوں اور جمیع آفات سے محفوظ رہے۔ اور اگر قرضدار ہو تو قرضہ اس کا اُتر جائے۔ اور اگر نقش اس سورۃ کا لکھ کر بطور تعویذ اپنے پاس رکھیں تو جس مطلب کے لئے لکھا جائے وہ پورا ہو جائے۔

۳۴۰۔ سُورۂ مَعَارِج :۔ سورۂ مَعَارِج مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چوالیس۴۴ آیتیں اور دو۲ رکوع ہیں۔

جو شخص ہر روز سورۂ معارج کو پڑھے وہ تمام روز وساوس شیطانی سے بچا رہے گا اور جس شخص کو احتلام کثرت سے ہوتا ہو وہ آٹھ بار سورۂ مَعَارِج کو پڑھے یا سوتے وقت ہر روز ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے۔ انشاء اللہ تعالےٰ وہ شخص مامون رہے گا۔

۳۴۱۔ سُورۂ نُوح :۔ سورۂ نُوح مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں اٹھائیس۲۸ آیتیں اور دو۲ رکوع ہیں۔

اگر کسی سخت دشمن سے ہنگامہ ہو جائے اور دفعیہ اس کا ناممکن ہو تو ایک ہزار بار سورۂ نُوح پڑھیں یا بہت سے آدمی جن کی تعداد طاق ہو ایک ہی جلسہ میں بیٹھ کر ختم کریں یا دو تین روز میں ختم کریں دشمن ہلاک ہو جائے گا۔

۳۴۲۔ سُورہ جن :۔ سورہ جن مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

اگر کسی شخص کو آسیب ہو گیا ہو تو سورہ جن کو سات بار پڑھ کر سات یوم تک دم کریں آسیب بھاگ جاوے گا اور واسطے تسخیرات (تابع کرنے) جن و پری کے سات سو بار پڑھیں جن قابو میں آجاوے گا۔

۳۴۳۔ سُورہ مُزمّل :۔ سورہ مزمل مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

جو شخص ہر روز سورہ مزمل کو اپنا ورد بنائے تو وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں پاوے اور موجب خیر و برکت ہے۔ اگر سورہ ہذا کو پڑھ کر حاکم کے سامنے جائے تو حاکم مہربان ہو جائے اور واسطے زبان بندی اور تیغ بندی کے مجرب ہے۔ اور اگر لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دے تو اس کو صحت ہو اور ہر روز سات مرتبہ پڑھے تو کشائش رزق ہو۔

۳۴۴۔ سُورہ اَلَم نَشرَح :۔ سورہ الم نشرح مکہ میں نازل ہوئی اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔

اگر کسی شخص کے سینہ میں درد ہو تو اس سورۃ پاک سے دم کیا ہوا پانی چھاتی پر ملے۔ اور درد دل کے واسطے اکسیر ہے اور اگر کوئی کام بوجوہات چند در چند بند ہو گیا ہو تو سورہ ہذا کو بتیس بار پڑھے تو وہ کام کھل جائے گا اور جو شخص کچھ مال خریدے اس پر پڑھ کر دم کرے برکت ہو۔

۳۴۵۔ سُورہ قَدر :۔ سورہ قدر مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

جو شخص سورہ قدر کو صبح و شام تین تین بار پڑھے تو سب دوست و آشنا اس کی عزت کریں اور مراتب علوی کے واسطے ہمیشہ ورد رکھنا عجیب و غریب ہے۔ اور کسی برتن چینی پر لکھ کر اور اسے گلاب یا بارش کے پانی سے

دھو کر مریض کو پلائیں تو انشاء اللہ شفا ہو۔

۳۴۶۔ سورۂ اخلاص :- سورۂ اخلاص مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چار ۴ آیتیں ہیں۔

اس سورۃ کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک بار مشرکین نے آپؐ سے کہا کہ اپنے رب کا وصف اور نسب بیان کیجیے۔ اس پر سورۂ اخلاص نازل ہوئی۔ (کذا فی الدر المنثور)

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص تین بار سورۂ اخلاص کو پڑھے گا تو اس کو ختم قرآن کا ثواب حاصل ہوگا اور جنت اس پر واجب ہو جاتی ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قل ہو اللہ شریف کا پڑھنے والا اپنی مرادوں کو پہنچے گا۔ خواہ دُنیوی ہوں یا دینی۔ اور اگر بعد نماز عشاء کھڑے ہو کر ایک سو ایک مرتبہ پڑھے تو تمام گناہ اس کے معاف کیے جائیں اور اگر بیمار کو لکھ کر اور دھو کر پلائیں تو اُسے صحت حاصل ہو۔ یہ دافع ہے ہر بلا کے لیے۔ اور اگر نقش اس کا بچہ کے گلے میں باندھیں تو بچہ تمام آفات سے محفوظ رہے۔

۳۴۷۔ سورۂ فلق :- سورۂ فلق مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں پانچ ۵ آیتیں ہیں۔

سورۂ فلق اور ناس ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ حسب روایت دلائل بیہقی سبب نزول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر لبید یہودی اور اس کی بیٹیوں نے سحر کر دیا تھا جس سے آپؐ کو مرض کی سی حالت عارض ہو گئی۔ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس پر یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں جن میں ایک کی پانچ آیتیں اور ایک کی چھ ۶ آیتیں۔ مجموعہ گیارہ ۱۱ آیتیں ہیں اور آپؐ کو وحی سے اس سحر کا موقع بھی معلوم کرا دیا گیا۔ چنانچہ وہاں سے مختلف چیزیں نکلیں، جن میں سحر کیا گیا تھا۔ اور اس میں تانت کا ایک ٹکڑا بھی تھا جس میں گیارہ ۱۱ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ سورتیں پڑھنے لگے۔

ایک ایک آیت پر ایک ایک گرہ کھل گئی۔ چنانچہ آپؐ کو بالکل شفا ہوگئی۔ اور دونوں سورتوں کے مجموعہ میں مختلف شُرور (یعنی شرارتوں) سے اِستِعَاذہ (یعنی پناہ لینے) کا اور سب امور میں حق تعالےٰ پر توکّل کرنے کا حکم ہوا ہے۔

سورۂ فلق ہر روز بلا ناغہ تلاوت کرنے والا تمام آفات ارضی وسماوی سے محفوظ رہتا ہے۔ اور شر حاسدان و دشمنان سے بچا رہتا ہے اور اگر کسی شخص پر سحر یعنی جادو اثر کر گیا ہو تو پڑھ کر دم کریں اور مسحور سو بار پڑھے تو خلاصی پائے یا گھول کر پئے یا لکھ کر گلے میں باندھے۔

۳۴۸۔ سُورۂ ناس :- سورۂ ناس مدینہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ آیتیں ہیں۔

جو شخص اپنے اوپر پڑھ کر دم کرے اس پر کسی کا سحر نہ چلے اور ہر بلا سے محفوظ رہے۔ اور دفع سحر کے واسطے ایک سو مرتبہ پڑھیں اور اگر ہر روز پڑھیں تو تمام گناہ معاف کیے جاتے ہیں اور سحر زدہ اور آسیب زدہ پر پڑھ کر دم کریں تو اسے نجات حاصل ہو۔ اور نقش اس کا لکھ کر اپنے پاس رکھے تو تمام پریشانیاں رفع ہو جاویں اور ہر بُلا سے نجات ملے۔

۳۴۹۔ سِیَاسَتؔ :- سِیَاسَتؔ معنی حکومت کرنا۔ رعیت پر تنبیہہ کرنا اور روکنا لوگوں کو گناہ اور جرم کرنے سے بہ وسیلہ خوف سزا اور مار کے۔

"سیاستؔ کا اصل مادہ "سُوسؔ" ہے۔ اور لفظ سوسؔ خالص عربی ہے یُوسؔ کے اصلی معنی نگرانی وانتظام کے ہیں۔ اسی مناسبت سے چرواہے کو بھی سُوس ابتدأً کہتے ہوں گے۔ جس سے منتقل ہوکر گلہ بانی سے جہاں بانی کے لیئے عربی میں یہ لفظ مستعمل ہوا۔ اسی ماخذ سے سیاستؔ کا لفظ اب عام طور پر اس معنی میں بولتے ہیں۔" (ارض القرآن)

واضح ہو کہ سُوسؔ عربی کا لفظ ہے اور اس کے معنی چرواہے کے ہیں۔ اور

چرواہے کا کام ہے اپنے گلّہ کی حفاظت ونگرانی کرنا۔ الحاصل دینِ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر چرواہا جب یوم حساب میں (یعنی محشر کے دن میں) مالکِ یوم الدین کے حضور میں پیش کیا جائے گا تو اُس سے اس کے گلّہ کی حفاظت ونگرانی کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر بادشاہ اپنی رعیت کا چرواہا ہے۔ ہر حاکم اپنے ماتحتوں کا چرواہا ہے، ہر چودھری اپنی برادری کا چرواہا ہے اور ہر ایک بڑا بزرگ یا ذمہ دار اپنے گھر اہل وعیال کا چرواہا ہے۔ ان سب کو اُس روز اپنی ذمہ داری کا حساب دینا ہوگا۔ کیا کبھی آپ نے سوچا ہے کہ وہ کتنا سخت دن ہوگا؟ خوف کیجیے، اُس دن کا اور پناہ مانگیے اپنے رب سے۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک طور سے ادا کرنے کا اپنے دل میں عہد کیجیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب پر اپنا رحم فرمائے اور دین اسلام کی سچی اور صحیح تعلیم پر ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ یارب العٰلمین!

"ش"

شرف معنی بزرگی۔ + کعبہ معنی نام بیت اللہ

۳۵۰۔ شرفِ کعبہ:۔

یعنی خدا کے گھر کا جس کی طرف نماز میں سجدہ کرتے ہیں۔ اصلی معنی اس کے بلند کے ہیں۔ چونکہ کعبہ زمین بلند پر ہے یا از روئے مراتب کے بلند ہے اس لیئے یہ نام ہوا۔

کعبۃ المکرم کو اللہ جل شانہٗ نے بہت سے شرف عطا فرمائے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ رحمتہ اللعالمین جلد اول کے حاشیہ میں درج ہے کہ:۔ "کعبہ کی اول تعمیر حضرتِ ابراہیم علیہ السلام نے مع حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے کی تھی۔ پھر بنی جرہم، بنی عمالقہ قصی اور قریش نے اس کی تجدید کی تھی۔ تجدید عمارت کی ضرورت مُرورِ زمانہ (زمانہ کے گزرتے رہنے) کے اثر یا صدمہ سیلاب وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوجاتی تھی۔ کسی غیر قوم کے قبضہ کرکے گرادینے، منہدم کرنے کا واقعہ

اس عمارت کعبہ کے ساتھ ہزاروں سال سے نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ ہیکل یروشلم کے ساتھ بار بار ایسے واقعات پے درپے اور متعدد بار ہوتے رہے۔ اور یہ ایسا شرف ہے کہ دنیا کے کسی عبادت خانہ کو حاصل نہیں۔"

۳۵۱۔ شرک اور صابیت، اسلام اور حنیفیت:۔

شرک معنے خدائے لاشریک کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، (نعوذ باللہ) کفر ہے۔ صابی معنے پھرنے والا ایک دین سے دوسرے دین کی طرف۔ + اسلام معنے خدا کے حکم پر آمادہ بہ تعمیل ہونا۔ مسلمان ہونا۔ + حنیف معنی دین کا سچا۔ مائل بحق باطل سے امر حق کی طرف آنے والا۔ امر حق پر ثابت رہنے والا۔ وہ شخص جو حضرت ابراہیم کی ملت پر ہو۔

یہ دو عقیدے ہیں ایک غلط راہ پر چلنے کا اور دوسرا صحیح راہ اختیار کرنے کا۔ جس نے غلط راہ اختیار کی اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جس نے صحیح راہ کو اپنا یقین اور ایمان بنا لیا اُس کا مقام جنت ہے قصص القرآن میں جلد اول ص۲۹۶ پر ان دونوں عقیدوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ :۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ (انعام) ترجمہ :۔ بلاشبہ میں نے اپنا رُخ اُسی ذات کی طرف جھکا دیا ہے۔ جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے، خالص اس کا ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے تصور کی دو راہیں ہیں۔ ایک صحیح اور دوسری غلط، غلط راہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ قائم کر لیا جائے کہ خدا کو راضی کرنے، اُس کو خوش کرنے اور اس کی عبادت و پرستش کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بتوں اور ستاروں کی پوجا کی جائے اور جب یہ ارواح ہم سے خوش ہو جائیں گی تو یہ خدا کو ہم سے راضی کر دیں گی۔ اس عقیدہ کا نام شرک

اور صابئیت" ہے۔ کیونکہ اس عقیدہ کے مطابق عبودیت و پرستش کے تمام وہ خصوصی امتیازات جو صرف "ذاتِ واحد" کے لئے مخصوص رہنے چاہئیں تھے دوسروں کے لئے بھی مشترک ہو جاتے ہیں۔ اور یہی شرک کی حقیقت ہے۔

اس کے مقابلے میں صحیح راہ یہ ہے کہ اس یقین اور علم کو عقیدہ بنایا جائے کہ خدائے تعالےٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا طریقہ اس کے علاوہ دوسرا نہیں ہے کہ خود اُسی کی پرستش کی جائے، اُسی کو حاجت رَوا اور مشکل کشا سمجھا جائے۔ نفع و ضرر، صحت و مرض، افلاس و تمول، قبض و بسط رزق غرض تمام امور میں اسی کو اور صرف اسی کو مالک و مختارِ مطلق یقین کیا جائے اور اس کی رضا و عدم رضا کی معرفت کے لیے "آپ کے بھیجے ہوئے سچّے پیغمبروں اور رسولوں کی ہدایت و رُشد پر عمل کیا جائے، اس عقیدہ کا نام "اسلام" اور "حنیفیت" ہے۔

بہرحال یہ پہلا دن تھا جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اس اعلانِ حق کے ذریعہ خیر و شر، اطاعت و سرکشی، اور تسلیم و رضا اور بغاوت و سرکشی کے درمیان "حنیف" کی اصطلاح "مسلم" اور "صابی" کی اصطلاح "مشرک" کے لیے قائم کر کے دونوں راہوں کے درمیان مستقل امتیاز قائم کر دیا۔ اور یہ امتیاز ایسا مقبول ہوا کہ آنے والی تمام پیغمبرانہ تعلیمات کی بنیاد و اساس اسی نام سے موسوم کی گئیں۔ حتیٰ کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری پیغام کا نام بھی "مِلّتِ حنیف" اور اس کے پیرو کا نام "مسلم" قرار پایا۔

نبوت بمعنے پیغمبری۔

۳۵۲۔ شرفِ نبوّت:۔ عام طور پر یہ بات مشہور ہے اور بزرگوں نے بھی اس طرف توجہ دلائی ہے کہ جب تک آدمی چالیس سال کی عمر تک پہنچتا ہے تو نہ تو اُس کی عمر پختہ کہلاتی ہے اور نہ ہی اس کی بات کا کوئی وزن تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت عطا فرمائی گئی تو آپ

کی عمر بھی چالیس سال ہی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جب جبرئیل علیہ السلام نے غارِ حرا میں نبوت کی بشارت دی تو آپ کی عمر شریف چالیس سال قمری پر ایک دن ہوا تھا۔

بہر حال "جن انبیاء و رُسل کی صحیح تاریخ منضبط ہے اُس سے اور قرآن عزیز کی بعض آیات کی صراحت سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالےٰ جس ہستی کو شرف نبوت سے سرفراز کرتا ہے اُس کو یہ منصب جلیل سنِ رُشد کے بعد عطا فرماتا ہے تاکہ وہ دنیوی اسباب کے لحاظ سے بھی عمر طبعی کا وہ حصّہ طے کر لے جس میں عقل و تجربہ پختگی اختیار کر لیتے ہیں اور اس حد پر پہنچ کر استعداد کے مطابق انسانوں کے قوائے فکری و عملی میں اُستواری اور اِستقامت (یعنی مستقیم اور مضبوطی) پیدا ہو جاتی ہے۔" (قصص القرآن ج ۲)

۳۵۳۔ شافعِ محشر:- شافع معنی شفاعت کرنے والا۔ سفارش کرنے والا۔ + مَحشَر معنی لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ مجازاً قیامت کا دن، شافع محشر = یعنی محشر میں شفاعت کرنے والے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شافعِ محشر ہیں۔ "شفاعت کے معنے لوگوں نے کیا سمجھے؟ کسی نے کہا شفیع وہ ہے جو اپنے اختیار و اقتدار سے غُفرانِ ذُنوب (یعنی گناہوں کی بخشش) فرماتا ہے۔ اس عقیدہ کے موجد عیسائی ہیں۔ یہ لوگ شفیع بمعنی غفور استعمال کرتے ہیں۔ لیکن خود لفظ شفیع اس معنی کا متحمل (یعنی برداشت کرنے والا) نہیں۔ کسی نے شفاعت کو بے جا بڑھا دیا اور اس کے وجود کا انکار ہی کیا۔ اسلامی شفاعت دو اصول پر مبنی ہے۔

(۱) مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ :- جسے اللہ اذن دے۔

(۲) وَقَالَ صَوَابًا :- جو ٹھیک بات بیان کرے۔

ہر دو اصول بالا شفاعت اسلامی کو ہر دو فریق کے اِفراط و تفریط (یعنی زیادتی اور کمی) سے الگ کر دینے والے شفاعت کو معقول اور قابل التسلیم بنا دینے

والے ہیں۔ ہاں حضورؐ ہی صاحبِ مقامِ محمود ہیں اور حضورؐ ہی شفاعتِ کبریٰ کی خصوصیت سے ممتاز ہیں۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۳)

۳۵۴۔ شیطانی وسوسہ:۔ وَسْوَسَہ یعنی اندیشہ۔ بُری بات جو دل میں آوے۔

"شیطانی اثرات میں سب سے بدترین اثر یا شیطانی وسوسہ یہ ہے کہ زن و شوہر کے خوش گوار تعلقات میں نفرت و عداوت کا ایسا زہر ملا دیا جائے جو اُن کے مابین تفرقہ کا باعث ہو۔ یہ اس لیئے بدترین ہے کہ عموماً اس کے نتائج کذب و بہتان، بدکلامی و بداخلاقی، بدکاری و فحش حتیٰ کہ قتل تک دوررس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ عمل شیطان کو بہت محبوب ہے۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آتا ہے:۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ابلیس علی الصباح اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور پھر اپنی فوج کو انسانوں کی گمراہی کے لیئے اطرافِ زمین میں منتشر کرتا ہے اور جو اُن میں سے زیادہ فتنہ پرداز ہوتا ہے وہ اُس کے یہاں زیادہ تقرب پاتا ہے۔ چنانچہ واپس آکر ہر ایک شیطان اپنی اپنی کارگزاری بیان کرتا ہے۔ مثلاً میں فلاں شخص کو چمٹا رہا حتیٰ کہ یہ کلمات (بیہودہ کلمات) کہلا کر چھوڑا۔ مگر ابلیس اس قسم کی کارگذاریوں کی داد نہیں دیتا اور اُن کے فتنہ کو معمولی قرار دیتا ہے کہ اسی درمیان میں ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ میں نے زن و شوہر کے درمیان آج تفرقہ ڈال دیا اور ان کے خوش گوار تعلقات کو مکدر بنا دیا۔ ابلیس یہ سُن کر فوراً اُس کو اپنے گلے لگا لیتا ہے اور شاباشی دیتا ہے کہ بے شک تو نے بہت بڑا کارِ نمایاں کیا ہے۔" (صحیح مسلم)

شیاطین جن و انس کا یہ سحر عموماً ایسے وساوس اور اسباب کے ذریعہ عمل میں آتا ہے جو دونوں کے درمیان میں بدگمانی، بدکلامی اور شکر رنجی پیدا کرتے ہوں اور یہ حالت آہستہ آہستہ نفرت و عداوت اور تفریق بین الزوجین پر اثر انداز

ہوتی ہے۔" (قصص القرآن ج ۲)

۳۵۵۔ شرم و حجاب :- شرم معنی حیا۔ + حجاب معنی پردہ۔

ہم یہاں پر اس عنوان کے ذریعہ اپنی بیٹیوں سے کچھ دیر مخاطب ہونا چاہتے ہیں اور اپنی عزیز بیٹیوں سے یہ امید بھی کرتے ہیں کہ وہ اس طرف ضرور توجہ بھی کریں گی۔ اور ان باتوں پر نہ صرف خود عمل کریں گی بلکہ اپنی دوسری بہنوں کو بھی اس راستہ پر لانے کے لیے کوشش کریں گی۔ کیونکہ دین اسلام نے جو تعلیم لڑکیوں کے لیے فرمائی ہے اس پر عمل کرنے سے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلعم خوش ہوتے ہیں۔ اور تمھارے لیے بھی باعثِ شرف ہے اچھا سنو! "اپنے رشتہ کے بھائیوں سے اس طرح پیش آؤ گویا وہ پردہ ہی کرتی ہوں، کبھی ان سے آنکھ ملا کر مخاطب نہ ہو۔ کوئی کام اپنا بنایا ہوا دوسروں کو نہ دکھاؤ۔ ہنسی مذاق نہ کرو۔ اگر وہ چھیڑیں تو تم مخاطب نہ ہو، بلکہ تمھیں ناگوار ہو۔ ایسے برتاؤ رکھو جس سے بظاہر غیرت پائی جاوے۔ گھر میں کسی کو بلا کر نہ بٹھاؤ ان کا راگ نہ سنو، ہر بات کی احتیاط رکھو۔

اپنے کپڑے، اپنی وضع وہ رکھو جو تمھیں زیبا ہو۔ بوڑھی بن کر نہ رہو۔ کسی بات میں دخل نہ دو، آنکھیں چار کر کے باتیں نہ بناؤ۔ پان تمباکو کھا کر منہ لال نہ کرو، یہ لڑکیوں کو نا زیبا ہے۔ شرم کے ساتھ اٹھو بیٹھو، سر نہ کھلے، اِدھر اُدھر دیکھتی نہ چلو، کھلی جگہ نہ بیٹھو، تاک جھانک سے باز آؤ۔ بدنامی سے بچتی رہو، نہ تو بد ہو نہ بدنام ہو۔ بری بات جلد مشہور ہو جاتی ہے۔ کسی لڑکے کے ساتھ نہ بیٹھو۔" (حسنِ معاشرت)

۳۵۶۔ شوہر سے کیسے پیش آنا چاہیئے :- شوہر معنے خاوند۔ مالک

اور صاحبِ خانہ۔

اے بیٹیو! جب تمھاری شادی ہو جائے تو تمھیں سب سے پہلے واسطہ

تمھارے اپنے شوہر سے پڑتا ہے۔ پس سمجھ لو یہ آج کا تمھارا واسطہ اگر تم واقعی سمجھ دار ہو، اپنی اور اپنے ماں باپ کی عزت کا تمھیں خیال ہے تو یہ آج کا تمھارا میل ملاپ نہ صرف تمھاری خوشی کا باعث ہو گا بلکہ تمھاری تمام حیات کے لیے بابرکت اور اللہ اور اُس کے رسول صلعم کو خوش کرنے کا ایک نہایت ہی زرّیں موقعہ ہو گا۔ تمھاری زندگی آرام وراحت سے گزرے گی۔ تمھارے ماں باپ کو سکونِ قلب حاصل ہو گا۔ تم ایک لائق خاندان کی لڑکی اور کامیاب شریک حیات ثابت ہو گی۔ چنانچہ آج تمھیں نہایت ہی خوش دلی کے ساتھ، ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے متبسّم اور میٹھی آواز سے ہلکی گفتگو کرنی چاہیئے۔ اپنے شوہر کے دل میں آج ہی یہ بات بٹھا دینی چاہیئے کہ میں تمھاری سب سے اچھی ساتھی ہوں۔ لو ذرا اور آگے سنو! تمھیں اپنے شوہر کے ساتھ کیسے رہنا ہے:۔ ”جب گھر میں مرد آئیں آتے ہی کوئی تردد والی بات نہ ہو۔ معلوم نہیں کس خیال میں آئے ہوں اور کیا خیال پیدا ہو جائے، کھانے کے وقت ایسی دل چسپی کی باتیں کرو کہ وہ خوش ہو جائیں اور خوش ہو کر کھائیں، بے فکری میں دال مثل قورمہ کے معلوم ہوتی ہے۔ فکر و تردد میں ہزار نعمت زقوم (یعنی کڑوی) ہو جاتی ہے، اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔ بعض بیویاں آتے ہی تمام قصہ کہہ سُناتی ہیں، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے، آخر وہ بھوکے ہی اُٹھ جاتے ہیں۔ خدا بھی ناخوش ہوتا ہے اور وہ بھی۔ ایسی عقل سے خدا بچائے، اگر خدا نے تمھیں کچھ بھی لیاقت دی ہے تو اُن کے غم غلط کرو۔ مصیبت بٹاؤ، لگی بجھاؤ۔ آرام دو۔ تکلیف میں حصہ لو، اگر انھیں فکر مند دیکھو تو کوشش کرو کہ یہ پریشانی رفع ہو جائے اگر کسی وجہ سے قرضدار ہو جائیں تو تم اپنی دستکاری و محنت سے سبکدوشی کر دو، یا تمھارے پاس نقد ہو تو ہاتھ میں رکھو، کچھ خیال نہ کرو۔ اُن پر اپنا احسان نہ رکھو، یہ نہ سمجھو کہ ہم نے ایسا کیا ہے، ورنہ سب کیا کرایا بے کار ہے۔“ (حسنِ معاشرت)

البتہ یہ ضرور خیال رکھو کہ اگر شوہر میں کوئی بری عادت پیدا ہوگئی ہو جو پہلے سے بھی تھی یا اب کسی وجہ سے آگئی ہو تو اُسے دُور کرنے کی کوشش کرو۔ سمجھاتے وقت سخت باتوں اور کڑوے لہجہ سے اجتناب کرو۔ نرم گفتگو استعمال کرو۔ اللہ اور رسولؐ کا خوف دلاؤ، اچھی باتوں کی نصیحت کرو، اس بُری عادت سے جو اس کی زندگی اور اپنی حالت پر بُرا اثر پڑنے والا ہو۔ اُس سے اُسے آگاہ کرتی رہو، لیکن ہر وقت نہیں بلکہ جب جب اچھا موقع دیکھو، ہر بُرے وقت میں جو تمھیں اپنی زندگی میں پیش آجائے۔ قرآن کریم کی تلاوت کی طرف جیسے تم روزانہ کرتی ہو اور زیادہ وقت لگا دو، نماز کی طرف بھی زیادہ رجوع ہو جاؤ۔ اور اللہ تعالےٰ سے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس بری عادت کو دُور کرنے کے لیئے دعائیں کرو۔ انشاء اللہ تعالےٰ بہت جلد دور ہو جائے گی۔ گھبراؤ نہیں ورنہ سب زندگی راحتیں مصیبت میں تبدیل ہو جائیں گی۔ بحمد اللہ تم مسلمان کے گھر پیدا ہوئی ہو۔ ماشاء اللہ خود مسلمان ہو، مسلمان کسی مصیبت میں گھبراتا نہیں ہے۔ بلکہ اس مصیبت و پریشانی کو دور کرنے کے لیے اپنے رب حقیقی کی طرف رجوع ہو جاتا ہے اور وہ اُس کی سب پریشانیاں دور کر دیتا ہے۔ شوہر کی اس بری عادت کو سنوارنے کے لیئے بیوی کا حسنِ سلوک نرم گفتگو اور اس سے اچھا پیار سب سے زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے۔

"ص"

۳۵۷۔ صُورت اور سیرت کا فرق:-

صُورت بمعنی شکل۔ سیرت بمعنی خصلت، عادت۔ فرق بمعنی کسی چیز کو آپس سے جدا کرنا۔

حق تعالےٰ نے اپنی مخلوق کو جدا جدا صورت اور قسم قسم کی شکلوں پر پیدا فرمایا ہے، کوئی صورت اور سیرت حسین اور اچھی ہے اور کوئی صورت و سیرت بُری اور

بھونڈی ہے۔

بہر حال قدرت نے اپنے اندازہ سے جیسی صورت اور سیرت پیدا فرمائی ہے وہ اُس کے مناسب حال ہے، اور اس کے لیئے اسی میں بھلائی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز اور ہر بات کوئی نہ کوئی مصلحت لیئے ہوئے ہے جسے وہ خود ہی جانتا ہے۔ الحاصل ظاہری شکل و ہئیت کو صورت کہتے ہیں۔ اور باطنی شکل و ہئیت کو سیرت کہتے ہیں۔ مگر سیرت کا مرتبہ صورت سے بڑھا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ ونفخت فیہ من روحی آیۃ کریمہ میں روح کو اپنا کہہ کر ذکر فرمایا اور قل الروح من امر ربی۔ میں اس کا اظہار فرمایا کہ روح امر ربی ہے۔" (تبلیغ دین محشی)

۳۵۸۔ صاحب الجمال:۔

صاحب معنی مالک۔ + جمال معنی خوبی صورت اور سیرت کی، خوب صورتی انسان کی۔

ہم اس عنوان سے انسان کی صفات کا ذکر کر رہے ہیں، دراصل انسان کہلانے کا وہی شخص مستحق ہے جس میں انسانی صفتیں موجود ہوں۔ ورنہ انسان کی شکل میں پیدا ہو جانے سے انسان نہیں ہوتا بلکہ وہ حیوان ہے۔ صداقت، دیانت، امانت صبر اور شکر جیسے صفات اگر انسان کی زندگی میں اُسے حاصل ہیں تو وہی حقیقی اور کامیاب زندگی ہے، اور اگر انسان میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تو پھر وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے، اور یہ مقام عبرت ہے کہ انسان کو قدرت ربانیہ نے صاحب الجمال پیدا کیا ہے تو کیا اُس کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ بھی احسن اعمال ادا کرے۔ جب خود انسان بہترین جمال والا ہے اور جس کون و مکان میں وہ رہتا ہے وہ بھی سراپا حسن و جمال ہے۔ تو پھر انسان کا احسن اعمال کو پیش نہ کرنا اس کی عقل و فہم سے بہت بعید ہے۔ یعنی انسان کی عقل و دانش اور سمجھ سے یہ بہت دُور کی بات ہے۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف

سے پیدا فرمایا ہے۔ اسے ہر طرح سے سوچنے اور سمجھنے کی تمیز عطا فرمائی ہے تو اسے اچھے اعمال اختیار کرنے چاہئیں۔ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آنا چاہیئے تب ہی انسان صاحب الجمال کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

۳۵۹۔ صدقہ اور مقدور :- صدقہ معنی خدا کے نام پر جو فقیروں کو دیں + مقدور معنی قدرت۔ طاقت۔

خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی بڑی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ اگر اپنے اندر اتنی طاقت ہے واستطاعت ہو تو ہر سوالی کے سوال کو پورا کرنا چاہیئے۔ خدا ایسے لوگوں سے نہبت خوش ہوتا ہے۔ جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ ہر مسلمان پر صدقہ (دینا ضروری ہے) پھر اگر کسی کو مقدور نہ ہو تو وہ اچھی بات پر عمل کرے (یعنی لوگوں سے بر خلق پیش آئے اور کسی کی ضرر رسانی میں کوشش نہ کرے)۔

ایک حدیث میں ہے :- " حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہر مسلمان پر صدقہ (دینا ضروری) ہے۔ تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! اگر کسی کو مقدور نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا کہ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرے اور اپنی جان کو آرام دے اور صدقہ دے۔ لوگوں نے عرض کیا اگر اس کا بھی مقدور نہ ہو؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ صاحب حاجت مظلوم کی فریاد رسی کرے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اس کا بھی مقدور نہ ہو؟ آپؐ نے فرمایا تو وہ اچھی بات پر عمل کرے اور برائی سے باز رہے۔ یہی اس کے لیئے صدقہ (دینے کے برابر) ہے۔

اللہ عز وجل کا فرمانا : فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی۔ الآیۃ: (صدقہ دینے کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے) ترجمہ :- پس جو شخص صدقہ دے گا اور پرہیزگاری کرے گا۔ اور عمدہ بات (یعنی توحید و رسالت) کو مانے گا عنقریب ہم اسے نیک کام کی توفیق دیں گے۔ اور جو کوئی بخل کرے گا اور (ہمارے نبی صلعم کی اطاعت سے)

لاپرواہی، ہم عنقریب اُسے بُرے اعمال کی سزا دیں گے۔

صدقہ دینے والے اور بخیل کی مثال میں ایک حدیث میں آیا ہے: "حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بخیل کی اور صدقہ دینے والے کی مثال اُن مردوں کے مثل ہے جن (کے جسم) پر دو جبّہ لوہے کے ہوں، سینہ سے لے کر اُن کی گردن تک۔ تو سخی جب خرچ کرنا چاہتا ہے تو وہ جبّہ کشادہ ہو جاتا ہے یا (یہ فرمایا کہ) اس کے جسم پر ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کی اُنگلیوں کو چھپا لیتا ہے اور بڑھ جاتا ہے۔ اور بخیل جب خرچ کرنا چاہتا ہے تو اُس جبّہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ پر جم جاتا ہے۔ وہ اُس کو کشادہ کرنا چاہتا ہے مگر کشادہ نہیں ہوتا۔

(پاک کمائی) اور تجارت سے صدقہ دینا (چاہیئے) بہ دلیل قول اللہ تعالےٰ کے:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ الی قولہ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۔ ترجمہ: اے ایمان والو اُن پاک کمائیوں سے جو تم نے حاصل کی ہوں اور اس چیز سے جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے پیدا کی ہے (ہماری راہ میں) خرچ کرو۔" (صحیح بخاری اُردو ج ۱)

۳۶۰۔ صدقہ دی ہوئی چیز خرید کرنا:۔

کسی کو اپنی صدقہ دی ہوئی چیز کو پھر سے خرید لینا جائز نہیں ہے۔ ہاں غیر خرید سکتا ہے۔ اس کی شریعت اسلام نے اجازت دی ہے۔ غیر کو منع نہیں فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر بن خطاب نے (ایک مرتبہ) ایک گھوڑا اللہ کی راہ میں خیرات کر دیا تھا۔ پھر اُسے (بازار میں) بکتا ہوا پایا۔ تو انھوں نے ارادہ کیا کہ اُسے خرید لیں۔ پھر وہ نبی صلعم کے پاس آئے اور آپ سے اجازت چاہی، تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم اپنے صدقہ کو نہ پھیرو۔

پس اسی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ جب کسی صدقہ دی ہوئی چیز کو (اتفاق سے) خرید لیتے تو اس کو (اپنے پاس) نہ رکھتے تھے بلکہ (دوبارہ پھر) اُسے خیرات کر دیتے تھے۔ ایک دوسری حدیث ہے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے خدا کی راہ میں ایک گھوڑا سواری کے لیے دیا۔ تو جس شخص کے پاس وہ گھوڑا تھا اُس نے اُس کی کچھ قدر نہ کی، میں نے ارادہ کیا کہ میں اُس کو خرید لوں (کیونکہ) میں نے یہ خیال کیا تھا کہ وہ اُس کو ارزانی کے ساتھ بیچ ڈالے گا۔ لہٰذا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس بارے میں) پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ، تم نہ خریدو اور اپنے صدقہ کا واپس کر لینے والا ایسا ہے جیسے اپنی قے کا کھانے والا۔"

(صحیح بخاری اردو ج ۱)

۳۶۱۔ صُلحِ کُل کی دعوت:- صُلحِ کُل معنی ہر مذہب کے آدمی سے دشمنی نہ رکھنا۔ دوست دشمن سب کے ساتھ محبت سے پیش آنا۔

اسلام کسی ذات برادری یا قوم کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام ایک سچے دین کا نام ہے جو عالم گیر مذہب ہے۔ جو سارے عالم کو دعوتِ حق دیتا ہے۔ اہلِ عالم کو جو قعرِ ظلمات میں پڑے ہوئے ہیں انھیں ایمان کی روشنی میں لانا چاہتا ہے۔ انھیں پکے اور سچے مسلمان بنانا چاہتا ہے۔ دوست و دشمن سے محبت کے ساتھ پیش آنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے سیدھے اور سچے راستہ پر چلنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے:۔ "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○ (البقرہ ع ۲۴) ترجمہ:۔ اے ایمان والو! دینِ اسلام میں (جو مبنی بر امن) بالکلیہ ہمہ تن داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۱)

۳۶۲۔ صابی :- صابی یعنی پھرنے والا ایک دین سے دوسرے دین کی طرف۔ یہ لوگ ستاروں کی پوجا کرتے تھے۔

صابی ایک قدیم فرقہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں اس فرقہ کا بڑا زور و شور تھا۔ شہر بابل اور نینوا کے لوگ بھی یہی مذہب رکھتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتدا کب سے ہوئی۔ اس گروہ کا اعتقاد تھا کہ خدائے تعالیٰ سے جو مجرد محض ہے بندہ کی جو مادی ہے کسی طرح بھی رسائی ممکن نہیں، اس کی پرستش اس کے مظاہر نیرات (یعنی ستاروں) کی پرستش ہے۔ پھر اس کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ستاروں، آفتاب اور ماہتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے دوم جو اصنام کو نیرات کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے، اسی لیے یونان میں زہرہ ستاروں کے نام سے معبد بنے ہوئے تھے۔ پھر آگے چل کر اس فرقہ کی اور بہت سی شاخیں ہو گئیں۔ ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدما و بدھ ماننے والے بھی اسی گروہ کی شاخ ہیں۔ پھر ہر ملک میں ہر زمانے میں اس مذہب نے ایک نیا رنگ اور نیا نام پیدا کیا۔"

(ص ۱۹۰ حاشیہ تفسیر حقانی ج دوم)

۳۶۳۔ صِلہ رحمی :- صِلہ رحمی یعنی محبت رکھنا اور سلوک کرنا اپنے عزیزوں سے، رشتہ داروں سے۔

اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے محبت کرو، اُن کی مدد کرو، جہاں تک ہو سکے اُن سے اچھا سلوک کرتے رہو، اگر وہ کسی بات پر ناراض ہو جائیں تو تم نرمی کے ساتھ اُن سے پیش آؤ۔ کوشش کرو کہ تم اُن پر کبھی اپنی ناراضگی کا اظہار مت کرو۔ جب وہ تمھارے پاس آئیں تو اُن کی عزت کرو، اچھی جگہ اُن کو بٹھاؤ، کسی کو حقیر نہ سمجھو، اُن کی مدد کرنے پر اُن کو اپنا احسان مت جتاؤ۔ اگر وہ کبھی تم سے اُدھار مانگے تو اُدھار کو واپس لینے کے لیے سختی نہ کرو۔ جب کبھی اُن کے پاس جاؤ تو اپنی بڑائی مت جتاؤ۔ ہنسی خوشی اُن سے ملتے

ملتے رہو۔ کبھی کسی بیمار کی عیادت کے لیئے جاؤ تو اُس کی مزاج پُرسی کرتے وقت اُسے تسلّی دو۔ دوا کی ضرورت ہو تو اُس میں اُن کی مدد کرو، بخیل سے کبھی قرض نہ لو، کیونکہ اُس کا دل چھوٹا ہوتا ہے، وہ قرضہ وصول کرتے وقت ذلیل کرے گا۔ اپنی بڑائی جتا کر تمھیں شرمندہ کرے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی کرنے والوں کو بڑی تاکید فرمائی ہے کہ وہ صلہ رحمی کیا کریں کیونکہ صلہ رحمی کرنے سے اللہ تبارک و تعالےٰ بہت خوش ہوتے ہیں۔ رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔ عمر بڑھتی ہے۔ آپس میں محبت و ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

امیروں اور مالدار لوگوں کے پاس مت بیٹھو اس سے ہوس بڑھتی ہے۔ دولت پیدا کرنے کے لیئے ناجائز طریقوں سے بھی دھن و دولت کمانے کے لیئے رغبت پیدا ہوتی ہے جو اسلامی تاکیدات کے منفی ہے۔ ہمیشہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھو جو اپنے برابر کے ہوں۔ دین دار لوگوں کے پاس بیٹھنے سے دین کی باتیں حاصل ہوں گی۔ اس لیئے ان کی صحبت اختیار کرنا دین اور دنیا کے لیئے بہتر ائی ہے۔

۳۶۴۔ صدقہ اور اعمالِ صالحہ :- صدقہ معنی خدا کی راہ میں جو فقیروں کو دیں۔ راہِ خدا میں خرچ کرنا+

اعمال جمع ہے عمل کی بمعنی کام۔ + صَالحہ معنی نیک اعمال، اچھے اور نیک کام، یعنی خدا کی راہ میں خیرات کرنا اور نیک کام کرنا۔

خطایا ذُنُوب (یعنی قصور اور گناہوں) کے صدور پر توبہ کر لیا کریں۔ اور اگر توفیق ہو تو خیرات بھی کیا کریں۔

اب اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب توبہ سے گناہ معاف ہو گیا تو صدقہ کے آثار تطہیر و تزکیہ ہونے (یعنی خیرات کر کے پاک ہونے) کے کیا معنیٰ ؟ جواب اس کا یہ ہے کہ توبہ سے گناہ تو معاف ہو جاتا ہے لیکن گناہ سے اُس کی ظلمت اور کدورت کا اثر باقی رہ جاتا ہے۔ اور گو اُس پر

مؤاخذہ (گرفت، پکڑ وغیرہ) نہیں لیکن اس سے آئندہ اور گناہوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، پس صدقہ سے خصوصاً اور دیگر اعمال صالحہ سے عموماً یہ ظلمت اور کدورت مُندَفِع (یعنی دُور، دفع) ہو جاتی ہے۔" (تفسیر حضرت تھانویؒ)

صابر معنی صبر کرنے والا، لقب حضرت ایوب علیہ السلام کا۔

۳۶۵۔ صَابِر :-

گو ہم اس سے پیشتر کتاب ہذا کی جلد اول میں عنوان ۱۶۵ میں صبر پر کافی طور سے تحریر کر چکے ہیں اس لیے یہاں پر مزید کچھ اور صبر کی تعریف میں بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ لیکن یہاں پر لفظ صابر کا عنوان اس لیے قائم کیا گیا ہے کہ ہم حضرت ایوب علیہ السلام جو صابر کے لقب سے مشہور و معروف ہیں اُن کے بارے میں کچھ مختصراً بیان کر دینا چاہتے ہیں۔ جو چند سطور میں آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ بیشک اللہ تعالےٰ صابروں کے ساتھ ہے۔

"حضرت ایوبؑ علیہ السلام بڑے درجہ کے نبی ہیں۔ سورۂ نساء کے آخری رکوع میں ان کا ذکر ہے اور اس مقام سے ظاہر ہے کہ ان پر وحی ربانی کا نزول ہوا۔

اللہ تعالےٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی صفت میں فرماتا ہے :- اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ (صٓ - ع ۴) ترجمہ :- بیشک ہم نے ان کو صابر پایا۔

صبر فضائل محمودہ میں سے اعلیٰ فضیلت ہے اور دین و دنیا کا کوئی منصب عالی حاصل نہیں ہو سکتا جب تک صبر حاصل نہ ہو۔ پختگی ارادہ، ثبات و استقلال اور توکل علی اللہ درحقیقت صبر ہی کی شاخیں ہیں۔

اللہ تعالےٰ حضرت ایوب علیہ السلام کی صفت میں فرماتا ہے :- نِعْمَ الْعَبْدُ۔ (صٓ - ع ۴) اچھا بندہ + پھر باری تعالےٰ نے فرمایا : اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ۔ (صٓ - ع ۴) وہ اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرنے والا تھا + حضرت ایوبؑ علیہ السلام کے رجوع الی اللہ کا واقعہ قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے :- اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ۔ (صٓ - ع ۳)

ترجمہ:۔ اپنے رب کو پکارا اور عرض کیا کہ مجھے شیطان دُکھ اور تکلیف سے چھُو گیا ہے۔+

اس سے ظاہر ہے کہ وہ دکھ اور تکلیف میں اللہ تعالےٰ ہی کو پکارتے تھے۔ دُکھ درد وغیرہ ذاتِ سبحانی کی طرف نسبت دینے سے اجتناب کرتے تھے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ اہل کتاب نے ۱۵۲۰ ق م تجویز کیا ہے۔ ابتلاء و آزمائش کے بعد وہ یعنی حضرت ایوب علیہ السلام چودہ ہزار بھیڑوں، ساٹھ ہزار اُونٹوں، ایک ہزار جوڑے بیل، ایک ہزار گدھوں کے مالک۔ سات بیٹوں اور تین بیٹیوں کے باپ تھے۔ ایک سو چالیس سال عمر پائی۔+

(رحمۃ اللعالمین ج ۲)

۳۶۶۔ صَاحِبؔ اور صحابیؔ:۔

صاحب معنی مالک، خداوند، یار۔+ صحابی معنی ہم صحبت۔ دوست۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والا۔ صحابی کی جمع صحابہ ہے۔

منکرین مکہ حضور صلعم کو صاحبِ قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ صاحب کے معنی ساتھ رہنے والا ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضورؐ کا نشان انھیں الفاظ میں دیا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ رہے گا۔ اس سے حضور صلعم کی نبوت کا ابدی ہونا ثابت ہوگیا۔ یہ ثابت ہے وہ نوع انسان کے ساتھ ساتھ اس وقت تک رہے گی جب تک کہ خود یہ نوع باقی رہے۔ منکرین مکہ بھی حضور صلعم کو صاحب قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ لفظ خواہ کیسی ہی نیت سے وضع کیا تھا۔ لیکن قدرتِ الٰہیہ نے اسے پاک ترین معنی میں استعمال کیا اور:۔

وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ ط انبیاء علیہم السّلام میں ایسے بزرگوار بھی ہوئے ہیں جنھوں نے امت عاصی کے مفسدات اور قابلِ نفرت افعال کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور ان کو چھوڑ کر خود ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استقامت و صبر کی مدح وثنا فرماتا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ اس

نبیؐ کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نافرمانوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا ۔ اُن کو اپنے دربار سے دور نہیں کرتا۔ خود ان سے علیحدگی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ صابر ہے اور اس کا صبر صرف اللہ ہی کی نصرت و معیت پر منحصر ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تم اسے اپنا صاحب کہتے ہو۔ کل کو تمھیں خود اس کا صحابی بننا موجبِ شرف و عزت بن جائے گا۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۳)

"ط"

۳۶۷۔ طالبِ حق :- طالب معنی طلب کرنے والا۔ حق معنی درست بات سچ بولنا۔

طالبِ حق کو سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر جو کمی اور کوتاہی ہے اُس کو دور کرے، دینِ اسلام کے سچے راستہ کو سختی کے ساتھ پکڑے، اس پر چلنے کے لیے اگر کسی قربانی کی ضرورت محسوس کرے تو اُس سے بچنے کی کوشش نہ کرے ۔ حق کی راہ قربانی مانگتی ہے اُس سے درگذر نہ کرے ۔ غصہ، غیبت جھوٹ، بخل اور حسد و غرور اور بداخلاقی سے پرہیز کرے بلکہ ایسی تمام برائیوں کو اپنے اندر سے دور کرے ، محبت، ہمدردی، مدد، کیساتھ لوگوں سے پیش آئے، صبر، شکر، توکل، رضا، تسلیم اور مذہب اسلام کی شریعت کو مضبوطی سے اختیار کرے۔

اچھے نیک لوگوں اور دین دار، علماء و صلحاء کی صحبت اختیار کرے، نماز کی پابندی کے ساتھ ادائیگی کا خیال رکھے۔ خلاف شرع فقراء کی صحبت سے بچے۔

کشف و کرامات کا طالب نہ ہو۔ اپنا حال یا سخن تصوف غیر قوم سے نہ کہے، بڑائی سے بچے، نہایت ادب و احترام کے ساتھ بڑے لوگوں سے ملے۔ چھوٹوں سے پیار و ہمدردی کے ساتھ ملے، یتیم و نادار، اور غرباء کا خیال رکھے ۔ بیواؤں کی

مدد کرے، متعلقین سے نرمی برتے، اُن کی خطاؤں و قصور کو درگزر کرتا رہے، کسی کی عیب جوئی نہ کرے اور اپنے عیوب پر نظر رکھے، سکوت و خلوت کو محبوب رکھے، تشویش کو دل میں نہ آنے دے، صبر و ضبط کو ملحوظ رکھے اور جو کچھ پیش آئے اُسے حق کی طرف سے سمجھے، خورد و نوش میں اعتدال رہے، نہ اتنا زیادہ کھائے کہ کسل ہو اور نہ اس قدر کم کہ عبادت سے ضعف ہو جائے۔

مہمان نواز اور مسافر پرور رہے، قناعت و ایثار کی عادت رکھے۔ بھوک پیاس کو محبوب سمجھے، کم ہنسے، زیادہ خوفِ خدا سے روئے، ہر وقت خدا کا خوف دل میں رکھے، عذابِ الٰہی اور اس کی بے نیازی سے لرزتا رہے۔ موت کا ہر وقت خیال رکھے، روزانہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے۔ نیکی پر شکر اور بدی پر توبہ کرتا رہے، بُری رسوم سے بچتا رہے، بدعت کا کوئی کام نہ کرے، بزرگوں کے مزارات پر جاکر ایصالِ ثواب کیا کرے۔ گاہِ گاہِ عوام مسلمین کی قبور پر جاکر بھی ایصالِ ثواب کرے، قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا رہے۔ کیونکہ تلاوتِ قرآن اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ پسند ہے، فرمانبرداری کامل طور پر بجالائے اور ہمیشہ استقامت کے لیے دعا کرتا رہے۔

۳۶۸۔ طلبِ حلال :- حلال - معنی رَوا۔ جائز، درست، اور وہ چیز جو موافق شرع کے درست ہو۔

"جہاں کہیں عبادت کا حکم ہوا ہے اس کے ساتھ ہی اکلِ حلال کا بھی حکم ہے۔ چنانچہ حق تعالےٰ فرماتا ہے "پاک چیز کھایا کرو اور نیک کام کیا کرو۔" جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "ایمان لانے اور نماز پڑھنے [illegible] فرضیت کے بعد رزقِ حلال کی تلاش فرض ہے۔" اس تقویٰ کے [illegible] چار درجے ہیں۔

(۱) پہلا درجہ جن چیزوں یا جس مال کی حرمت (یعنی حرام ہونے) پر علمائے دین اور فقہائے شریعت کا فتویٰ ہے اُن کا استعمال نہ کرو۔

(۲) دوسرا درجہ صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا۔

(۳) تیسرا درجہ اتقیاء کا تقویٰ ہے۔ یعنی پرہیز گار لوگوں کی پرہیز گاری۔
(۴) چوتھا درجہ، صدیقین کا تقویٰ ہے۔ یعنی جس چیز کے کھانے پینے سے عبادت اور اطاعت پر قوت حاصل نہ ہو۔ اس سے پرہیز کرے۔" (تبلیغ دین محشی)

"ظ"

۳۶۹۔ ظِہار:۔ ظہار معنی ہم پشت ہونا، مرد کا اپنی منکوحہ عورت سے یہ کہنا کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کی پشت کے ہے، شرع میں اس کہنے سے مرد پر وہ عورت حرام ہو جاتی ہے اور جب تک مرد کفارہ (یعنی عوض خطا یا گناہ کا شرعی طور پر) نہ دے، حلال نہیں ہوتی۔ اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ بردہ (یعنی غلام) آزاد کر دے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو مہینے روزے پیہم یعنی لگاتار رکھے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔ اور لازم و واجب یہ ہے کہ جماع سے قبل کفارہ ادا کرے۔

اللہ تعالےٰ نے ظہار کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا...... تا...... وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (قد سمع اللہ ۲۸۔ سورۂ مجادلہ ع ۱)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپؐ سے اپنے شوہر کے معاملہ میں جھگڑتی تھی اور (اپنے رنج و غم کی) اللہ تعالےٰ سے شکایت کرتی تھی۔ اور اللہ تعالےٰ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا (اور) اللہ (تو) سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ تم میں جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں (مثلاً یوں کہہ دیتے ہیں اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنھوں نے اُن کو جنا ہے۔ اور وہ لوگ بلاشبہ ایک نامعقول اور (چونکہ) جھوٹ بات کہتے ہیں۔ (اس لیے

گناہ ضرور ہوگا) اور یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بخش دینے والے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو اُن کے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے۔ قبل اس کے کہ دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔ پھر جس کو (غلام یا لونڈی) میسّر نہ ہو تو اس کے ذمہ پیاپے (یعنی لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں۔ پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ یہ حکم اس لیئے (بیان کیا گیا) ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی حدیں (باندھی ہوئی) ہیں۔ اور کافروں کے لیئے سخت دردناک عذاب ہوگا۔

گو ہم شروع عنوان ہذا ہیں اس پر لیکن نہایت مختصراً عرض کر چکے ہیں۔ تاہم یہ مناسب اور ضروری معلوم ہوا کہ اس کی تفسیر جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے حاشیہ میں فرمائی ہے اس کو بیان کرنا ضروری ہے اس لیے یہ تفسیر ان آیات کے بارے میں تحریر کر رہے ہیں:- ۱:- عرب جاہلی میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح کہہ دیتا کہ تو میری ماں کی جگہ ہے یا تیری پیٹھ میری ماں یا بہن کی جگہ ہے تو میاں بیوی میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہو جاتی تھی۔ اور یہ قول طلاق سے بڑھ کر تحریم ابدی خیال کیا جاتا تھا۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو ظہار کہتے ہیں۔ عہد رسالت میں اوس بن صامت صحابی رضؓ نے غصے میں اپنی بی بی خولہ رضؓ بنتِ ثعلبہ کو کہہ دیا کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت تو مجھ پر حرام ہے۔ اس کے بعد دونوں نادم ہوئے۔ حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چارہ جوئی اور تحقیق حال کے لیئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ چونکہ ظہار کے متعلق اب تک کوئی آسمانی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ آپؐ نے قوم ہی کے معمول کو قابل عمل خیال کر کے فرما دیا کہ اب تمہارے

اور تمھارے شوہر میں اجتماع کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی "۔
یہ سُن کر وہ واویلا کرنے لگیں اور اپنے خاوند کا شکوہ شروع کر دیا۔ اور کہا یا رسول اللہؐ! میری جوانی شوہر ہی کے گھر میں گذری اور اب جو میں بوڑھی ہو چلی ہوں تو ظہار کر بیٹھا ہے۔ لیکن علیحدگی کی صورت میں گھر تباہ ہو جائے گا۔ اور چھوٹے چھوٹے بچے پریشان مارے مارے پھریں گے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کے کہنے لگیں۔ بارِ الٰہا! مجھ بے چاری کا تو ہی وارث ہے میری فریاد رسی کر۔ اُسی وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں ظہار کو طلاق قرار نہ دیا گیا اور فرمایا گیا کہ جس نے جنا نہیں وہ ماں کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اور ایسی لغویات کے کہنے کا انسداد یہ حکم دے کر فرمایا کہ جب تک شوہر کفارہ ادا نہ کرے۔ اس وقت تک منکوحہ کے قریب نہ جائے۔+

ف۲ پس کفارہ میں دو حکمتیں ہو گئیں ایک تکفیر سیۂ (یعنی بڑے گناہ کا کفارہ دینا) جس کی طرف اشارہ ہے: لَعَفُوٌّ غَفُورٌ میں۔ دوسرے زجر (یعنی روکنا، باز رکھنا) جس کا تُوْعَظُوْنَ میں بیان ہے۔

ف۳ اسلام میں بھی یہ حکم بحال ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں، بہن بیٹی یا کسی ایسی عورت کے عضو سے تشبیہ دے جس سے مرد کا کسی حالت میں نکاح نہیں ہو سکتا تو کفارہ ادا کیے بغیر بیوی سے صحبت اور دَواعیٔ صحبت (خواہش) سب حرام ہو جاتے ہیں۔ لیکن تشبیہ عضو سے وہی اعضاء مراد ہیں جن کی طرف مرد بغیر کسی شدید مجبوری کے دیکھ نہیں سکتا۔ جیسے پیٹھ، شکم، ران۔
اگر کفارہ میں لونڈی یا غلام آزاد کرنے کا موقع نہ ہو۔ جیسا کہ عہد حاضر میں لونڈی غلاموں کا کہیں بھی وجود نہیں پایا جاتا تو ساٹھ روزے رکھے اگر روزوں کی طاقت نہیں تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت سالن روٹی پیٹ بھر کر کھلائے۔ اور اگر اناج دینا چاہے تو ہر ایک کو دو دو سیر گیہوں دے۔ ؎

ع

۳۷۰ - عمامہ :- عمامہ معنی دستار، پگڑی۔

اس عنوان سے ہم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دستار مبارک کا ذکرِ خیر کرنا چاہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ دستار مبارک باندھا کرتے تھے اس لئے اس کا استعمال سُنت ہے۔ اس کو باندھنا ثواب ہے۔ لہٰذا دستار کو اگر روزانہ نہیں تو عید تہوار پر باندھ کر نماز ادا کرنا چاہیئے تاکہ ثواب میں اضافہ ہو اور سنّت الرسول صلعم بھی ادا ہو جایا کرے۔

ویسے بھی دستار کا باندھنا شانِ مسلم میں شمار ہوتا ہے۔ اسلام کا نشان ہے۔

"حدیث میں آیا ہے کہ عمامہ باندھا کرو، عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے، حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت جب آپؐ شہر میں داخل ہوئے تو آپؐ کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملے کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈال لیتے تھے، منقول ہے کہ آپؐ کے دو عمامے تھے ایک چھوٹا سات ہاتھ کا اور ایک بڑا بارہ ہاتھ کا۔" (معمولات نبویؐ)

۳۷۱ - عذاب اور اُس کی شکلیں :-

پچھلی قوموں پر اُن کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے جو عذابِ اِلٰہی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے اُن کی داستانیں نہایت ہی طویل ہیں اگر ان پر بحث کی جائے تو ایک اچھی خاصی کتاب بن جائے۔ غور کیجئے کہ کس قدر نافرمان قومیں ہوں گی وہ جن کا عذاب کا ذکر قرآنِ مبارک میں بہت سی جگہوں پر ہوا ہے۔ ہم یہاں پر صرف قوم ثمود پر جو عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتار اگیا تھا اُس کا ذکر کر رہے ہیں اس عذاب کی شکل یہ تھی کہ کہیں کسی آواز سے اور کہیں کسی دوسری آواز سے نازل ہوا تھا اور آواز میں نہایت ہی خطرناک اور دہشتناک تھیں۔ اس عذاب کے آنے کا سبب یوں ہوا تھا۔ مختصراً تحریر کرتے ہیں، غور فرمایئے:-

"حضرت صالح علیہ السلام کی مغرور اور سرکش قوم نے ان کی پیغمبرانہ دعوت و نصیحت کو یوں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور خدا کے نشان (معجزہ) کا مطالعہ کیا۔ تب صالح علیہ السلام نے درگاہِ الٰہی میں دعا کی اور قبولیت کے بعد اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہارا مطلوبہ نشان اونٹنی کی شکل میں یہ موجود ہے۔ دیکھو تم نے اگر اس کو ایذا پہنچائی تو پھر یہی تمہاری ہلاکت کا نشان ثابت ہوگی اور خدا تعالیٰ نے تمہارے اور اس کے درمیان پانی کے لئے باری مقرر کر دی ہے۔ ایک دن تمہارا ہے اور ایک دن اس کا۔ لہٰذا اس میں فرق نہ آئے۔

لیکن بدقسمت قوم ثمود زیادہ دیر تک اس کو برداشت نہ کر سکی اور ایک روز سازش کر کے ناقہ کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے۔ بدبخت قوم! آخر تجھ سے صبر نہ ہو سکا اب خدا کے عذاب کا انتظار کر، تین دن کے بعد وہ نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا اور تم سب کو ہمیشہ کے لئے تہس نہس کر جائے گا۔

سید آلوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح ہی سے شروع ہو گئیں یعنی پہلے روز اُن سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہو جایا کرتا ہے۔ اور دوسرے روز سب کے چہرے سُرخ تھے گویا خوف و دہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا۔ اور تیسرے روز اُن سب کے چہرے سیاہ تھے۔ اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یہ خوف و دہشت کا تیسرا مقام تھا جس کے بعد موت ہی کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔ تین دن کی ان علاماتِ عذاب نے اگرچہ ان کے چہروں کو واقعی زرد، سرخ اور تاریک بنا دیا تھا لیکن ان رنگوں کی ترتیبی خصوصیت یہ صاف بتا رہی تھی کہ ان کے دلوں کو صالح علیہ السلام کے سچے ہونے کا یقین تھا اور صرف حسد و بغض سے انکار کرتے تھے۔ اب جبکہ خدا کے حکم کے خلاف "جرم" کر چکے اور اس کی پاداش میں صالح علیہ السلام سے عذاب کی ہولناک خبر سُنی تو ان پر خوف و دہشت کے وہ فطری رنگ اور نقوش نمایاں ہونے لگے جو موت کے یقین کے وقت خوف و دہشت سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔

بہرحال ان تین دن کے بعد وقت موعود آپہنچا اور رات کے وقت ایک ہیبت ناک

آواز نے ہر شخص کو اُسی حالت میں ہلاک کر دیا جس حالت میں وہ تھا۔

قرآن عزیز نے اس ہلاکت آفریں آواز کو کسی مقام پر صاعقہ (کڑک دار بجلی)، اور کسی جگہ رجفہ (زلزلہ ڈالنے والی شے) اور بعض جگہ طاغیہ (دہشتناک) اور بعض جگہ صیحہ (چیخ)، فرمایا۔ اس لئے کہ یہ تمام تعبیرات ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کے اعتبار سے کی گئی ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدائے تعالیٰ کے اس عذاب کی ہولناکیاں کیسی گوناگوں تھیں۔ تم ایک ایسی کوندنے والی بجلی کا تصور کرو جو بار بار اضطراب کے ساتھ چمکتی، کڑکتی اور گرجتی ہو، اور اس طرح کوند رہی ہو کہ کبھی مشرق میں ہے تو کبھی مغرب میں اور جب ان تمام صفات کے ساتھ چمکتی کوندتی، گرجتی لرزتی، لرزاتی ہوئی کسی مقام پر ایک ہولناک چیخ کے ساتھ گرے تو اُس مقام اور اُس کے نواح کا کیا حال ہو گا؟

یہ ایک معمولی اندازہ ہے اُس عذاب کا جو ثمودؔ پر نازل ہوا اور اُن کو اُن کی بستیوں کو تباہ و برباد کر کے سرکشوں کی سرکشی اور مغروروں کے غرور کا انجام ظاہر کرنے کے لئے آنے والی نسلوں کے سامنے عبرت پیش کر گیا۔

ایک طرف ثمودؔ پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری طرف صالح علیہ السلام اور اُن کے پیرو مسلمانوں کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور اُن کو اس عذاب سے محفوظ رکھا۔"

(قصص القرآن ج ۱)

۳۷۲۔ عُیُونؔ موسیٰؑ:۔ عُیُونؔ معنی پانی کے چشمے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باری تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے۔ جو قوم موسیٰؑ بنی اسرائیل کے بار بار مطالبات پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے اللہ جَلَّ جَلالُہٗ نے بار بار عطا فرمائے۔ قصص القرآن کی جلد اول میں مذکور ہے کہ:۔ عبدالوہاب نجارؔ نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ پانی کے وہ چشمے جن کا ذکر بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہے بحرِ احمر کے مشرقی بیابان میں سویز سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ اور اب بھی "عُیُونِ موسیٰؑ" (موسیٰؑ کے چشمے) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان چشموں کا پانی اب بہت کچھ سوکھ گیا

ہے اور بعض کے تو آثار بھی قریب قریب معدوم ہو گئے ہیں۔ اور کہیں کہیں ان چشموں پر اب کھجور کے باغات نظر آتے ہیں۔

قرآن عزیز کے ذکر کردہ واقعات سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عصاء مار کر پانی کے حاصل کرنے کا واقعہ صرف ایک ہی مرتبہ پیش نہیں آیا بلکہ "تیہ" کے میدان میں مختلف مقامات پر متعدد مرتبہ پیش آیا ہے۔

۳۷۔ علم کا اُٹھ جانا اور جہل کا ظاہر ہونا قیامت کی علامت ہے:۔

علم معنی آگاہ ہو جانا۔ جاننا عقل۔ + جَہلُ معنی نادانی۔ ناجاننا۔

علم کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) علم الیقین، (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین۔

(۱) عِلمُ الیَقِین:۔ جاننا کسی چیز کا کمال یقین کے ساتھ مع اس کی کیفیت اور ماہیت کے اس طور پر کہ اصلاً شک وشبہ کی بو، تک اس میں نہ ہو، باوجودیکہ اس چیز کو دیکھا نہ ہو اور یہ پہلی قسم ہے جیسے کہ آدمی جانتا ہے کہ زہر کھا لینا مار ڈالتا ہے۔

(۲) عَینُ الیَقِین:۔ کسی چیز کے دیکھنے کے بعد اُس کی کیفیت اور ماہیت کو بخوبی دریافت کر لینا نہایت یقین کے ساتھ۔ جیسے کہ کسی کے روبرو کسی نے زہر کھایا اور مر گیا۔

(۳) حق الیقین:۔ اس یقین کا درجہ سب سے زیادہ ہے یعنی وہ شخص اس چیز میں داخل ہو گیا یا وہ چیز خود بن گیا یا اس میں محو ہو گیا جیسے خود زہر کھا لیا اور مرنے لگا۔

واضح ہو کہ علم کی تعریف میں اور بہت سے کاموں یا فنون کو جاننا بھی علم ہے۔ مختصراً جیسے علم نظر، علم کلام، علم لدُنّی۔ علم الصّیدلہ، وغیرہ۔

علم نظر۔ علم مناظرہ۔ جس میں بحث کرنے کے آداب مذکور ہوتے ہیں۔ اور بھی علم عقلی۔ جیسے منطق، حکمت، علم الصّیدلہ۔ کمپونڈری، دوائیوں کو بنانے اور تیار کرنے اور بُوٹے وغیرہ کا فن۔

علم کلام۔ کنایہ اس علم سے جس میں مقدمات نقلی کو عقلی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اس علم والوں کو متکلمین بھی کہتے ہیں۔

علم لَدُنّی۔ وہ علم جو حق تعالیٰ کسی کو محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے بغیر اس کے کہ وہ شخص کسی استاد سے پڑھے۔ لَدُن بمعنیٰ نزدیک ہے۔

اسی طرح جہل کی تعریف میں بہت سی چیزیں آئی ہیں۔ جیسے جُہلِ مرکب، جُہلِ بَسِیط وغیرہ

جہلِ مرکب۔ اعتقاد کر لینا کسی چیز کی حقیقت کا برخلاف اس کی حقیقت کے جیسے کوئی رانگے کو چاندی جان لے۔

جُہلِ بَسِیط۔ نہ جاننا کسی چیز کی حقیقت کا۔

ہم عنوان ہذا میں قیامت کی علامت پر کچھ تحریر کرنا چاہتے ہیں لیکن اس سے قبل یہ مناسب اور ضروری معلوم ہوا کہ علم کا اٹھ جانا اور جُہل کا ظاہر ہونا قیامت کی علامت ہے اس عنوان میں چونکہ علم اور جُہل دو ایسے لفظ ہیں جن پر بحث ضروری اور لازمی معلوم ہوئی اس لئے ان دو الفاظ کی تشریح کر دینا آپ کی واقفیت کے لئے عین ضروری تھا۔ لہٰذا اب ہم قیامت کی علامات میں سے علم اور جہل کی علامت پر تحریر کر رہے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے:۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے (قتادہ) سے کہا (آج) میں تم سے ایک حدیث ایسی بیان کروں گا کہ میرے بعد کوئی تم سے نہ بیان کرے گا۔ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے اور جُہل غالب ہو جائے اور زنا علانیہ ہونے لگے۔ اور عورتوں کی کثرت ہو جائے اور مردوں کی قلت یہاں تک پہونچے کہ پچاس عورتوں کا تعلق صرف ایک سے ہو۔ (صحیح بخاری اردو ج ۱)

۴۷۔ عُمریٰ اور رُقبیٰ میں فرق :۔

عُمریٰ اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو رہنے کے لئے مکان دیا جائے اور اُس سے کہا جائے کہ عمر بھر کے لیے میں نے تجھے دیا۔

رُقبیٰ اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو رہنے کے لئے مکان دیا جائے اور اُس سے یہ کہے کہ اگر میں تجھ سے پہلے مر جاؤں تو یہ مکان تیرا ہی ہو جائیگا اور اگر تو مجھ سے پہلے مر جائے تو پھر یہ مکان میرا ہی رہے گا۔

عمرٰیٰ اور رقبیٰ کے بارے میں کہا گیا ہے:۔ اَعْمَرْتُهُ الدَّارَ یعنی میں نے عمر بھر کے لئے یہ گھر اُسے دیا۔ اِسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا (کے معنی) تمہیں وہاں عمار کیا۔ (یعنی عمر بھر کے لئے آباد کیا۔

ایک حدیث ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمریٰ کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ وہ اسی کا ہے جس کو ہبہ کیا گیا ہو۔

ایک دوسری حدیث ہے:۔ حضرت ابوہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا عمریٰ جائز ہے اور عطاؒ کہتے ہیں مجھ سے حضرت جابرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مطابق روایت بیان کی ہے۔

اسی حدیث کی روشنی میں مروانؒ نے ایک دعویٰ کا فیصلہ فرمایا ہے اور وہ اسطرح ہے کہ:۔ عبداللہؓ بن عبیداللہؓ بن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت صہیبؓ (جو ابن جُدعان کے مولیٰ تھے) کے بیٹوں نے دو مکانوں اور ایک حجرے کی نسبت یہ دعویٰ کیا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حضرت صہیبؓ کو دیا ہے۔ تو مروانؒ نے کہا کہ کون شخص اِس بات میں تمہاری گواہی دے گا؟ اُنہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمرؓ۔ تو اُنہوں نے حضرت ابن عمرؓ کو بلوایا۔ انہوں نے گواہی دے دی کہ بے شک رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں مکان اور حجرہ صہیبؓ کو دیا تھا۔ پس مروانؒ نے اُن کی شہادت پر صہیبؓ کے بیٹوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔" (صحیح بخاری اُردو ج ۱)

۳۷۵۔ عملؔ اور عبادتیں :۔

عملؔ معنی کام۔ + عبادتیں جمع ہیں عبادت کی بمعنی بندگی، پرستش کرنا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تعلیم الدین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ وضو اچھی طرح کرو گو کسی نفس کو ناگوار ہو۔ ہر وقت وضو سے رہنے کی کوشش کرو۔ تازہ وضو بہتر ہے اگرچہ پہلے سے وضو ہو۔ مذی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے پیشاب گاہ دھو کر وضو کرنا چاہیئے۔ وہم وشک سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک یقیناً کوئی امر وضو توڑنے والا واقع نہ ہو۔ پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت مت کرو۔ داہنے ہاتھ سے استنجاء

مت کرو۔ پیشاب کی احتیاط نہ کرنے سے عذابِ قبر ہوتا ہے۔ سڑک یا سائے میں پاخانہ مت کرو۔ پاخانہ جاتے وقت اگر انگوٹھی جس میں اللہ و رسولؐ کا نام لکھا ہو باہر اُتار دو۔ میدان میں ایسی جگہ پاخانہ کے لئے بیٹھو جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اور دامن اُس وقت اُٹھاؤ جب زمین سے قریب ہو جاؤ۔ پیشاب ایسی جگہ کرو جہاں سے چھینٹ نہ اُڑے اور کسی سوراخ میں پیشاب مت کرو، شاید اس میں سے کوئی موذی جانور نکل کر تم کو ایذا پہنچا دے۔ غسل خانہ میں پیشاب مت کرو۔ پاخانہ پھرتے وقت باتیں مت کرو۔ ڈھیلوں کے بعد پانی سے بھی استنجا کرو۔ پیشاب کھڑے ہو کر مت کرو۔ حتی الامکان ہر نماز کے وقت مسواک کرو۔ جب سو کر اٹھو تو جب تک ہاتھ نہ دھو ڈالو اس وقت تک پانی میں نہ ڈالو۔ وضو میں ایڑی پر پانی پہنچانے کے لئے زیادہ اہتمام کرو۔ وضو میں ہاتھ پیروں کی انگلیوں میں خلال کرو اور داڑھی میں بھی خلال کرو۔ وضو میں پانی مت ضائع کرو۔ اگر انگوٹھی پہنے ہوئے ہو اس کو گھما کر ہلا لیا کرو تاکہ وہ اور اس کی جگہ بھی دُھل جائے۔ غسل اس طرح کرو کہ پہلے دونوں ہاتھ پاک کر لو پھر جو نجاست بدن پر لگی ہو اس کو دُور کرو، پھر وضو کرو، پھر تین بار سر دھوؤ، پھر تمام بدن پر پانی ڈالو۔ غسل کے بعد پھر وضو کرنے کی ضرورت نہیں، حالتِ جنابت میں اگر سونا یا کھانا کھانا ہے یا بی بی کے پاس دوبارہ جانا چاہے بہتر ہے کہ استنجا اور وضو کرے لیکن اگر وضو نہ کیا تب بھی کوئی گناہ نہیں۔ جو پانی بہتا نہ ہو گو کتنا ہی زیادہ ہو بلا ضرورت شدید اس میں پیشاب نہ کرے۔ جو پانی دھوپ سے گرم ہو گیا ہو اس کے استعمال سے اندیشہ برص کی بیماری کا ہے۔ (یعنی منہ وغیرہ پر سفید داغ پڑ جانا) جمعہ کے روز غسل کرنا سُنّت ہے اور مُردے کو نہلا کر غسل کر لینا بہتر ہے۔

نماز کو پابندی کے ساتھ خضوع و خشوع کے ساتھ ادا کرو۔ اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ کا صبح ہی سے اہتمام کرو۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام دن درود شریف کثرت سے پڑھتے رہو۔ مسجد میں جاکر نماز جماعت کے ساتھ ادا کیا کرو۔

جب آدمی مرنے لگے اس کے پاس بیٹھ کر باواز بلند کلمۂ توحید پڑھتے رہو۔ کفن نہ بالکل کم قیمت نہ بہت بیش قیمت متوسط درجے کا دو۔ اگر پرانی مصیبت پر صدمہ یاد آجائے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھو، جیسا ثواب پہلے ملا تھا ویسے ہی اب ملے گا۔ رنج کی کیسی ہی خفیف بات ہو اس پر انا للہ پڑھو ثواب ملے گا۔ قبرستان میں جایا کرو اس سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔ خصوصاً والدین کی قبر پر جمعہ کو جانا بہتر ہے۔

زکوٰۃ پیشگی بھی دینا درست ہے۔ پہننے کے زیور اور گوٹے پٹھے میں بھی زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ حتی الامکان ایسے لوگوں کو دو جو مانگتے نہیں آبرو لیئے گھر میں بیٹھے ہیں۔ عزیز قریب کو صدقہ دینے سے دو ثواب ہیں ایک صدقہ دوسرا صلۂ رحم۔

روزہ میں فحش بات مت کرو۔ چاند دیکھ کر ہرگز اٹکل مت کرو کہ یہ فلاں دن کا ہے اس کے حساب سے آج فلاں تاریخ ہے۔ جب لوگوں نے دیکھا ہو جب ہی سے شروع ہوگا۔ عورت نفلی روزہ بدون اجازت شوہر نہ رکھے جبکہ وہ گھر میں موجود ہو۔ جب رمضان کے دس دن رہ جائیں عبادت میں کسی قدر زیادہ کوشش کرو۔

قرآن شریف کی تلاوت روزانہ کیا کرو۔ اس سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں اور قرآن شریف کی تلاوت کو اللہ جل شانہٗ سب سے زیادہ پسند فرماتے ہیں۔ جہاں یا جس گھر میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے وہاں سے شیاطین بھاگ جاتے ہیں اور رحمت کے فرشتے، داخل ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف اچھی طرح نہ چلے تو گھبرا کر چھوڑ دو مت، پڑھے جاؤ ایسے شخص کو دوہرا ثواب ملے گا۔

دعا میں ان امور کا لحاظ رکھو خوب شوق و رغبت سے مانگو۔ گناہ کی چیز مت مانگو، اگر قبولیت میں دیر ہو تنگ ہو کر چھوڑ دو مت، قبولیت کا یقین رکھو۔ جب کہیں بیٹھو، لیٹو دنیا کی باتیں کرو اس میں کچھ اللہ و رسول صلعم کا ذکر کرو۔ درود شریف تھوڑا ہی سہی ضرور کیا کرو مجلس خالی نہ رہنی چاہیئے ورنہ وہ مجلس وبال ہے اگر کوئی بات گناہ کی ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیا کرو۔

جس کو حج کرنا ہو جلدی چل دینا چاہیئے خدا جانے کیا مواقع پیش آجائیں۔ کافی خرچ

لے کر جانا چاہیئے۔ حج کر کے اگر استطاعت ہو مدینہ طیبہ جاکر روضۂ منورہ کی زیارت سے بھی مشرف ہو۔ حاجی جب تک اپنے گھر نہ آئے اس کی دعا مقبول ہوتی ہے اگر اس سے ملاقات ہو اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو اپنے لئے دعا و استغفار کراؤ۔

غیر اللہ کی قسم مت کھاؤ جیسے باپ کی بیٹے کی یا کسی اور مخلوق کی۔ اور جس شخص کو ایسی عادت پڑ گئی ہو اور منہ سے نکل جاتا ہو تو فوراً کلمہ پڑھے۔ اس طرح قسم مت کھاؤ کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو بے ایمان .... ہو جاؤں اگرچہ سچے ہی ہو۔

۲۷۶۔ عمل اور زمین کی شہادت :۔ شہادت معنی سرٹیفکٹ۔ گواہی دینا۔

واضح ہو کہ انسان اِس عالمِ فانی میں رہتے ہوئے اس کی خاکی زمین پر سب ہی کچھ کرتا رہتا ہے۔ جو لوگ نیک ہیں اللہ اور اُس کے رسول صلعم کے بتلائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں وہ نیک عمل کرتے ہیں اور جو شیطان کی جماعت کے ہیں یعنی بَد ہیں وہ اس زمین پر بَدیاں کرتے ہیں، بُرے اعمال کرتے ہیں اور نہیں جانتے ہیں کہ ان کے یہ بد اعمال قیامت میں ان کے سامنے صاف صاف طور پر آجائیں گے اور یہ زمین جس پر وہ بد اعمال کیا کرتے تھے ان کے خلاف صاف صاف ہی شہادت دے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۙ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ ..... تا ..... وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

(عمّ پارہ ۳۰ سورہ الزلزال ع ۱)

ترجمہ :۔ جب زمین اپنی سخت جنبش سے ہلائی جاوے گی۔ اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال پھینکے گی اور اس حالت کو دیکھ کر، کافر آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔ اس روز (زمین) اپنی سب (اچھی بری) خبریں بیان کرنے لگے گی۔ اس سبب سے کہ آپؐ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس روز لوگ مختلف جماعتیں ہو کر (موقفِ حساب سے)، واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال (کے ثمرات)، کو دیکھ لیں۔ سو جو شخص (دنیا میں) ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ (وہاں) اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

اِن آیات کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔ "ترمذیؒ وغیرہ میں اس کی تفسیر میں حدیثِ مرفوع آئی ہے کہ جس شخص نے روئے زمین پر جیسا عمل کیا ہو گا بھلا یا بُرا زمین سب کہہ دے گی بطور شہادت عند اللہ کے۔"

۳۷۷۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام اور شیطانی وسوسہ :۔

عِصمت معنیٰ گناہ سے اپنے کو باز رکھنا۔ اس طرح کہ تمام عمر میں کبھی کوئی گناہِ کبیرہ نہ کیا ہو۔ + وَسْوَسَہ معنیٰ اندیشہ بُری بات جو دل میں آوے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مبارک میں ارشاد فرمایا ہے :۔ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ط ۔۔۔۔ تا ۔۔۔۔ وَاِخْوَانُھُمْ یَمُدُّوْنَھُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف ع ۲۴)

ترجمہ :۔ اور اگر آپ کو کوئی وَسْوَسَہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔ بلاشبہ وہ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے۔ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں، جب اُن کو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے۔ تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں، سو یکایک اُن کی آنکھیں کُھل جاتی ہیں۔ اور جو (شیاطین کے تابع) ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں، پس ان آیات کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے :۔ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ. کا مضمون مسئلہ عِصمتِ انبیاء علیہم السلام کے مُنافی نہیں کیونکہ عِصمت کا حاصل یہ ہے کہ شیطان گناہ نہیں کرا سکتا یہ نہیں کہ گناہ کی رائے نہیں دے سکتا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ نبوت کی غایتِ اصلی اصلاح ہے۔" (یعنی نبوت کا مطلب لوگوں کو صحیح راستہ دکھا کر اُن کو درست کرنا ہے) (حضرت تھانویؒ)

۳۷۸۔ عیسائیت اور تثلیث کا اعتقاد :۔

یعنی عیسائیوں میں تثلیث پرستی + تثلیث معنیٰ تین حصّوں میں تقسیم کرنا۔

"مسیحؑ نے اپنے لئے بارہ شاگرد چُن لیے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کے دروازہ اسباط

کے سامنے مسیحؑ کی تعلیم کے گواہ ٹھہریں۔ لیکن پولوس یہودی جو بارہ شاگردوں میں نہ تھا۔ بلکہ مسیحؑ کی موجودگی میں خود مسیحؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو ستانے والا تھا۔ اب عیسائیت میں داخل ہوگیا تھا۔ اس کی علمی قابلیت (ان بارہ شاگردوں سے) بڑھی ہوئی تھی۔ اسلئے وہ تحریر و تقریر میں خاص شاگردانِ مسیحؑ کو دبالیتا تھا اور اُس تعلیم کے مقابلہ میں جس کی بابت مسیحؑ نے اُن کو اپنا گواہ، ٹھہرایا تھا۔ ایک نئی تعلیم پیش کرتا رہتا تھا۔ +

پولوس ہی تھا جس نے اپنے خواب کو شریعت سے بالاتر درجہ دیا اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو نئی نسل کے لئے حلال ٹھہرادیا۔

پولوس نے اپنی زندگی میں یہ ایسی نظیر قائم کردی تھی جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے شمعِ راہ بن گئی۔ کونسلوں پر کونسلیں قائم ہوتی تھیں، نئے نئے اعتقاد بنائے جاتے اور منظور کیے جاتے تھے۔ اور پھر جو کوئی اس اعتقادِ محدثہ سے اختلاف رائے کا اظہار کرتا تھا۔ اسے تلوار اور موت کے گھاٹ اُتارا جاتا تھا۔

کونسلوں کے نزدیک زیادہ ضروری فیصلہ طلب مسئلہ مسیحؑ کی الوہیت و ابنیت کا تھا۔ کسی نے مسیحؑ کو زندگی دنیوی تک بشر اور صلیب کے بعد ابنیت پر فائز بتلایا۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو قدیم عقیدے پر قائم رہ گئے تھے۔ اور مسیحؑ کو بشر اور نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہ کرتے تھے۔

تثلیث کا اعتقاد بھی کونسلوں نے نکالا۔ اس اعتقاد کو افلاطون کی تثلیث (خدا۔ عقل۔ نفس کلی) سے لیا گیا تھا۔ افلاطون کے مسائل یونان میں عام تھے۔ اس لئے یونان میں اس تثلیث پر کوئی اعتراض نہ کیا گیا۔ اور یہ عقیدہ جلد پھیل گیا۔

تثلیث کے اقانیم کی بابت بھی اختلافات ہوئے، کسی نے تثلیث کے ارکان خدا مریمؑ۔ اور مسیحؑ کو بتایا۔ کسی نے خدا۔ جون یعنی یوحنا اور مسیحؑ کو بتایا۔ کسی نے خدا اور مسیحؑ کو اقانیم ثلثہ ظاہر کیا۔

پھر روح القدس کے متعلق اختلافات شدید ظاہر ہوتے (۱) کسی نے بتلایا کہ مسیحؑ کی پیدائش خط اور روح القدس سے ہوئی (۲) کسی نے بتایا کہ روح القدس کی پیدائش

خدا اور مسیحؑ سے ہوئی۔ یہ اختلافات وہ تھے جو شجرِ عیسائیت کی جڑ میں جراثیم بن کر اُسے بیخ و بُن سے کھوکھلا کر رہے تھے۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۲)

۳۷۹۔ علمِ غیبؔ :- علم معنی آگاہ ہوجانا۔ جاننا۔ + غیبؔ معنی پوشیدگی۔

علمِ غیب یعنی پوشیدہ باتوں کا جاننا سوائے اللہ قادرِ مطلق کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام میں سے بھی کسی کو غیب کا علم حاصل نہیں تھا۔

"عہدِ مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں :- وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا کسی شخص کو بھی یہ پتہ نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کرے گا۔

علمِ غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے۔ کہ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ رب العٰلمین ہی اپنے برگزیدہ انبیاء و رسُل پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے۔ جس کی ان کو ضرورت ہوئی یا جس کی ضرورت اُن کی صداقت و رسالت کا یقین دلانے کے لیے پائی گئی۔ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر جس رسول سے وہ خوش ہو)

صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہؓ سے صحیحین میں مروی ہے کہ نزولِ وحی سے پیشتر حضورؐ پر رویائے صادقہ (سچے خواب) کا باب کھولا گیا تھا۔ حضورؐ پرنور جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے، بیداری میں وہ واقعہ اسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔

حضرت عیسیٰؑ کا بیان میدانِ محشر میں جملہ خلائق کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ ہوگا تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ) جو میرے دل میں ہے اُسے تو جانتا ہے اور جو تیری ذات کے اندر ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (زخرف) قیامت کا علم تو اسی کے پاس ہے۔

اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ھود) یہ کلام تو اللہ کے علم کے ساتھ اُتارا گیا ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ (انعام) علم غیب اُسی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسم "علیم" ہے۔ (رحمۃ اللعالمین ص۲۵۲ ج ۳)

۳۸۰۔ **عَقل وفہم**:۔ عقل معنی دانائی اور حکماء کی اصطلاح میں بمعنی فرشتہ۔+ عقلِ اول معنی پہلا فرشتہ من جملہ دس فرشتوں کے جو حکماء کے نزدیک معین ہیں اور اس کو جوہرِ اوّل بھی کہتے ہیں۔ اور کنایہ ہے حضرت جبریلؑ اور نورِ رسولِ مقبول صلعم اور عرشِ اعظم سے بھی + فہم معنی عقل، دانائی۔ سمجھ۔+

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ:۔ اَلعَقلُ اَصلُ دِینِی۔ میرے دین کی جڑ عقل ہے۔

عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ وہ عقیدۂ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد فہمِ انسانی سے بالاتر ہے۔

وہ شاگرد کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوتے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو حلق سے نیچے نگل جاؤ۔ خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔

مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا۔ عقل اور عاقلین کی فضیلت آیاتِ قرآنیہ سے بخوبی ہویدا ہے۔

(۱) کَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (روم ع ۴) ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول عقل والوں کے لئے بیان کیا کرتے ہیں۔

(۲) وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰیَةًۢ بَیِّنَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (عنکبوت ع ۴)
ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں عقل والوں کے لئے۔

قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت (یعنی برائی) فرمائی گئی ہے۔

(۳) وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (یونس) رِجس (یعنی عذاب، گناہ) انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔

ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرتِ انسانی بتلایا گیا ہے۔ عقل ہی برہان (یعنی دلیل) کی برتری کو تسلیم کرتی ہے۔ اور اسی لئے مخالفین کو فرمایا گیا ہے۔

(۴) قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (بقرہ) کہہ دیجئے کہ تم اپنی برہان پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔

عقل جبر و اکراہ (زبردستی) کے مخالف ہے اور اسی لئے کتاب حمید میں ہے۔

(۵) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ۔ (بقرہ ع ۳۴) دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں۔

مسلمان نوجوانوں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل اپنا فہم سمجھا کرتے ہیں یہ نادانستگی کی پہلی دلیل ہے۔

جو لوگ قانون سلطنت کے فہم (سمجھ) سے بھی عاری ہیں۔ جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی ایجادات کے قفل اُتارنے سے عاجز ہیں ان کا کیا حق ہے، اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

(رحمتہ اللعالمین ج ۳)

۳۸۱۔ عمدہ سواری :-

عمدہ معنی نفیس، + سَوَارُ معنی گھوڑے کا سوار مجازاً دوسری سواریوں کا چڑھنے والا بھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :- گھوڑوں پر سواری کرو اس لئے کہ وہ تمہارے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کی میراث ہیں + دوسری حدیث ہے فرمایا :- میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کھیل گھوڑے سواری اور تیر اندازی ہیں۔ (لوگو!) تیر اندازی اور گھوڑے سواری کیا کرو۔ اور تمہارا تیر اندازی کرنا مجھے گھوڑے سواری سے بھی زیادہ پسند ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین کھیل گھوڑے سواری اور تیر اندازی کا ہے

حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنھوں نے گھوڑے پر سواری کی۔ اس وقت تک گھوڑے وحشی جانوروں میں سے تھے۔

ایک روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اپنی تمام مخلوقات پیش کیں تو اُن سے ارشاد فرمایا کہ میری مخلوقات میں سے جو چیز بھی تو چاہے اُسے پسند کر لے۔ آدم علیہ السلام نے گھوڑے کو پسند کر لیا۔ اس پر اُن سے فرمایا گیا تو نے وہ چیز پسند کر لی جو تیرے لیئے اور تیری اولاد کے لئے عزت ہے۔ جب تک وہ موجود رہیں گے یہ بھی موجود رہے گی۔ اور جب تک وہ باقی رہیں گے یہ بھی باقی رہے گی۔

یہ بات واضح ہے کہ گھوڑے آدم علیہ السلام سے پہلے پیدا کیے گئے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چوپائے جمعرات کے دن پیدا کیے گئے ہیں اور آدم علیہ السلام جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز یہ کہ نر چیزیں مادہ سے پہلے پیدا کی گئیں جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ نر اشرف ہوتا ہے مادہ سے اور دوسرے یہ کہ نر کی حرارت مادہ کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق حضرت حوا علیہا السلام سے پہلے ہوئی۔ یہ قابلِ غور ہے۔

ایک روایت ہے کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی جس میں گھوڑا یہ دعا نہیں مانگتا کہ:۔

"خدایا! تو نے مجھے ابنِ آدم کے لئے مسخر کیا ہے (یعنی مجھے اس کا غلام بنایا ہے) اور میرا رزق اس کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ اے اللہ! پس تو مجھے اس کے لئے اس کے گھر والوں اور اولاد سے زیادہ محبوب بنا دے۔

کسی دانشمند سے سوال کیا گیا کہ کون سا مال سب سے زیادہ باعزت اور اشرف ہے۔ اس نے کہا کہ گھوڑا۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ گھوڑے کی پیٹھ پناہ ہے اور اس کا پیٹ خزانہ۔

حدیث میں ہے کہ سکندر ذوالقرنین نے جب ظلمات کے (اندھیرے) راستہ سے آبِ حیات کی تلاش میں جانے کا ارادہ کیا تو اس نے پوچھا کون سا چوپایہ رات میں سب سے زیادہ دیکھ سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا گھوڑا۔ پھر اس نے پوچھا کون سا گھوڑا۔ لوگوں نے کہا مادہ۔ پھر اس نے پوچھا کہ کون سی مادہ سب سے زیادہ دیکھ سکتی ہے۔ لوگوں نے کہا جواب تک بیاہی نہ ہو۔ اس پر ذوالقرنین نے اپنے لشکر میں سے اسی قسم کے چھ ہزار گھوڑے جمع کیے۔" (سیرت حلبیہ اردو)

۳۸۲۔ عنقاءِ مغرب:۔ عنقاء معنیٰ جو چیز دستیاب نہیں ہوتی اُس کو محاورۃً عنقاء کہتے ہیں۔ یہ ایک طائر عظیم الجثہ کا نام ہے۔ اور مغرب اس کی صفت ہے کیونکہ یہ مغرب کی سمت چلا جاتا تھا اور وہاں چھپ جاتا تھا۔

یہ پرندہ قوم رَس کے بچوں پر جھپٹتا تھا اور جب اس کو شکار نہیں ملتا تھا تو ان بچوں کو اُچک کر لے جاتا تھا۔ اگر کوئی اس پرندہ کو مارنے کے لئے جھپٹتا تھا تو وہ اس بچہ سمیت

مغرب کی سمت چلا جاتا تھا اور غائب ہو جاتا تھا۔ اس پرندے کی گردن (عنق) کے لمبا ہونے اور اس کے مغرب کی طرف بھاگ جانے کی وجہ سے اس کو عنقاء مغرب کہا جانے لگا۔ اصل میں یہ پورا لفظ عنقاء مغرب ہے۔ اور اس کی اصل یہی پرندہ ہے جس کی گردن بہت لمبی تھی۔ گردن کو عربی میں عُنُق کہتے ہیں اس لئے اس عجیب وغریب پرندہ کا نام عنقاء یعنی گردن والا پڑ گیا۔ اور چونکہ مغرب کی سمت جاکر یہ غائب ہوتا تھا اس لئے عنقاء مغرب کہلایا مگر چونکہ کوئی اسے نہ کبھی پکڑ سکا اور نہ مار سکا بلکہ یہ ہمیشہ غائب ہو گیا اس لئے عرب میں عنقاء مغرب ایک فرضی پرندہ کا نام ہو گیا اور ہر اُس چیز کے لئے استعمال ہونے لگا جو دستیاب نہ ہو۔ اسی واقعہ کی نسبت سے یہ لفظ عربی میں مصیبت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ عجیب الخلقت طائر یعنی ڈیل ڈول والا بہت بڑا، لمبی گردن، چار پاؤں و منہ مثل آدمی کے، پر بہت بڑے بڑے، طرح بہ طرح رنگ کے، زمین اصحاب الرّس میں پیدا ہوا تھا۔ اس مصیبت پر ان لوگوں نے حضرت خنظلہ بن صفوانؑ اور لوطؑ علیہ السلام سے فریاد کی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے اس پرندے کی ہلاکت کے لئے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر آسمانی بجلی گرا کر اُسے ہلاک کر دیا اور اس کی نسل بھی نہیں چلی۔ (سیرت حلبیہ ص۲۶۴)

۳۸۴۔ عقبہ اُولیٰ کی بیعت :-

عقبہ شہر مکہ سے چند میل پرے مقام الحرا اور منٰی کے درمیان واقع ہے + بیعت معنی فرمانبرداری کرنا۔ + اُولیٰ معنی یہاں پر پہلی بیعت سے مراد ہے ویسے اُولیٰ کے معنی پہلی چیز کے ہیں۔

"سلہ نبوت کے موسمِ حج کا ذکر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی تاریکی میں، شہرِ مکہ سے چند میل پرے مقام عقبہ پر لوگوں کو باتیں کرتے سُنا۔ اس آواز پر خدا کا نبی صلعم ان لوگوں کے پاس پہنچا۔ یہ چھ آدمی تھے۔ اور یثرب (مدینہ منورہ) سے آئے تھے۔ اُن کے سامنے نبی صلعم نے خدا کی عظمت و جلال کا بیان شروع کیا۔ ان کی محبت کو خدا کے ساتھ گرمایا۔ بتوں سے اُن کو نفرت دلائی۔ نیکی و پاکیزگی کی تعلیم دے کر گناہوں اور برائیوں سے منع فرمایا۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما کر ان کے دلوں کو روشن فرمایا۔ یہ لوگ اگرچہ بُت پرست

تھے لیکن اُنہوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بارہا یہ ذکر کرتے سُنا تھا کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔ اس تعلیم سے وہ اُسی وقت ایمان لے آئے اور جب وہ اپنے وطن کو لوٹ کر گئے تو دین حق کے سچے منادبن گئے۔

ان لوگوں کے بشارت لے جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یثرب کے گھر گھر میں آنحضرت صلعم کا ذکر ہونے لگا اور اگلے سال ۱۲ سنہ نبوت میں یثرب کے بارہ باشندے مکہ میں حاضر ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے دولت ایمان حاصل کی۔ ان لوگوں نے جن باتوں پر نبی صلعم سے بیعت کی تھی وہ یہ ہیں:۔

(۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کیا کریں گے۔ اور کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے۔

(۲) ہم چوری اور زنا کاری نہیں کریں گے۔

(۳) ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کریں گے۔

(۴) ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے۔ اور نہ کسی کی چغلی کیا کریں گے۔

(۵) ہم نبیؐ کی اطاعت ہر اچھی بات میں کیا کریں گے۔

جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو آنحضرت صلعم نے ان کی تعلیم کے لئے مُصعب بن عمیر کو ساتھ کر دیا۔ مصعب بن عمیرؓ امیر گھرانے کے لاڈلے بیٹے تھے۔ جب گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو آگے پیچھے غلام چلا کرتے تھے۔ بدن پر دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک کبھی نہ پہنتے۔ مگر جب ان کو اسلام کے طفیل روحانی عیش حاصل ہوا تب اُن جسمانی آرائشوں اور نمائشوں کو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا۔ جن دنوں یہ مدینہ میں دین کی منادی کرتے اور اسلام کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اُن دنوں اُن کے کندھے پر صرف کمبل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا تھا۔ جیسے اگلی طرف سے کیکر کے کانٹوں سے اٹکا لیا کرتے تھے

۳۸۴۔ عقبہ ثانیہ کی بیعت:۔

مصعبؓ مدینہ میں اسعد بن زرارہؓ کے گھر جاکر اترتے تھے۔ اور اُن کو مدینہ والے "المقری" (پڑھانے والا استاد) کہا کرتے تھے۔ ایک دن مصعبؓ و اسعدؓ اور چند مسلمان بیر مرق پر جمع ہوئے یہ غور کرنے کے لئے کہ بنی عبد الاشہل اور بنی ظفر میں کیونکر اسلام کی منادی کی جائے

سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر ان قبائل کے سردار تھے۔ اور ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اُنھیں بھی خبر ہوئی۔ سعد بن معاذ نے اُسید بن خضیر سے کہا۔

تم کس غفلت میں پڑے ہو۔ دیکھو یہ دونوں ہمارے گھروں میں آکر بیوقوفوں کو بہکانے لگے۔ تم جاؤ انھیں جھڑک دو۔ اور کہدو کہ ہمارے محلوں میں پھر کبھی نہ آئیں۔ میں خود ایسا کرتا مگر اس لئے خاموش ہوں کہ اسعدؓ میری خالہ کا بیٹا ہے۔

اُسید بن خضیر اپنا ہتھیار لے کر روانہ ہوا۔ اسعدؓ نے مصعبؓ سے کہا۔ دیکھو یہ قبیلہ کا سردار آرہا ہے خدا کرے کہ وہ تیری بات مان جائے۔ مصعبؓ نے کہا۔ اگر وہ آکر بیٹھ گیا تو میں اس سے ضرور کلام کروں گا۔ اتنے میں اُسید آپہنچا اور کھڑا کھڑا گالیاں دینے لگا۔ اور یہ بھی کہا کہ تم ہمارے احمق نادان لوگوں کو پھسلانے آئے ہو۔

مصعبؓ نے کہا۔ کاش آپ بیٹھ کر کچھ سن لیں۔ اگر پسند آئے قبول فرمائیں۔ ناپسند ہو تو اُسے چھوڑ جائیں۔ اُسید نے سب کچھ چپ چاپ سُنا۔ بالآخر کہا۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ جب کوئی تمہارے دین میں داخل ہونا چاہتا ہے تو تم کیا کرتے ہو۔

انہوں نے کہا۔ نہلا کر پاک کپڑے پہنا کر کلمۂ شہادت پڑھا دیتے اور دو رکعت نفل پڑھوا دیتے ہیں۔ اُسید اٹھا۔ کپڑے دھوئے۔ کلمہ شہادت پڑھا اور نفل ادا کئے۔ پھر کہا۔ میرے پیچھے ایک اور شخص ہے اور تمہارا پیرو ہو گیا تو پھر کوئی تمہارا مخالف نہ رہے گا۔ اور میں ابھی جا کر تمہارے پاس اُسے بھیج دیتا ہوں۔ اُسید یہ کہہ کر چلا گیا۔ ادھر سعد بن معاذ اس کے انتظار میں دور سے چہرہ دیکھتے ہی بولا۔ دیکھو اُسید کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ جب اُسید آبیٹھا تو سعد نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ اُسید بولا۔ میں نے اُنہیں سمجھا دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے منشا کے خلاف نہ کریں گے۔ مگر وہاں تو ایک اور حادثہ پیش آیا۔ بنو حارثہ وہاں آگئے تھے۔ اور وہ اسعد بن زراہ کو اس لئے قتل کرنے پر آمادہ ہیں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔ یہ سن کر سعد بن معاذؓ غصہ میں بھر گیا اور اپنا حربہ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اسے ڈر تھا کہ بنو حارثہ اُس کے بھائی کو نہ مار ڈالیں۔ اُس نے چلتے وقت یہ بھی کہا کہ اُسید! تم تو کچھ بھی کام بنا کر نہ آئے۔ سعد وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ

مصعبؓ و اسعدؓ دونوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ سعد سمجھا کہ اُسید نے مجھے ان کی باتیں سننے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ خیال آتے ہی گالیاں دینے لگا اور اسعد کو یہ بھی کہا کہ اگر میرے تمہارے درمیان قرابت نہ ہوتی تو تمہاری کیا مجال تھی کہ ہمارے محلے میں چلے آتے۔ اسعدؓ نے مصعبؓ سے کہا۔ دیکھو یہ بڑے سردار ہیں۔ اور اگر ان کو سمجھا دو تو پھر کوئی دو آدمی بھی تمہارے مخالف نہ رہ جائیں گے۔ مصعبؓ نے سعدؓ سے کہا۔ آئیے بیٹھ جائیے کوئی بات کریں۔ ہماری بات پسند آئے قبول فرمایئے ورنہ انکار کیجئے۔ سعد حربہ رکھ کر بیٹھ گیا۔ مصعبؓ نے اس کے سامنے اسلام کی حقیقت بیان کی اور قرآن مجید بھی سُنایا۔ آخر سعد نے بھی وہی سوال کیا جو اُسید نے کیا تھا۔ الغرض سعد اٹھا۔ نہایا۔ کپڑے دھوئے کلمہ پڑھا۔ نفل ادا کیئے اور ہتھیار لے کر اپنی مجلس میں واپس آیا۔ آتے ہی اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پکار کر کہا:-

اے بنی عبد الاشہل! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟

سب نے کہا۔ تم ہمارے سردار ہو۔ تمہاری رائے تمہاری تلاش بہتر اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ سعد بولا۔ سنو! خواہ کوئی مرد ہے یا عورت۔ میں اس سے بات کرنا حرام سمجھتا ہوں جب تک کہ وہ خدا اور رسولؐ پر ایمان نہ لائے۔

اس کہنے کا یہ اثر ہوا کہ بنی عبد الاشہل میں شام تک کوئی مرد اسلام سے خالی نہ رہا۔ اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو گیا۔ مصعبؓ کی تعلیم سے اسلام کا چرچا اسی طرح انصار کے تمام قبیلوں میں پھیل گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے سال ۱۳ھ نبوت میں ۷۳ مرد ۲ عورتیں یثرب کے قافلے میں مل کر مکہ آئے۔ ان کو یثرب کے اہل ایمان نے اس لئے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منظوری حاصل کریں۔

یہ راست بازوں کا گروہ اُسی متبرک مقام پر جہاں دو سال سے اس شہر یثرب کے مشتاق حاضر ہوا کرتے تھے۔ رات کی تاریکی میں پہونچ گیا۔ اور خدا کا برگزیدہ رسولؐ بھی اپنے چچا عباسؓ کو لیئے ہوئے وہاں جا پہنچا۔

حضرت عباسؓ نے (جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے) اس وقت ایک بات کام کی کہی، انہوں نے کہا۔ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ قریش مکہ۔ محمدؐ کے جانی دشمن ہیں۔ اگر تم ان سے کوئی عہد و اقرار کرنے لگو تو پہلے سمجھ لینا کہ یہ نازک اور مشکل کام ہے۔ محمدؐ سے عہد و پیمان کرنا سُرخ و سیاہ لڑائیوں کو (یعنی سرخ لڑائیوں سے مراد سخت خونریز لڑائی اور سیاہ لڑائی سے تاریک انجام والی لڑائی مراد ہوتی ہے ان کو) دعوت دینا ہے۔ جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ ورنہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ کرو۔

ان راستبازوں نے عباسؓ کو کچھ بھی جواب نہ دیا۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضورؐ کچھ ارشاد فرمائیں۔ رسول اللہ صلعم نے ان کو خدا کا کلام جو خدا کا پیغام انسان کی طرف تھا پڑھ کر سُنایا۔ جس کے سُننے سے وہ ایمان و ایقان کے نور سے بھرپور ہو گئے۔

اب سب لوگوں نے عرض کیا۔ کہ خدا کا نبی ہمارے شہر میں چل بسے۔ تاکہ ہمیں پورا پورا فیض حاصل ہو سکے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۱) کیا تم دینِ حق کی اشاعت میں میری پوری مدد کرو گے؟

(۲) اور جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں۔ کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل و عیال کی مانند کرو گے؟

ایمان والوں نے پوچھا۔ ایسا کرنے کا ہم کو معاوضہ کیا ملے گا؟

نبی صلعم نے فرمایا:۔ بہشت (جو نجات اور خدا کی خوشنودی کا محل ہے)

ایمان والوں نے عرض کیا۔ اے خدا کے رسولؐ پھر تو ہماری تسلی فرما دیجئے کہ حضورؐ ہم کو کبھی چھوڑ تو نہ دیں گے؟

نبی صلعم نے فرمایا:۔ نہیں میرا جینا میرا مرنا تمہارے ساتھ ہو گا۔

اس آخری فقرے کا سُننا تھا کہ عاشقانِ صداقت عجیب سرور و نشاط کے ساتھ جاں نثاری کی بیعتِ اسلام کرنے لگے۔ براء بن معرور وہ پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے اس شب سب سے پہلے بیعت کی تھی؛

(رحمۃ اللعالمین ج ۱)

غ

۳۸۵۔ غذا و مرض و طبیب اور عیادتِ بیمار کے متعلق حضورِ صلعم کی ہدایات :-

غذا معنی خوراک جس سے بدن کی پرورش ہو + مرض معنی بیماری + طبیب معنی علاج کرنے والا۔ عیادت معنی بیمار پُرسی + بیمار معنی علیل، مریض۔ + ہدایات جمع ہے ہدایت کی بمعنی رہنمائی، راہ دکھانا۔ آنحضرت صلعم رات کو بھوکا سونے سے منع فرماتے اور ایسا کرنے کو بڑھاپے کا سبب فرماتے۔ کھانا کھاتے ہی سُو جانے سے منع فرماتے تھے۔ تقلیلِ غذا (یعنی خوراک کم کرنے) کی رغبت دلایا کرتے، فرمایا کرتے کہ معدہ کا ایک تہائی حصّہ کھانے ایک تہائی پانی کے لئے ایک تہائی خود معدہ کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے۔

پھلوں ترکاریوں کا استعمال اُن کی مُصلِح (یعنی درست کرنے والی) چیزوں کے ساتھ فرمایا کرتے۔

مُتعدّی اَمراض (یعنی پھیلنے والی بیماریوں) سے بچا ؤ رکھتے، اور تندرستوں کو اس سے محتاط رہنے (احتیاط کرنے کا حکم دیتے۔ بیمار کو طبیب حاذِق (یعنی دانا حکیم) سے علاج کرانے کا حکم دیتے۔ اور پرہیز کرنے کو فرماتے۔

نادان طبیب کو طبابت (یعنی حکیمی) سے منع کیا کرتے اور اسے مریض کے نقصان کا ذمہ دار ٹھہراتے۔

حرام اشیاء کو بطورِ دوا استعمال کرنے سے منع فرماتے۔ ارشاد فرماتے اللہ نے حرام چیزوں میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔

صحابہؓ میں سے جو کوئی بیمار ہو جاتا اس کی عیادت فرمایا کرتے۔ عیادت کے وقت مریض کے پاس بیٹھ جاتے۔ بیمار کو تسلی دیتے۔ مریض کو پوچھ لیا کرتے کہ کس چیز کو دل چاہتا ہے۔ اگر وہ شے اُس کے مضر نہ ہوتی تو اس کا انتظام کر دیا کرتے۔ ایک یہودی لڑکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اُس کی عیادت کو بھی تشریف

لے گئے۔" (رحمۃ اللعالمین)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے بندگانِ خدا دوا کیا کرو۔ کیونکہ خدا نے مرض کی شفا مقرر کی ہے۔ بجز ایک مرض کے۔ لوگوں نے پوچھا۔ وہ کیا ہے؟ فرمایا کھوسٹ بڑھاپا۔" (زادِ جلد ۱ صفحہ ۲۴۹)

۳۸۶۔ غیر مذبُوح:۔ غیر مذبُوح معنی جو ذبح نہ کیا جائے۔ یعنی ایسے جانور جو ذبح نہ کئے جائیں۔

مچھلی اور ٹڈی بحکم حدیث صحیح مستثنیٰ ہیں۔ مچھلی کا مادہ بیشتر پانی ہے کہ جو بالطبع پاک ہے اور نیز اس لیۓ اس میں خون نہیں کہ جس کے نکالنے کی ضرورت ہو اور ٹڈی بے توالُد و تناسُل (یعنی بغیر بچہ جننے کے) خود بخود پیدا ہوتی ہے اور نہ اس میں خون رواں ہوتا ہے۔ باوجودیکہ ان میں مضرتیں بھی نہیں کہ جو اور جانوروں میں ہیں اسی لیۓ ان کا ذبح کرنا ضرور نہ ہوا۔ مگر جو مچھلی کہ پانی میں خود آ کر اُوپر تیر آئے کہ جس کو طافی کہتے ہیں (یعنی وہ چیز جو ہلکے پن سے پانی پر تیرے) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ ابن عدی نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے۔ از آنجملہ یہ کہ مردار کا صرف کھانا حرام ہے باقی اس کی کھال اور بالوں اور ہڈیوں سے نفع لینا درست ہے۔ اسی طرح مردار کو کتے وغیرہ جانوروں کو کھلانا درست ہے۔ جب کوئی جانور ذبح کیا جائے اور اس کے شکم سے مُردہ بچہ نکلے تو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ میتہ ہے اس کا کھانا درست نہیں۔ ہاں اگر زندہ نکلتا ہے اور ذبح کیا جاتا تو درست ہوتا۔ امام شافعیؒ اور ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ اس کا کھانا درست ہے! اس لئے کہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس کا ذبح کرنا ہے۔" (تفسیر حقانی ر صفحہ ۲ ج ۲)

۳۸۷۔ غارِ ثور:۔ غار معنی پہاڑ کی کھوہ۔ + ثور مکہ معظمہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔

دار الندوہ میں قریش کے سب بڑے بڑے آدمی شریک مشورہ تھے کہ آپؐ کو قتل کر دیا جائے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ مکان سے نکل کر

رات ہی کو ایک غار میں جو جبل ثور میں تھا تنہا چھپ گئے۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ کے پیچھے پیچھے نشان پا مٹانے کو بکریاں چراتے ہوئے لاتے، اور شب کو وہیں رہ جاتے تھے۔ اس غرض سے کہ بقدر حاجت دودھ وغیرہ آپؐ کو دے دیا جائے۔ اور اسماءؓ بنت ابی بکر روزانہ مکہ سے کھانا لاکر کھلا جاتی تھیں۔ باوجود اتنی احتیاط کے قریش بھی ڈھونڈھتے ہوئے غار پر پہنچ گئے۔ چونکہ دہن غار پر مکڑیوں نے پہلے ہی سے جالا لگا رکھا تھا۔ اس وجہ سے مطمئن ہو کر واپس آتے اور سو اونٹوں کے انعام کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکرؓ کی گرفتاری پر اعلان کر دیا۔ جب غارِ ثور میں تین روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و ابوبکر کو گذر گئے اور قریش کا زور شور تجسس کم ہو گیا تب عبداللہ بن اریقط دونوں کے لئے سواری لے آیا۔ اور ایک اونٹنی اپنے لئے بھی لایا۔ اور اسماء بنت ابی بکرؓ زادِ راہ از قسم طعام پکا کر لائیں۔ لیکن عجلت میں رسی لانا بھول گئیں جس سے باندھ کر ناشتہ لٹکا دیا جاتا۔

اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنا نطاق (کمربند) پھاڑ کر ناشتہ کو باندھ کر لٹکا دیا۔ اسی روز سے اسماء بنت ابی بکرؓ ذات النطاقین کے نام سے موسوم ہو گئیں۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد قریش میرے والد کے مکان پر آئے جن میں ابوجہل بھی تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا۔ این ابوکِ (تیرا باپ کہاں ہے) میں نے کہا۔ لَا اَدْرِیْ (میں نہیں جانتی) ابوجہل نے یہ سنتے ہی مجھ کو ایک طمانچہ مارا میں رو کر اندر چلی گئی اور وہ بھی چلا گیا۔ (ابن خلدون ج ۳)

ثوف

۳۸۸۔ فرضیتِ حج یعنی حج کن لوگوں پر فرض ہے اور فرض واجب ہے:— فرض معنی حکم خدا کا واجب کیا ہوا + حَجّ معنی ارادہ کرنا۔ کعبہ کا طواف کرنا موسمِ مقرر۔ + واجب معنی لازم۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حج فرض کیا ہے:۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔
ترجمہ:۔ اور اللہ کے لیئے لوگوں پر کعبہ کا حج ضروری ہے۔ جو شخص وہاں تک جا سکے اور جو انکار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام جہان کے لوگوں سے بے پرواہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (قبیلہ) جُہینہ کی ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اُس نے عرض کیا کہ، میری ماں نے یہ نذر کی تھی کہ وہ حج کرے گی مگر حج نہ کرنے پائی تھی کہ وہ مرگئی۔ لہٰذا کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تو اس کی طرف سے حج کرلے، بتا اگر تیری ماں پر کچھ فرض ہوتا تو کیا تو اُسے ادا کرتی؟ (کہ نہیں)، پس اللہ تعالیٰ کا فرض ادا کر کیونکہ وہ ادا کرنے کا زیادہ مستحق ہے۔"

ایک دوسری روایت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (قبیلہ) خثعم کی ایک عورت حجۃ الوداع کے سال آئی اور اُس نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ اللہ تعالیٰ کا فرض حج کے بارے میں جو اس کے بندوں پر ہے اس نے میرے بوڑھے باپ کو پالیا ہے مگر وہ سواری پر نہیں بیٹھ سکتا۔ تو کیا اُس کے ذمے سے فرض اُتر جائے گا اگر میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔" (صحیح بخاری اردو ج ۱)

۳۸۹:۔ فِطرتِ سَلیم اور طَبعِ مستقیم:۔

فطرت معنی پیدائش، دانائی۔ دینِ اسلام + سَلیم معنی درست۔ + طَبع معنی سرشت آدمی کی، پیدائشی خُو۔ مستقیم معنی راست۔ سیدھا۔ یعنی اگر آدمی کی پیدائش درست اور اُس کی عادات بھی ٹھیک ہوں۔

"اگر فطرت سلیم اور طبع مستقیم ہو تو انسان کی ہدایت اور بصیرت کے لئے ایک مرتبہ فکروذہن کو حقائق کی طرف متوجہ کردینا کافی ہے۔ پھر اس کی انسانیت خود بخود راہِ مستقیم پر گامزن (یعنی انسان کے لیئے اپنے آپ ہی سیدھی سچی راہ ہموار) ہو جاتی اور منزلِ مقصود کا پتہ لگالیتی ہے۔ لیکن اگر خارجی اسباب کی بناء پر فطرت میں کجی اور طبیعت میں زَیغ (یعنی حق کی طرف سے باطل کی جانب پھر جانا) پیدا ہو چکا ہو تو اُس کو ہموار

کرنے کے لیے اگرچہ بار بار خدا کی پکار ان کو بیدار کرتی ہے مگر ہر مرتبہ کے بعد اُن کی صلاحیتیں اور استعدادی قوتیں خُفتہ (یعنی سوئی ہو جاتی ہیں بلکہ اور زیادہ غفلت میں سرشار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ قوت اور استعداد باطل ہو جاتی ہے۔ اور جب اُس درجہ پر پہنچ جاتی ہے جس کا ذکر قرآنِ عزیز نے اس طرح کیا ہے:۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ وَعَلٰی سَمْعِہِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِہِمْ غِشَاوَۃٌ۔ تو پھر اِس پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے اس کے غضب اور اُس کی پھٹکار کا نشانہ بن جاتی ہے۔" (قصص القرآن ج ۲)

۳۹۰۔ فرشتے بھی مومنوں کے لئے استغفار کرتے ہیں:۔

فرشتے جمع ہے فرشتہ کی بمعنی خدا کا قاصد نورانی۔ + مومنوں جمع ہے مُومِنُ کی بمعنی ایمان والا + استغفار معنی گناہ بخشوانے کی خواہش کرنا۔

"ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ استغفار خدا کی درگاہ میں ایسا محبوب عمل ہے کہ اُس کے لئے ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ اس سے پہلے گناہ اور معصیت وجود میں آئے اور پھر اس کے ردِ عمل کے طور پر طلب مغفرت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ استغفار ملائکۃ اللہ سے بھی ثابت ہے۔ حالانکہ قرآنِ عزیز نے تصریح کی ہے کہ ملائکۃ اللہ (یعنی خدا کے فرشتے) کی شان یہ ہے:۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَہُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ:۔ (وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم دیا جاتا ہے) چنانچہ قرآن عزیز نے فرشتوں کے استغفار کا اس طرح ذکر کیا ہے:۔ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ:۔ ترجمہ:۔ اور وہ فرشتے، استغفار کرتے ہیں مومنوں کے لئے (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو ہر شے پر اپنی رحمت اور اپنے علم سے چھایا ہوا ہے تو بخش دے اُن کو جو تیری جانب رجوع ہوتے ہیں اور تیری راہ کی پیروی کرتے ہیں۔" (قصص القرآن ج ۲)

۳۹۱۔ فرعونِ مصر کے بادشاہ کا لقب ہے:۔

فرعون معنی مجازاً سرکش اور مغرور۔ + لقب معنی

وہ نام جس میں معنی تعریف یا ندامت کے نکلیں۔

فرعونؔ کے متعلق قصص القرآن میں اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے کہ:۔ "مصر کی مذہبی تخیل کی بناء پر ان کا (یعنی مصر کے بادشاہوں) کا لقب "فاراعؔ" (فرعون) تھا۔ اس لیے کہ مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور مقدس دیوتا آمن راعؔ (سورج دیوتا) تھا اور بادشاہِ وقت اس کا اوتار اور "فارعؔ" کہلاتا تھا۔ یہی فاراعؔ عبرانی میں فارعنؔ اور عربی میں فرعونؔ کہلایا۔

مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے اور ان سب میں بلند تر آمن راعؔ تھا۔ نیز مصریوں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشوونما پا چکا تھا اور تاجدارانِ مصر نے نیم خدا کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ان کا لقب فاراعؔ اسی لیے ہوا کہ وہ راعؔ یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے۔ پھر یہی فاراع عربی میں جا کر فرعونؔ بن گیا۔

۳۹۲۔ فرعونؔ کی بیوی:۔ فرعونؔ کے خوف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک تابوت کی طرح کا صندوق بنا کر جس پر رال اور روغن کی پالش کر دی گئی تھی تاکہ پانی اندر اثر نہ کر سکے۔ اس کام کے بعد اس صندوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رکھ کر اُس صندوق کو دریائے نیلؔ کے بہاؤ پر چھوڑ دیا۔ (یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کا ہے جب کہ آپ کی عمر صرف تین مہینہ کی تھی۔) چنانچہ جب صندوق تیرتے ہوئے شاہی محل کے کنارے آلگا۔ اور فرعون کے گھرانے میں سے ایک عورت نے اپنے خادموں کے ذریعہ اُس کو اٹھوالیا۔ اور اندر شاہی محل میں لے گئی۔

"قرآنِ عزیز نے اس شاہی خاندان کی عورت کو فرعونؔ کی بیوی بتایا ہے۔ اور توراتؔ کے حصہ "خروجؔ" میں اُس کو فرعونؔ کی بیٹی کہا ہے مگر مورخین اس اختلاف کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ پانی میں بہتے ہوئے صندوق کو فرعونؔ کی بیٹی نے اٹھایا ہو اور پھر بیٹا بنانے کی آرزو، اور فرعون سے اس بچہ کے قتل نہ کرنے کی اور خود پالنے کی خواہش کا اظہار اور فرعون سے سفارش فرعون کی بیوی نے کی ہو۔

قرآنِ کریم کے اسلوبِ بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اُس نے موسیٰؑ کو دریا سے نکالنے والے کے متعلق کہا ہے:۔ فالتقطہٗ اٰل فرعون :۔ (اس کو اٹھایا فرعون کے گھر والوں نے) "اور بیٹا بنانے کی آرزو اور اس کے قتل نہ کرنے کی سفارش کرنے والے کے متعلق فرمایا:۔ وقالت امرأۃ فرعون۔ (اور فرعون کی بیوی نے کہا) حضرت ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے (روح المعانی جلد ۲ سورۂ قصص)

مفسرین فرعون کی اس بیوی کا نام "آسیہ" بتاتے ہیں اور قرآن عزیز امرأۃ فرعون کو مومنہ قرار دیتا ہے۔ یہ بھی واضح ہو کہ فرعون کی بیوی "آسیہ" فرعون ہی کے خاندان سے تھیں۔

ابنِ عباسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نساء اہل الجنۃ کی سردار مریمؑ، پھر فاطمہؓ، پھر خدیجہؓ، پھر آسیہؓ زنِ فرعون ہیں....

فرعون کو جب اپنی بی بی کے مومنہ ہونے کی اطلاع ہو گئی تو حکم دیا کہ چومیخا کر کے دھوپ میں ڈال دیا جائے۔ اور ان کے سینے پر چکی کا پتھر رکھا جائے۔ اس تکلیف میں انہوں نے دعا کی، تو ان کو بہشت میں اپنا مکان نظر آگیا جس سے وہ تکلیف خفیف ہو گئی:۔ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۙ (التحریم ۲۴) ترجمہ:۔ جب کہ فرعون کی بی بی نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے جنت میں اپنے قرب میں مکان بنائیے اور مجھ کو فرعون (کے شر) سے اور اس کے عمل (کفر کے ضرر اور اثر) سے محفوظ رکھیے اور مجھ کو تمام ظالم (یعنی کافر) لوگوں سے محفوظ رکھیے۔

۲۹۳۔ فرقوں کی تقسیم :۔

فِرَقُوں جمع ہے فِرقَہ کی بمعنی قوم، گروہ۔ + تَقْسِیم معنی بانٹنا۔ حصے کرنا۔

"یہ جماعت بندی اور فرقوں کی تقسیم جو کہ جہنم میں لے جانے والی ہے۔ اور ملتِ اسلامیہ سے باہر نکال دینے والی ہے وہی تقسیم اور وہی تفریق ہے جو کہ عقائد میں اختلاف کے ذریعہ وجود میں آئی۔

ایک روایت میں ہے:۔ وعلیکم بالجماعۃ والعامۃ... اور تم پر لازم ہے

عامۃ الجماعۃ کے ساتھ جوڑ رکھنا حضرت ابوذرؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:۔ من فارق الجماعۃ شبرًا فقد خلع ربقۃ الاسلام من عنقہ:۔ جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے نکل گیا، بس یقینًا اس شخص نے اسلام کی رسّی کو اپنی گردن سے نکال باہر کر دیا۔

اختلافات فروعات کی حد سے نکل کر عقائد میں ہرگز جائز نہیں ہیں اور سلف اور خلف میں اس کی نہ کوئی نظیر ہے اور نہ اس کو کبھی جائز قرار دیا گیا۔ احادیث میں اس امر کی صراحت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیاتین علیٰ امتی کما اتی علیٰ بنی اسرائیل وان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملّۃ وتفرق امتی علیٰ ثلث وسبعین ملّۃ کلّھم فی النار الا ملۃ واحدۃً قالوا من ھی یارسول اللّٰہ؟:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت پر ایک وقت ایسا ہی آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ اور بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت ۷۳ فرقوں پر تقسیم ہوگی۔ وہ ایک جماعت کے علاوہ سبھی جہنم میں ہوں گے۔ صحابہؓ نے سوال کیا وہ کون سی جماعت ہے؟ یارسول اللہ! قال ما انا علیہ واصحابی:۔ آپؐ نے فرمایا جس پر میں ہوں اور میرے صحابیؓ۔" (مذاہب ائمہ اربعہ ص۲۹)

"بیہقیؒ و حاکمؒ نے ابوہریرہؓ و معاویہؓ سے اور طبرانیؒ نے عوفؓ بن مالک اشجعی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ (لمبی روایت میں) بیان کئے ہیں۔ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلیٰ ثَلَاثَۃٍ وَسَبْعِیْنَ فِرْقَۃً:۔ میری اُمّت میں ۷۳ تہتر فرقے بن جائیں گے۔

نزولِ قرآن پاک کے وقت امت محمدیہ کے جملہ افراد کا منفردًا و مجتمعًا ایک ہی نام تھا۔ یعنی مسلم۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:۔ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ:۔ تمہارے باپ ابراہیمؑ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معرفہ رہا۔ لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور اُن فرقوں کے نئے نئے نام نکلنے شروع ہو گئے۔ ہر ایک فرقہ کو اپنے مختص (خاص

کیے گئے، نام پر ناز ہے۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۲ ص ۱۸۶)

۳۹۴ فتحِ مبین:- فَتح معنی کھولنا مجازاً جیتنا ملک کا۔ + مُبین معنی ظاہر، کھلی ہوئی۔ آشکارا۔ سورۃُ الفتح جو قرآن مبارک میں اڑتالیسویں ۴۸ سورۃ ہے مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں اُنتیس ۲۹ آیتیں اور چار رکوع ہیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اس سورۃ کی شروع آیات کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:- صُلح حدیبیہ سے یہ فائدہ ہوا کہ وہ سبب بن گئی ایک فتح مطلوب یعنی فتح مکہ کی۔ پس گویا یہ صُلح ہی فتح تھی اور فتح مکہ کو فتح مُبین اس لئے کہا گیا کہ غایت فتح (یعنی غرض فتح) کی غلبہ ہوتا ہے اسلام کا لوگوں کے اسلام سے یا استسلام سے (یا اطاعت کے لیے گردن جُھکانے سے)، اور یہی اس کا اثر مطلوب ہے۔ اور فتح مکہ سے اسلام کو اس لئے نہایت غلبہ ہوا کہ تمام قبائلِ عرب اس بات کے منتظر تھے کہ اگر آپؐ اپنی قوم پر غالب آگئے تو ہم بھی اطاعت کرلیں گے۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو چاروں طرف سے قبائل اُمڈ پڑے اور خود یا بواسطہ وفد کے حاضر ہوکر اسلام لانا شروع کردیا۔

پس چونکہ آثار غلبۂ اسلام کے اس فتح پر زیادہ نمایاں ہوئے اس لئے اس کو فتح مبین فرمایا گیا۔

"آنحضرت صلعم کے لئے فتح مُبین ہونے کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ (جیسا کہ ہم ابھی اُوپر بیان کر آئے ہیں)، سب سے بڑی فتح یہ ہے کہ جس کام کے لئے آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے تھے۔ اسے بدرجہ کمال پہنچا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰؑ کلیم اللہ اپنی امت کو وعدہ کی زمین میں پہنچانے سے پہلے اور مسیحؑ روح اللہ اپنی بہت سی باتیں بتلانے سے پہلے دنیا سے الگ ہوگئے اور نبی صلعم اتمام وکمال کا اعلان دے کر یہاں سے رخصت ہوئے تو حضور صلعم کی فتح مُبین میں کچھ شک نہیں رہ جاتا۔" (رحمتہ اللعالمین ج ۱ ص ۱۰۴)

۳۹۵۔ فضائلِ قرآن مجید:- فضائل جمع ہے فضیلت کی بمعنی بلند درجہ، نعمت۔ + قرآن معنی کلام اللہ۔ + مجید معنی بزرگوار، گرامی۔

"سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن شریف

کی تلاوت ہے۔ اہلِ قرآن خاص اہل اللہ ہیں۔ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے اللہ تعالیٰ قرآن پڑھنے والے کی طرف سب سے بڑھ کر توجہ کرتا ہے۔ جس نے قرآن پڑھا اسے ہر حرف پر اتنا ثواب ملے گا جو دوسرے اعمال کے ثواب سے دس گنا ہو گا۔ تم قرآن پڑھا کرو۔ کیونکہ قرآن قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ فرمایا کہ دل پر لوہے کی طرح زنگ آجاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ اس زنگ کو کیونکر دور کریں؟ فرمایا کہ قرآن کی تلاوت اسے دور کرتی ہے اور دل کو مجلّی کرتی ہے (دل کو روشن کرتی ہے)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نماز میں بحالتِ قیام کلام مجید کی تلاوت کرے اسے ہر حرف کے بدلے سو نیکیوں کا ثواب، جو شخص نماز میں بیٹھ کر تلاوت کرے اسے پچاس نیکیوں کا ثواب۔ جو شخص نماز کے علاوہ باوضو تلاوت کرے اُسے پچیس نیکیوں کا ثواب اور جو آدمی بے وضو تلاوت کرے اسے دس نیکیوں کا ثواب عطا ہوتا ہے۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس دل پر عذاب نہیں کرتا جس میں قرآن موجود ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھو کیونکہ ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ہر آیت جنت کا درجہ رکھتی ہے۔ اور تمہارے گھر کا چراغ ہے۔ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر نیکیوں سے لبریز ہوتا ہے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ قرآن خواہ معانی سمجھ کر پڑھا جائے خواہ معانی معلوم نہ ہوں۔ دونوں حالتوں میں تقرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے تو فرشتے اس کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتے ہیں"

۳۹۶۔ فضائلِ سُورۂ قرآن:۔

فضائل معنی فضیلتیں۔ نعمتیں۔ بزرگیاں، سُورۃ معنی شرف۔ بزرگی، قرآن مجید کا ٹکڑا جو مقرر ہے۔

سورۂ فاتحہ کی نسبت احادیث میں وارد ہے کہ سبع مثانی اور قرآن عظیم بھی ہے۔ (بخاری)

قرآن مجید میں حضور صلعم سے خطاب ہے کہ ہم نے تم کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔ اسی کو آپؐ نے بیان فرمایا کہ سبع مثانی اور قرآنِ عظیم سے مراد یہی سورت ہے۔ (۲) ایسی سورت کسی نبی پر نازل نہیں ہوتی (مستدرک حاکم) (۳) توراۃ اور انجیل میں الحمد جیسی کوئی سورت

نازل نہیں ہوئی۔ (ترمذی۔ نسائی عن ابی کعب مرفوعًا) (۴) سب سے بڑی (اور افضل) سورت قرآن میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ (بخاریؒ)

سورۂ بقرہ وآل عمرانؔ:- (۱) سورہ بقرہ کے حق میں آیا ہے کہ جس گھر میں پڑھی جاوے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ (۲) اس کو پڑھو برکت ہوگی ورنہ حسرت ہوگی۔ (مسلم) (۳) دو تروتازہ چیزوں کو پڑھا کرو بقرہ اور آل عمران یہ دونوں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی اور مالک سے روزِ جزا جھگڑا کر کے بخشائیں گی (مسلم) (۴) سورۂ بقرہ کو جس نے کسی گھر میں پڑھا تو تین دن تک شیطان داخل نہ ہوگا۔ اور جس نے رات کو پڑھا تو تین رات تک شیطان داخل نہ ہوگا۔ (اخرج ابن حیان وغیرہ) (۵) قیامت کے دن قرآن اور اس کے عامل لائے جاویں گے بقرہ اور آل عمران ان کے آگے ہوں گے۔ اور یہ دونوں سورتیں بادلوں کی طرح اپنے صاحب پر سایہ کریں گی۔ (۶) جس نے سورۂ بقرہ پڑھی قیامت کے دن جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔ (بیہقی فی شعب الایمان) (۷) جو شخص جمعہ کی صبح کو آل عمران پڑھتا ہے فرشتے رات تک درود بھیجتے ہیں (بیہقی عن مکحول مرسلاً)

آیۃ الکرسی:- (۱) آیۃ الکرسی تمام آیات قرآنی کی بزرگ و سردار ہے۔ (مسلم) (۲) آیۃ الکرسی ربع قرآن ہے۔ (احمد)

خواتیم البقرۃ:- (۱) جس نے رات میں بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھیں وہ دونوں اس کو کافی ہیں۔ (۲) جس گھر میں بقرہ کی آخر کی دو آیتیں پڑھی جاویں اس میں تین دن شیطان نہیں جاتا۔ (حاکم)

آخر آل عمران:- (۱) جس نے آخر آل عمران رات میں پڑھا اُس کو تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا (بیہقی)

سورۂ انعام:- (۱) سورۂ انعام جب اُتری تو حضرت صلعم نے تسبیح پڑھی اور فرمایا اس قدر فرشتے اس کے ساتھ تھے کہ آسمان کے کنارے بھر گئے (مستدرک حاکم)

سورۂ کہف:- (۱) سورۂ کہف جمعہ کے دن جو شخص پڑھے اس کے لئے ایک نور ہوگا دوسرے جمعہ تک۔ (مستدرک حاکم) (۲) جس نے دس آیتیں اوّل سورۂ کہف کی

یاد کیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا (مسلم)

سورۂ یٰسٓ :- (۱) سورۂ یٰسٓ قرآن مجید کا دل ہے جو کوئی شخص اس کو خدا کے لئے پڑھے وہ بخش دیا جائے گا۔ اس کو اپنے مُردوں پر پڑھو (مستدرک) (۲) ہر شے کے لئے دل ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے۔ جس نے یٰسین پڑھی اس کے لئے دس قرآن پڑھنے کا ثواب لکھا جائے گا۔ (ترمذی) (۳) جس رات کو محض خدا کی خوشنودی کے لیے یٰسین پڑھی حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائیں گے۔ (دارمی، طبرانی)

حٰمٓ :- (۱) ہر شے کا مغز ہے اور قرآن کا مغز حٰمٓ ہیں۔
(ابو عبیدہ عن ابن عباس موقوفاً)

سورۂ دُخان :- (۱) جس نے رات کو دُخان پڑھی۔ صبح کرے گا اس حال میں استغفار کرتے ہوں گے اس کے لئے ستر ہزار فرشتے (ترمذی)

سُورۂ فتح :- سورۂ فتح مجھ کو تمام چیزوں سے محبوب ہے۔ (بخاری)

سورۂ مسبحات :- (۱) حضورؐ ہر شب میں سونے سے قبل مسبحات پڑھتے تھے۔ اور ارشاد فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیات سے بہتر ہے (احمد۔ ابو داؤد، ترمذی۔ نسائی) ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ آیت یہ ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ (۲) حضور صلعم نے ایک صحابیؓ کو وصیت فرمائی کہ جب سونے کے لئے لیٹے تو سورۂ حشر پڑھے۔ اگر اس رات میں مر جائے تو شہید ہو گا۔ (۳) جس نے سورۂ حشر کے اواخر کو رات کو یا دن میں پڑھا۔ پھر اس رات یا دن میں مر گیا۔ تو خدا اس کے لئے جنت واجب کرے گا۔ (بیہقی)

سورۂ ملک :- سورۂ ملک نے ایک شخص کی سفارش کی یہاں تک وہ بخش دیا گیا۔ (صحاح ستہ) (۲) یہ سورہ روکنے والی اور نجات دلانے والی ہے عذابِ قبر سے (ترمذی (۳) مجھے دوست ہے کہ یہ سورۂ ہر مسلمان کے دل میں ہو:۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (حاکم) اور جس نے ہر رات کو سورۂ ملک پڑھی۔ خدا اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے گا۔ (نسائی)

سورۂ زلزال :۔ سورہ اذا زلزلت نصف قرآن کے برابر ثواب رکھتی ہے (ترمذی)
سورۂ کافرون :۔ (۱) قُلْ یَآ اَیُّھَا الْکٰفِرُوْن ربع قرآن کی برابر ثواب رکھتی ہے۔ (ترمذی)

سورۂ اخلاص :۔ (۱) سورۃ قل ھو اللہ احد میں ثلث قرآن کا ثواب ہے (بخاری) (۲) ایک شخص ہر نماز میں اس کو پڑھا کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ حق تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے (بخاری)

معوذتین :۔ (۱) سورۃ فلق اور ناس اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے۔ (مستدرک) (۲) جب سے یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کو ورد کرلیا۔ اور دوسری دعائیں جو شر جن یا حسد وغیرہ سے بچنے کے لئے پڑھتے تھے چھوڑ دیں۔ (ترمذی)

تنبیہ :۔ بعض سورۃ و آیات کی جو منجملہ قرآن کے خاص طور سے فضیلت آئی ہے تو یہ فضیلت ان سورۃ کے الفاظ یا ذات کی وجہ سے نہیں ہے کیونکہ کُل آیات بحسب الذات اور باعتبار الفاظ کے خداوند تعالیٰ کا کلام ہیں۔ لہٰذا بعض کا بعض پر تفاضل فی حد ذاتہا نہیں۔ بلکہ تفاضل آیات اور سورۃ کے یہ معنی ہیں کہ فلاں سورۃ یا آیت کی تلاوت بندے کے لئے زیادہ نافع ہے۔ دنیا یا آخرت میں یا دونوں میں۔" (حضرت تھانویؒ)

۳۹۷۔ فرار از جہاد :۔

فِرار معنی بھاگنا۔ + اَز معنیٰ سے۔ + جہاد معنی اللہ کی راہ میں کافروں سے لڑنا۔

دین اسلام نے میدانِ جہاد سے بھاگ جانے والوں کو سخت تنبیہ کی ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم بتایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ ۚ ....تا.... وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ (الانفال ع)

ترجمہ :۔ اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص اُن سے اس موقع پر (یعنی مقابلہ کے وقت)

پشت پھیرے گا، مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہویا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو (وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا) تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا۔ اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔

آیاتِ بالا کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:۔ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔ ہاں اگر کافر دُونے سے زیادہ ہوں تو جائز ہے اور جب دُونے یعنی دوگنا سے زائد نہ ہوں تب بھی دو صورتیں جواز کی ہیں (یعنی دو شکلیں درست ہونے کی ہیں) جن کو آیت میں مستثنیٰ فرمادیا ہے۔ ایک یہ کہ دھوکا دینے کو سامنے سے بھاگا ہو تاکہ حریف غافل ہو جاوے، پھر دفعتاً لوٹ کر اس پر حملہ کرے، دوسرے یہ کہ مقصود اصلی بھاگنا نہ ہو بلکہ بوجہ بے سروسامانی وغیرہ عوارض (حاجات و ضروریات) کے اپنی جماعت میں اس غرض سے آملا کہ اُن سے قوت اور مَعُونَت (یعنی مدد) حاصل کرے پھر جاکر مقابل ہوگا۔ (تفسیر قرآن مجید مترجم حضرت تھانویؒ)

ق

۳۹۸۔ قرآن اللہ کا نعمت خانہ ہے:۔

قرآن معنی کلام اللہ۔ اور قرآن کے معنی پڑھنے کے لائق (کتاب) کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کتاب کا نام ہے جس میں وہ جملہ احکام) اور حالات درج ہیں جو بذریعہ وحی من جانب اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ + نعمت خانہ معنی عطاء و بخشش کا گھر۔

قرآن مبارک کی فضیلتیں اس قدر ہیں کہ لکھنے اور بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ بس سمجھ لیجئے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔

”عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن اللہ کا نعمت خانہ ہے۔ اس سے لو جس قدر لے سکو۔ میرے نزدیک اس گھر سے زیادہ بے برکت کوئی مقام نہیں جس گھر میں خدا کی کوئی کتاب نہ ہو اور بے شک وہ دل جس میں کچھ بھی قرآن نہ ہو

ایک ویران گھر ہے جس میں کوئی رہنے والا نہیں" (دارمیؒ)

۳۹۹۔ قرآن کی تلاوت مُصحف میں دیکھ کر:۔ تلاوت معنی قرآن شریف پڑھنا۔ + مُصحف معنی وہ

کتاب جس میں صحیفے جمع ہوں۔ اسی واسطے قرآن شریف کو مُصحف کہتے ہیں کہ اس میں سورتیں جمع ہیں۔

مسنون ہے کہ قرآن شریف پڑھنے والا شروع کرنے سے پہلے:۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ پڑھ لے اور اگر پڑھنے کے درمیان میں کوئی دنیوی کلام کرے تو اس کے بعد پھر اس کا اعادہ چاہیئے۔ یعنی اس کو دوبارہ پڑھے۔

قرآن شریف کی تلاوت مصحف میں دیکھ کر زیادہ ثواب رکھتی ہے بہ نسبت زبانی پڑھنے کے۔ اس لیے کہ وہاں دو عبادتیں ہوتی ہیں۔ ایک تلاوت دوسرے مصحف شریف کی زیارت۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں چند مرفوع حدیثیں بھی اس باب میں نقل کی ہیں۔ مثل اس کے کہ مصحف میں بے دیکھے تلاوت کرنے سے ایک ہزار درجہ ثواب ملتا ہے اور دیکھ کر پڑھنے سے دو ہزار درجہ" (قرآن الحکیم مترجم)

۴۰۰۔ قرآن مجید کی مختلف سورتوں کو ملا کر پڑھنا:۔ "بہتر یہ ہے کہ قرآن مجید کی

سورتوں کو اُسی ترتیب سے پڑھے جس ترتیب سے مصحف شریف میں لکھی ہیں۔ ہاں بچوں کے لئے آسانی کی غرض سے سورتوں کا خلاف ترتیب پڑھنا جیسا کہ آج کل پارۂ عم کے سپاروں میں دستور ہے بلا کراہت جائز ہے (ردالمختار) اور آیتوں کا خلاف ترتیب پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ (اتقان)

قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ایک ساتھ ملا کر پڑھنے کو علماء نے مکروہ لکھا ہے اس وجہ سے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آپؐ نے اس سے منع فرمایا تھا۔

مگر میرے خیال میں یہ کراہت اس وقت ہوگی جب ان آیتوں کی تلاوت ثواب کی غرض سے ہو۔ اس لیے کہ جھاڑ پھونک کے واسطے مختلف آیتوں کا ایک ساتھ پڑھنا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ سے بصحت منقول ہے۔ اور ہر ایک آیت کے خواص جداگانہ ہیں۔ لہٰذا جو خاص اثر ہمیں مطلوب ہے وہ جن جن آیتوں میں ہوگا ہم کو ان کا پڑھنا ضروری ہے۔" (حضرت تھانویؒ از قرآن الحکیم)

۴۰۱۔ قرآن مجید کے معانی سمجھنا:۔ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت اگر سمجھتا ہے تو اس کے معانی کو سمجھ سمجھ کر پڑھے۔

"جو شخص قرآن مجید کے معنی سمجھ سکتا ہو اس کو قرآن مجید پڑھتے وقت اس کے معانی پر غور کرنا اور ہر مضمون کے موافق اپنے میں اس کا اثر ظاہر کرنا مسنون ہے۔ مثلاً جب کوئی ایسی آیت پڑھے جس میں اللہ پاک کی رحمت کا ذکر ہو تو طلبِ رحمت کرے۔ اور عذاب کا ذکر ہو تو پناہ مانگے۔ کوئی جواب طلب مضمون ہو تو اس کا جواب دے، مثلاً حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ والتین کے اخیر میں جب پہنچتے تو:۔ بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذَالِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ ۝ پڑھ لیتے (ترمذی) ترجمہ:۔ ہاں۔ اور ہم اس پر گواہ ہیں:۔ چونکہ اس صورت کے اخیر میں حق تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا ہم سب حاکموں کے حاکم نہیں ہیں؟ لہٰذا اس کے جواب میں یہ جملہ عرض کیا گیا۔

یا سورۃ قیامت کے اخیر میں جب پہونچتے تو فرماتے:۔ بَلٰی۔ سورۃ فاتحہ کو جب ختم کرتے تو آمین کہتے۔ لیکن یہ جواب دینا یا دُعا مانگنا اُس وقت مسنون ہے کہ قرآن مجید فرض نماز میں یا تراویح میں نہ پڑھا جاتا ہو۔ اگر فرض یا تراویح میں پڑھا جاتا ہو پھر جواب نہ دینا چاہیئے۔

سورۃ والضحیٰ کے بعد سے اخیر تک ہر سورت کے ختم پر اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ کہنا مستحب ہے اور قرآن مجید ختم ہونے کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ہر ختم کے بعد دُعا مقبول ہوتی ہے۔"

(حضرت تھانویؒ)

۴۰۲۔ قرآن مجید کا نُزول:۔ نُزول معنی اُترنا۔

"جانتے ہو قرآن مجید کیا چیز ہے۔؟ ایک مقدس کتاب ہے جو نبیٔ آخر الزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ مالکِ عرش و کرسی کا کلام ہے جو اُس نے اپنے ایک برگزیدہ پیغمبر اور مقرب بندے سے کیا۔ اسلام کی بناء اسی پاک آسمانی فرمان پر ہے۔ جس نے اطاعت کی وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہوا۔ جس نے ذرا بھی سرکشی کی وہ اس پاکیزہ جماعت سے خارج ہو گیا، اللہ جل شانہٗ کے باغیوں میں شامل ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سنِ مبارک چالیس برس کا ہوا اس وقت آپؐ کو خلعتِ نبوت عطا ہوا اور تاجِ رسالت آپؐ کے سرِ مبارک پر رکھا گیا۔ اُسی زمانے سے نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی۔ وقتاً فوقتاً بحسبِ حاجت و ضرورت تھوڑا تھوڑا تیئیس [۲۳] برس تک نازل ہوتا رہا۔ اگلی کتابوں کی طرح پورا ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہو گیا۔

مثلاً حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور۔ یہ سب کتابیں پوری ایک ہی دفعہ نازل ہو گئیں۔ اور بالاتفاق یہ سب کتابیں رمضان ہی کے مہینے میں نازل ہوئیں"۔

(قرآن مجید مترجم حضرت تھانویؒ)

۴۰۳۔ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے:-

قبر۔ معنی گور جس میں مُردہ دفن ہوتا ہے۔ + آخرت معنی۔ انجام۔ دوسرا عالم۔ قیامت۔ + مَنزل معنی جگہ اُترنے کی۔ دنیا ایک مسافر خانہ ہے۔ جیسے مسافر اپنے مسافر خانہ سے چل دیتا ہے ایسے ہی اس دنیا سے ہر ایک آدمی کو ایک دن چل دینا ہے۔ اس کا مقام اصلی آخرت ہے وہیں اسے ہمیشہ ہمیشہ قیام کرنا ہے۔

"عذابِ قبر کوئی معمولی چیز نہیں ہے ہر شخص کو مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر سے سابقہ پڑتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ریشِ مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ جنت و جہنم کے تذکرہ سے بھی اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر سے۔

آپؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ قبر منازلِ آخرت

میں سب سے پہلی منزل ہے۔ جو شخص اس کے عذاب سے نجات پائے تو آنے والے حوادث اس سے سخت ہوتے ہیں۔ نیز میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ قبر سے زیادہ مُتَوَحِّش (یعنی وحشت والا) کوئی منظر نہیں۔" (جمع الفوائد) اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ بِفَضْلِکَ وَمَنِّکَ۔

۴۴۔ قلت کثرت پر غالب آجاتی ہے:۔ قلت بمعنی کمی۔ + کثرت بمعنی زیادتی۔ مجازاً انبوہ آدمیوں کا۔ + غالب معنی غلبہ والا۔ غلبہ پانا۔

"جب حق و باطل کا معرکہ پیش آتا ہے اور حق کی جانب سے مخلصین کاملین فداکارانہ جذبات کے ساتھ حمایتِ حق کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان میں خود اعتمادی اور توکل علی اللہ کی روح سرائیت کرتی جاتی ہے تو پھر کامرانی و کامیابی کا مدار قلت و کثرت پر نہیں رہتا بلکہ قلت، کثرت پر بھاری ہو جاتی ہے اور کثرت قلت سے مغلوب ہو کر شکست کھا جاتی ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کا اظہار قرآن مبارک نے اس طرح کیا ہے:۔ وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ (بقرہ) ترجمہ:۔ اور بارہا چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے۔" (قصص القرآن)

دین اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ اللہ جل شانہٗ کو واحد و حاضر جان کر اُس پر ایمان و یقین کو پختہ رکھو، اسی کی پرستش کرو اور اُسی سے مدد مانگو۔ وہ اپنے نیک بندوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا اور یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ شکست و فتح اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہے غالب کردے اور جس کو چاہے شکست دے دے:۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ ترجمہ:۔ اور ہم نے بے شبہ زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا کہ خدا کی زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔

۴۰۵۔ قَیلُولَہ:۔ قَیلُولَہ معنی دوپہر دن چڑھنے کے وقت سونا۔

آدمی کو دن میں زیادہ سونا نہیں چاہیئے۔ اس سے صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ اور عصر و مغرب کے درمیان تو واضح ہو کہ کبھی بھول کر بھی نہیں سونا چاہیئے۔ اس سے دماغ پر نہایت ہی خراب اثر پڑتا ہے۔ دراصل سونے کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے رات ہی کا وقت رکھا ہے۔ گو رات میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے عبادت زیادہ کرتے ہیں لیکن سونے کا بھی وقت رات ہی میں نکال لیتے ہیں۔ ہاں دن کا کھانا کھا لینے کے بعد سونا درست ہے اور سنت بھی ہے۔ اسی کو قیلولہ کہتے ہیں۔ ایک حدیث ہے۔ سہیلؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ بعد اس کے قَیلُولَہ ہوتا تھا۔

۴۰۶۔ قصاص:۔ قصاص معنی پورا پورا بدلہ لینا۔ یعنی جیسا کہ اس نے کیا ویسا ہی اُس کے ساتھ کیا جائے۔ یہاں مراد مساوات

ہے۔ پھر اس مماثلت اور مساوات میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جہت قتل میں بھی مساوات کرنی چاہیئے۔ پس اگر کسی نے پانی میں ڈبو کر مارا ہے تو اس کو بھی پانی میں ڈبو کر مارنا چاہیئے اور جس نے جلا کر مارا ہے۔ اُس کو بھی اسی طرح مارنا چاہیئے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مساوات سے مراد دم نکلنا ہے جس سے کہ عادتاً جلدی سے دم نکلتا ہو۔ اور وہ خالص تلوار سے مارنا ہے۔ (تفسیر حقانیؒ صـ۲۶ ج سوم)

۴۰۷۔ قرض لینا اور اُس کے ادا کرنے کا ارادہ کرنا:۔ قرض معنی دینداری۔

قرض لینے کی عادت سب سے بری عادت ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ہر وقت اللہ سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ قرض ہی ایک ایسی چیز ہے جو مرد کو نامرد بنا دیتی ہے۔ قرض آدمی کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتا ہے۔ قرضدار وعدہ خلافی کرتا ہے۔

ایک حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم

غار میں یہ دعا مانگتے تھے کہ اے اللہ! میں گناہ اور قرض سے تیری پناہ مانگتا ہوں تو ایک کہنے والے نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ قرض سے اکثر پناہ مانگتے ہیں۔ (اس کا کیا سبب ہے؟) آپؐ نے فرمایا کہ جب آدمی قرضدار ہو جاتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ خلافی کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر میرے پاس اُحد کے (اُحد ایک پہاڑ کا نام ہے) برابر سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی نہ معلوم ہوگی۔ کہ تین دن کے بعد اُس میں سے کچھ میرے پاس باقی رہ جائے سوائے اُس مقدار کے جو میں کسی قرض کے لیے رکھ چھوڑوں۔

دراصل قرضوں کا ادا کرنا ہی ایک ضروری امر ہے۔ اور قرض انشاء اللہ ادا ہو جائے گا اگر قرض لینے والا اُس کے ادا کرنے کی نیت کرلے۔ اللہ تعالیٰ نیک نیت کرنے والوں کی مدد فرماتا ہے۔ نیت کرنا ضروری ہے کیونکہ جیسی نیت کی جائے گی ویسا ہی اس کا انجام ہوتا ہے۔

ایک حدیث ہے:۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا مال قرض لے اور وہ اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اُس کو ضائع کر دے گا۔" (صحیح بخاری اردو ج ۱)

۴۰۸۔ قرآن نے تمام انسانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے:۔ قرآن معنی کلام اللہ + اِنسان معنی آدمی + جماعت معنی گروہ آدمیوں کا۔ + تقسیم معنی بانٹنا۔ حصّے کرنا۔ "قرآن کریم نے تمام دنیا کے انسانوں کی دو جماعتیں فرمائی ہیں (۱) حزب الشیطٰن۔ یعنی شیطان کی پارٹی یا جماعت۔ (۲) حزب اللہ۔ یعنی اللہ کی جماعت یا پارٹی۔

اللہ کی جماعت کے ممبر وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہر کام میں پروردگار کی خوشنودی دیکھتے ہیں۔ اسی کے لیے دوستی کرتے ہیں، اسی کے لئے دشمنی، وہ خدا کی خوشنودی کے مقابلہ میں نہ ماں باپ کی پرواہ کرتے ہیں نہ کنبہ قبیلے کی۔

شیطان کی پارٹی کے وہ آدمی ہیں جو شیطان کے کہنے میں آکر صرف اپنے نفس کی

بندگی کرتے ہیں، ان کے نزدیک خدا اور اس کے رسول صلعم کی خوشنودی کوئی چیز نہیں۔
دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں :۔ ایک وہ ہیں جو قول و عمل دونوں کے سچے ہیں جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں انھیں قرآن صادق کہتا ہے۔
دوسرے وہ لوگ ہیں جو دعویٰ تو بہت کچھ کرتے ہیں مگر عمل و اخلاص میں وہ بالکل صفر ہیں، یہ قرآن کے نزدیک منافق ہیں" (اسلامی عدل و سیاست)

۴۰۹۔ قمری مہینہ کا سال :۔

قمر معنی چاند۔ واضح ہو کہ چاند رات سے تین شب تک چاند کو ہلال کہتے ہیں اور پھر آخر مہینے تک قمر۔ اور کیمیاگروں کی اصطلاح میں قمر چاندی کو کہتے ہیں۔

" اسلام نے سال کا شمار قمری مہینے کے حساب پر رکھا ہے۔ اور اس حساب کو شمسی حساب کے برابر کرنے کے لئے کوئی لوند (کبیسہ) کا مہینہ اختیار نہیں کیا کیونکہ اسلام دین الفطرت ہے اس لئے ضرور تھا کہ شارع اسلام (یعنی صاحب شرع جو لوگوں کو دین کی تعلیم کرتے) کے نہج حساب (یعنی درست شمار) کو پسند فرماتے جو فطرت کے اصول پر اور مبنی بر مَصْلَحَتُ (یعنی جو تجویز نیک پر بنایا گیا) دین ہے۔ اسلام کی اعلیٰ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت مساواۃ بھی ہے اور ایک خصوصیت اس کی ہمہ گیری (یعنی تمام کو گھیرے ہوئے) بھی ہے۔ اسلام نے ان خصائص کی حسنات و حِمَایَتُ (یعنی خوبی اور طرف داری کرنے) میں یہ پسند فرمایا کہ اسلامی مہینے اُدلتے بدلتے موسم میں آیا کریں اور لوند وغیرہ کے اضافے سے اس صفت تَقَلُّبُ ایّام کا (یعنی ادلتے بدلتے دنوں کی خوبی کا) سدِ باب نہ کیا جائے۔

ذرا اسلام کے رُکنِ چہارم ماہ رمضان المبارک پر غور کرو کہ اگر نبی صلعم ماہِ صیام کے لیے کوئی شمسی مہینہ مقرر فرما دیتے یا قمری حساب میں کبیسہ (لوند) لگانا منظور فرما لیتے تو نتیجہ کیا ہوتا۔ حضور صلعم کا مقرر کردہ مہینہ خواہ گرم موسم کا ہوتا۔ یا سرد موسم کا مگر لَابُدی (یعنی ضروری) حالت یہ ہوتی کہ نصف دنیا کے مسلمان ہمیشہ کے لیے تنگی و سختی میں پڑ جاتے۔ کیونکہ ایک عالم جغرافیہ سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ دسمبر جو نصف شمالی

دنیا کا سرد اور سب سے چھوٹے دن کا مہینہ ہے۔ وہ نصف جنوبی دنیا کا گرم اور طویل دن کا مہینہ ہے۔ وہ نصف جنوبی دنیا کا گرم اور طویل دن کا مہینہ ہے۔

پس اسلام کی مساوات و جہانگیری کا اِقتِضا ہی (یعنی خواہش کرنا ہی) یہ تھا کہ اسلامی سال قمری حساب پر ہوتا اور قمر کی حرکات کو انسانی اِختِراع (یعنی نئی بات کا ایجاد کرکے) لوند وغیرہ کی شمولیت سے کالعدم نہ کر دیا جاتا۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۲)

پ ک پ

۱۴۱۰۔ کلمہ طیبہ :- کلمہ طیبہ معنی پاک کلمہ۔

" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ :- اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (یعنی کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

یہی کلمہ اسلام کا دروازہ اور دین و ایمان کی جڑ بنیاد ہے۔ اس کو قبول کرکے اور اعتقاد کے ساتھ پڑھ کر عمر بھر کا کافر و مشرک بھی مومن اور مسلمان اور نجات کا مستحق ہو جاتا ہے، مگر یہ شرط ہے کہ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی توحید و رسالت کو بالکل بھی نہ سمجھا ہو اور بغیر معنی مطلب سمجھے اُس نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہو تو وہ اللہ کے نزدیک مومن اور مسلمان نہ ہوگا، لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس کلمہ کے معنی اور مطلب کو سمجھیں۔

اس کلمہ کے دو جزو ہیں :- پہلا جزو ہے :- لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو عبادت اور بندگی کے لائق ہو، پس اللہ تعالیٰ ہی ایک اکیلی ایسی ہستی ہے جو عبادت اور بندگی کے قابل ہے۔ کیونکہ وہی ہمارا سب کا خالق و مالک ہے، وہی پالنے والا، روزی دینے والا ہے۔ وہی مارنے والا اور جلانے والا ہے۔ بیماری اور تندرستی، امیری اور غریبی اور ہر طرح کا بناؤ اور بگاڑ اور نفع و نقصان صرف اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور اس کے سوا

زمین و آسمان میں جو ہستیاں ہیں خواہ انسان ہوں یا فرشتے سب اُس کے بندے اور اُس کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اس کی خدائی میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں ہے اور نہ اُس کے حکموں میں اُلٹ پلٹ کا کسی کو اختیار ہے۔ اور نہ اس کے کاموں میں دخل دینے کی کسی کو مجال ہے۔ لہٰذا بس وہی اور صرف وہی اس کے لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسی سے لو لگائی جائے۔ اور مشکلوں اور مصیبتوں اور اپنی تمام حاجتوں میں گڑگڑا کر اسی سے دعا اور التجا کی جائے۔

ہمارے کلمہ کا دوسرا جز ہے:۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ :۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔

اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ خدا ہونے کا اقرار اور اعلان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا اور آپؐ نے جو کچھ بتلایا اور جو خبریں دیں وہ سب صحیح اور بالکل حق ہیں، مثلاً قرآن مجید کا خدا کی طرف سے ہونا، فرشتوں کا ہونا، قیامت کا آنا۔ قیامت کے بعد مُردوں کا پھر سے زندہ کیا جانا۔ اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جانا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ خدا ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ نے جو باتیں اس طرح کی دنیا کو بتلائی ہیں ـــــ اور وہ سب بالکل حق اور صحیح ہیں، مثلاً قرآن مجید کا خدا کی طرف سے ہونا، فرشتوں کا ہونا، قیامت کا آنا۔ قیامت کے بعد مُردوں کا پھر سے زندہ کیا جانا۔ اور اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ میں جانا وغیرہ وغیرہ۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولِ خدا ہونے کا مطلب یہی ہے کہ آپؐ نے جو باتیں اس طرح کی دنیا کو بتلائی ہیں ـــــ اور وہ سب بالکل حق اور صحیح ہیں جن میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اور اسی طرح آپؐ نے لوگوں کو ہدایتیں کیں اور جو احکام دیئے وہ سب دراصل خدا کی ہدایات اور خدائی احکام ہیں۔ جو آپؐ پر

وحی کیے گئے تھے۔

اسی سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ کسی کو رسول ماننے سے خود بخود ہی یہ لازم آجاتا ہے کہ اس کی ہر ہدایت اور حکم مانا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنا رسول اسی واسطے بناتا ہے کہ اس کے ذریعہ اپنے بندوں کو اپنے وہ احکام بھیجے جن پر وہ بندوں کو چلانا چاہتا ہے۔

قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے:-

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ۔

"اور ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ ہمارے فرمان سے اس کی اطاعت کی جائے یعنی اس کے حکموں کو مانا جائے۔" (اسلام کیا ہے؟)

۴۱۱۔ کون سا عمل افضل ہے؟:-

عمل معنی کام۔ + افضل معنی سب سے اچھا تحفہ۔ سب سے بہتر۔

اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو ہر وقت اس جستجو اور تلاش میں رہتے ہیں کہ ہم اپنے اللہ تعالیٰ کو کیسے راضی کریں۔ گناہوں سے کیسے بچیں، کون سا ایسا کام کیا جائے کہ باری تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائے اور ہمیں بخش دے۔ کیا کچھ کیا جائے کہ ہم اُس کے بندوں کے کام آسکیں، اُن کی مدد و ہمدردی کرکے اپنے گناہوں کی تلافی کر سکیں۔

اصحاب کرام رضی اللہ عنہم ایسے زمانہ کو پا چکے تھے جس میں اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ وہ آپؐ کی صحبت میں بیٹھتے اُٹھتے تھے۔ اللہ کی رحمتیں ہر وقت اُن پر بارش کی طرح برستے رہتی تھیں لیکن اس کے باوجود پھر آپؐ سے ایسے ایسے سوالات کرتے رہتے تھے کہ کون سا عمل افضل ہے؟ کیا کچھ کیا جائے جس سے ہمارا اللہ ہم سے راضی ہو جائے۔ ذرا غور کیجئے اصحاب کرامؓ کی زندگی پر اور اپنے حالات پر کہ ہم کتنے وقت کی نماز ادا کرتے ہیں اور کتنے روزے رمضان کے رکھ لیتے ہیں اور کیا کچھ صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں بھی حضور صلعم کے صحابہؓ والی زندگی عطا فرمائے۔ آمین۔

ایک حدیث ہے:- "حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں نے کہا کس قسم کے غلاموں کا آزاد کرنا افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اُن غلاموں کا جو گراں قیمت ہوں اور اپنے مالکوں کے نزدیک زیادہ مرغوب ہوں۔ میں نے کہا کہ اگر میں یہ نہ کر سکوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ کسی کام کرنے والے کی مدد کرو یا کسی بے ہنر کا کچھ کام کر دو۔ میں نے کہا اگر میں یہ بھی نہ کر سکوں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں کی ضرر رسانی چھوڑ دو کہ یہ بھی ایک صدقہ ہے۔ جسے تم اپنی جان پر تصدّق کر دو گے۔" (صحیح بخاری اردو)

۴۱۲۔ کعبہ کے مَصالح و برکات :۔

کعبہ معنی بیت اللہ یعنی خدا کا گھر + مَصالح معنی بھلائیاں۔ مصالح جمع ہے مصلحت کی۔ + برکات جمع ہے برکت کی بمعنی زیادتی۔ افزائش۔ برکت۔

اللہ تعالیٰ نے کعبۃ المکرم کو مقدس و مکرم گھر بنایا ہے۔ اور اس مقدس گھر کو لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنایا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :۔ جَعَلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدہ ۱۲۷)

ترجمہ:۔ خدا تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے، لوگوں کے قائم رہنے کا سبب قرار دے دیا۔

تفسیر اس کی اس طرح بیان فرمائی گئی ہے، :۔ "یہ کعبہ کے مصالح و برکات دُنیویہ میں سے بعض یہ ہیں۔ (۱) اس کا جائے امن ہونا۔ (۲) وہاں ہر سال مجمع ہونا۔ جس میں مالی ترقی اور قومی اتحاد بہت سہولت سے میسّر ہو سکتا ہے۔ (۳) اس کے بقا تک عالم کا باقی رہنا۔ حتیٰ کہ جب کفار اس کو منہدم کر دیں گے تو قریب ہی قیامت آجائے گی۔"

(حضرت تھانویؒ)

۴۱۳۔ کعبہ میں نماز کی ادائیگی :۔

کعبہ معنی بیت اللہ کا مقدس گھر + نماز معنی پرستش۔ عبادت۔

"حضرت حمزہؓ ابن عبد المطلب کے بعد حضرت عمرؓ بن الخطاب ایمان لائے۔ مسلمان

اس وقت نہایت کمزور تھے ۔ کعبہ میں نماز نہ پڑھنے پاتے تھے ۔ مشرکین مکہ بے حد ایذا و تکلیف دیتے تھے ۔

جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو آنحضرت صلعم سے کعبہ میں نماز پڑھنے کی درخواست کی ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ابھی مشرکین کا زور ہے اور مسلمان کم ہیں اور کمزور ہیں ۔ مگر عمرؓ ابن الخطاب نے عرض کیا کہ دین ہمارا (اسلام) سچ ہے یا اُن کا مذہب ۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہمارا مذہب سچا ہے ۔ پھر عمرؓ نے دریافت کیا کہ خدا ہماری مدد کرے گا یا اُن کی ۔ آنحضرت صلعم نے جواب دیا کہ ہماری مدد کرے گا ۔ تب عمرؓ ابن الخطاب نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلعم وہ تو اپنے بتوں کی پرستش علانیہ کریں اور ہم خدا پرستی چھپ کر کریں اور پھر خدا ہماری مدد کرے گا چلیئے کعبہ میں نماز ادا کیجئے ۔ جب تک عمرؓ کے تن میں جان ہے کوئی شخص آپؐ کو کعبہ میں نماز پڑھنے سے روک نہ سکے گا ۔

چنانچہ عمرؓ ابن الخطاب اور آنحضرت صلعم معہ صحابہؓ کے کعبہ میں تشریف لائے اور نماز پڑھی ۔ پہلے تو مشرکینِ مکہ میں سے کسی نے دم نہ مارا اور پھر جس نے سر اُٹھایا اُس سے عمرؓ بن الخطاب برسرِ جنگ آئے ۔ لڑے ، مارا تا آنکہ کعبہ میں بے خدشہ نماز ہونے لگی ۔ "

(ابن خلدونؒ ج ۳)

۴۱۴ ۔ کتاب ایک ساتھی ہے :۔ کتاب معنی لکھا ہوا ۔ نامہ فرض کیا ہوا ۔

" کسی باذوق صاحبِ علم کا قول ہے کہ " عمدہ کتاب حیات ہی نہیں بلکہ ایک لافانی چیز ہے ۔ اور یہ خود ہی لافانی نہیں بلکہ اپنے لکھنے والوں کو ، ان کو جن کا اس میں ذکر ہوتا ہے ، اور بعض اوقات پڑھنے والوں کو بھی لافانی بنا دیتی ہے ۔ کیونکہ عمدہ کتابوں نے انسان کے اخلاق اور طبائع پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں ۔ خیالات میں عظیم الشان تغیرات پیدا کیئے ہیں ملکوں کی کایا پلٹ دی ہے ، قوموں کے سوئے ہوئے جذبات میں حیرت انگیز طور پر ہلچل مچا دی ہے ۔

علامہ مسعودیؒ فرماتے ہیں کہ :۔ اے میری کتابو ! تم میری جلیس و انیس ہو ، تمہارے

ظریفانہ کلام سے نشاط اور تمہاری ناصحانہ باتوں سے تفکر پیدا ہوتا ہے۔ تم پچھلوں اور اگلوں کو ایک عالم میں جمع کر دیتی ہو۔ تمہارے منہ میں زبان نہیں لیکن تم زندوں اور مردوں کے افسانے سُناتی ہو۔ تم ہمسایہ ہو لیکن ظلم نہیں کرتی ہو، عزیز ہو، لیکن غیبت نہیں کرتی ہو، دوست ہو، لیکن مصیبت میں ساتھ نہیں چھوڑتی ہو۔

کتاب ایک دنیا ہے، یا ایک شہر، جس میں بہت سی قومیں آباد ہیں جن کا اس کتابی دنیا میں مطالعہ کرتے ہیں، بہت سی زبانیں تو یہ کہتی سنائی دیتی ہیں کہ فلاں شخص یا فلاں عالم دنیا میں باقی نہیں لیکن کتابی دنیا ان کو زندہ رکھتی ہے اور زندہ کر دیتی ہے۔ جب ان کے حالات اور تذکرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو وہ درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

اسی طرح یہ کتاب اپنے پڑھنے والے کو یہ محسوس کراتی ہے کہ ایک شخص ہے جو اس کا ہم نشین ہے اور موجود ہے۔ وہ اس سے گفتگو کر رہا ہے۔ یہ شخص اس کتاب کا لکھنے والا ہے جو بظاہر موجود نہیں اس کے باوجود اس کے ہونے کا لطف لیتا ہے اور ایسا لطف کہ اس ہم نشین اور جلیس کے ہوتے دوسرا (حقیقی طور پر موجود ہوتے ہوتے) جلیس اور ہمنشین اس کے لئے سوہانِ روح بن جاتا ہے اور اس میں کوئی اس کو دلچسپی نہیں ہوتی۔

حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے "مجھ پر چالیس سال اس حال میں گذرے ہیں کہ سوتے جاگتے کتاب میرے سینے پر رہتی تھی۔"

حضرت عبداللہ بن عبدالعزیز نے سب سے ملنا جُلنا چھوڑ دیا تھا۔ اور قبرستان میں رہنے لگے تھے۔ ہمیشہ ہاتھ میں کتاب دیکھی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ سوال کیا گیا تو کہنے لگے۔ "میں نے قبر سے زیادہ واعظ، کتاب سے زیادہ دلچسپ رفیق اور تنہائی سے زیادہ بے ضرر ساتھی کوئی نہیں دیکھا۔" للہ من جلساء لا جلیسھم ولا خلیطھم للسوء مرتقب۔ خدا کی قسم! یہ ایسے عمدہ ہم نشین ہیں کہ ان کے ہم نشینوں کو کسی بُرائی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔

(اسلاف کا ذوقِ مطالعہ اور کتاب)

ل

۴۱۵ لقب اُمّہات المومنین :۔ لَقَب معنی وہ نام جس میں معنی تعریف یا مذمت کے نکلیں + اُمّہات جمع ہے اُمّ کی بمعنی ماں +
مومنین جمع ہے مُومِن کی بمعنی ایمان والا یعنی مسلمان ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰاتُھُمْ ۔ (احزاب ۔ ۱۴)

ترجمہ :۔ مومنین پر نبی صلعم اُن کی جانوں سے بڑھ کر ہے اور نبی صلعم کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں ۔

یہ روشن ہے کہ اَنْفُسِھِمْ اور اُمَّھٰاتُھُمْ ضمیروں کا مرجع (یعنی اسموں کا جائے رجوع) مومنین ہیں اور اسی لیئے ازواج النبی صلعم کا لقب اُمّہات المومنین ہے نہ کہ اُمّہات الامّۃ وغیرہ (الامّۃ میں اُشرار و اُخیار یعنی شریر اور نیک سب ہی شامل ہیں ۔ ازواج مطہرات کو اس لیئے اُمّہات مومنین کہا ۔ کہ اُشرار کو ان کی فرزندی کا شرف نہیں مل سکتا) لفظ مومنین کے استعمال کا راز یہ ہے کہ مومن کے متمیّز و مُشخّص کرنے کی علامات (یعنی مومن کی شناخت کے بروزن تجویز کیئے گئے نشانات) کو واضح کر دیا جائے ۔ چنانچہ اس آیت میں دو علامتیں بتائیں ۔

اوّل :۔ مومن وہ ہے جو نبی صلعم کو اپنی جان شیریں سے زیادہ محبوب رکھتا ہو اور حضورؐ کو جان سے بڑھ کر اولیٰ سمجھتا ہو ۔

دوم :۔ مومن وہ ہے جو ازواجِ نبی صلعم کو اپنی ماں جانتا ہو ۔ وہ ماں نہیں جس سے جسم عنصری کا ظہور ہوا بلکہ وہ ماں جس کی فرزندی کا شرف اُس وقت نصیب ہوتا ہے جب دِلاءِ نبویؐ (یعنی نبی صلعم کی محبت) اور ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے ۔ (رحمۃ اللعٰلمین ج ۲)

۴۱۶ ۔ لُقمَان :۔ لُغت میں لُقمان کے باپ کا نام باعور بتلایا ہے ۔ یہ مرد حکیم تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بہن کے بیٹے یا ان کے خالہ زاد

بھائی تھے۔ بعضے کہتے ہیں کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے شاگرد تھے اور بعضے کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ بعضے کہتے ہیں کہ یہ غلام حبشی تھے، ملک نوبہ کے رہنے والے تھے مگر آزاد تھے۔ ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔

قرآن مبارک کی سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے لقمان کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔ "لقمان علیہ السلام نبی نہ تھے۔ اُن کا زمانہ قریب داؤد علیہ السلام کے تھا۔ پس اُن کے نبی نہ ہونے کی بناء پر اُن کو یہ حکم ہونا "اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ" اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو۔ یا بطورِ الہام کے ہوگا یا اس زمانہ کے کسی نبی کی تعلیم کے ذریعہ سے اور جس فرزند کو انہوں نے نصیحت کی ہے، صحیح اور صریح طور پر کہیں نہیں دیکھا کہ اُن کے فرزند کا کیا طریقہ تھا۔ پہلے سے موحّد تھے۔ یا اس نصیحت کے بعد موحّد ہوتے یا کیا ہوا" واللہ اعلم۔

۱۷۱۔ لڑکیوں کا پردہ :۔ پردہ معنی چلمن۔ اُوٹ۔ کپڑے کا پردہ۔

ہم اس عنوان میں اپنی اُن بہنوں اور بیٹیوں سے مخاطب ہیں جو صاحبِ اولاد ہیں کیونکہ جب آدمی صاحبِ اولاد ہو جاتا ہے تو اُس کے لیے یہ ضروری بلکہ اُس کے لیے یہ فرض بن جاتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کیسے پرورش کرے، اُنہیں کیسی تعلیم دے۔ ہمارے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اُنہیں اسلام کی تعلیم سے روشناس کرائیں اور خاص طور سے لڑکیوں کا زیادہ خیال رکھیں۔ لڑکیوں کے پردہ کا خیال رکھنا زیادہ ضروری ہے۔ لو اب ذرا لڑکیوں کے پردہ کے بارے میں سنو:۔ " لڑکیوں کے پردہ کا بہت لحاظ رکھو، جس وقت سے ان کو سمجھ آئے، ہم عمر لڑکوں سے ان کو علیٰحدہ رکھو، ان سے بات کرنے کا موقع نہ دو بلکہ لڑکوں کے پاس تنہا نہ رہنے دو، ہنسی مذاق سے روکتی رہو۔ اُن کو بے موقع کہیں آنے جانے نہ دو، اپنے ساتھ بھی ہر روز ہر جگہ لے جانا بھی مناسب نہیں، اگرچہ چچا اور ماموں ہی کا گھر کیوں نہ ہو، گھر سے ممانعت نہیں بلکہ راستہ کا خیال ہے، اور ان کے شوق میں ترقی ہونے کا خوف ہے،

آج تمہارے ساتھ گئیں کل کسی اور کو ساتھ لے جائیں گی۔ ہر کام میں انجام پر نظر رکھو، یہ تعلیم بچوں اور بچیوں کی ضروری ہے، بچیوں کے پردہ کا زیادہ خیال رکھو، ہر بُری بات میں روک ٹوک کرتی رہو، اُن میں کسی قسم کی آزادی پیدا نہ ہو سکے، کپڑے اور زیور اپنی خوشی کے مطابق پہناؤ، ان کی رائے پر نہ چھوڑ دو، گزشتہ زمانہ کی حالت پر نظر رکھو، اس کے خلاف نہ کرو، بیجا کتابیں نہ دیکھنے دو، نماز پڑھنے اور قرآن وحدیث دیکھنے کی تاکید کرتی رہو، ادب لحاظ سکھاؤ، بہت بات کرنے سے روکو، کثرت کلام بیوقوفی کی دلیل ہے، بچیاں کم سخن اور شرمیلی بھلی معلوم ہوتی ہیں، کم سخنی اور شرم شریفوں کے انداز ہیں۔" (حسنِ معاشرت)

م پ

۴۱۸۔ **مِلّت کسے کہتے ہیں:۔** مِلّتُ معنی دین، مذہب، گروہ، شریعت۔+

" خدا نے جس طرح انسان امورِ دنیا میں سب حیوانات سے اشرف پیدا کیا ہے اور اس کے تمام مہمات دنیویہ کا سرانجام فرمایا اسی طرح اس نے ان کے لئے آخرت کے رہنما (انبیاء) بھی بھیجے ہیں کہ جنھوں نے دنیا کے وہ عقائد اور وہ اعمال جو اس کو مرنے کے بعد نفع دیتے ہیں یا ضرر پہنچاتے ہیں بیان کر دیئے اور اس کے لیئے ایک دستور العمل دیا گیا جس کو ملت کہتے ہیں" (جیسے جو اسلام کے اصول قرار دیئے گئے ہیں وہ ملتِ ابراہیمیہ کی اصل ہیں) (تفسیر حقانیؒ ج ۲ صـ ۲۲۶)

۴۱۹۔ **مِلّتِ ابراہیمؑ:۔** مِلّتِ ابراہیمؑ ایک لقب ہے شریعتِ محمدیہؐ کا۔ سو یہ کہنا کہ ہم مِلّتِ ابراہیمؑ پر رہیں گے یا یہ کہنا کہ تم ملتِ ابراہیمؑ کا اتباع کرو، مترادف اور ہم معنی اس کا ہے کہ کہا جاوے کہ ہم شریعتِ محمدیہؐ پر رہیں گے اور تم شریعتِ محمدیہؐ کا اتباع کرو۔

۴۲۰۔ **مزدک:۔** مزدک ایک شخص کا نام ہے جو نوشیرواں بادشاہ کے باپ کے وقت

میں تھا۔ یہ شخص بڑا فصیح و بلیغ اور عقلمند تھا۔ اس نے ایک نیا مذہب اختراع کیا تھا جس میں بہت سی حرام باتوں کو حلال کیا تھا۔

جب نوشیرواں بادشاہ ہوا تب اس نے مزدک کو بمع اس کے تمام رفیقوں کے قتل کیا۔ اسی کے اختراع کئے ہوئے مذہب کو مزدکیہ کہتے ہیں۔

۴۲۱۔ مقامِ محمودؔ:۔ مقام معنی جگہ + محمود معنی تعریف کیا گیا۔ وہ مقام یا جگہ جو لائق تعریف ہو۔ یعنی جو مقام شفاعت کبریٰ ہے۔ اور شفاعتِ کبریٰ وہ ہے کہ جس میں تمام خلائق کے حساب و کتاب شروع ہونے کی شفاعت ہوگی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

(بنی اسرائیل ۹۶)

ترجمہ:۔ تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔

مقام محمود ہی مقامِ شفاعت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو جملہ اوّلین و آخرین حضور صلعم کی حمد کریں گے۔ (تفسیر خازن) اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری و امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انس رضی اللہ عنہٗ درج ذیل فرمایا ہے کہ۔

جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی۔ کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لئے پیش کریں۔ (تو خوب ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے، تب لوگ آدم کے پاس آئیں گے۔ اور کہیں گے کہ آدمؑ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ساتھ سے بنایا۔ پھر جنت میں ٹھہرایا۔ پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسمار کی تعلیم آپ کو دی۔ لہٰذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہیں گے نہیں میں نہیں کر سکتا۔ پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے۔ اور فرمائیں گے۔ تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ کہیں گے نہیں میں نہیں، وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ

سے حیا کا ذکر کریں گے۔ کہیں گے موسیٰؑ کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کیا اور انہیں توراۃ بھی دی۔ وہ کہیں گے نہیں میں نہیں۔ وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا۔ پھر کہیں گے کہ عیسیٰؑ روح اللہ کے پاس جاؤ۔ لوگ عیسیٰؑ روح اللہ کے پاس جائیں۔ لوگ عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے۔ میں نہیں۔ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ تب میں اپنے رب سے اِذن حاصل کروں گا۔ وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کر دوں گا۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا کہ اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا جس کو قرآن نے روک رکھا ہے۔ یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے۔

بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہ آیت عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی سے کیا ہے وہ یہی مقام ہے۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۳)

۴۲۲۔ مقامِ ابراہیمؑ:۔ مقامِ ابراہیمؑ بقول ابن عباسؓ وہ پتھر ہے کہ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی دیواریں چنتے تھے اور جوں جوں دیواریں بلند ہوتی جاتی تھیں وہ پتھر بھی بلند ہوتا جاتا تھا، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے اور یہ دعا کرتے جاتے تھے:۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (تفسیر کبیر) اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کا نشان تھا جو لوگوں کے کثرت سے ہاتھ پھیرنے سے اب بخوبی معلوم نہیں ہوتا۔ بیہقیؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ یہ پتھر جناب رسولِ خدا صلعم

اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں کعبہ سے متصل تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جو سیلاب آیا کہ جسے ام نہشل کہتے ہیں یہ پتھر بہہ گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کو منگا کر کعبہ کے پاس ایک جگہ رکھ دیا اور اس کے ارد گرد پتھروں کی دیوار چن دی۔ چنانچہ اب تک وہ پتھر وہیں ہے اور اس کے ارد گرد جالیاں بنی ہوئی ہیں۔

امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ وغیرہم ہمہ علماء یہ فرماتے ہیں کہ طوافِ کعبہ کے بعد دو رکعت نماز اس پتھر کے سامنے پڑھنی چاہئیں کہ یہ بمنزلہ امام کے آگے ہو، اور جو ازدحام ہو تو اس کے متصل پڑھ لے۔ چنانچہ صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا طواف کر کے مقامِ ابراہیمؑ کی طرف قصد کیا اور اس کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ آیت پڑھی:۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ اور کتب صحاح ستہ میں یہ بھی ہے کہ اس امر میں بھی حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلعم سے یہ استدعا کی تھی سو یہ آیت نازل ہوئی۔

چونکہ یہ پتھر متبرک ہے اس لئے ایسے مقامات پر یا اس کے متصل عبادت الٰہی کرنا باعثِ قبولیت ہے۔ یہ دو رکعت امام اعظمؒ کے نزدیک واجب ہیں اور امام شافعیؒ سُنت یا فرض کہتے ہیں مگر استحباب موکدہ میں سب کا اجماع ہے۔

(تفسیر عزیزی ماخذہ تفسیر حقانی ر ۲ ص ۲۲۸ ج ۲)

۲۲۴۔ مُعجِزہ کی حقیقت:۔ مُعجِزہ معنی عاجز کرنے والا۔ واضح ہو کہ اگر نبی سے کوئی بات خلافِ عادت سرزد ہو جس کے کرنے میں اور مخلوق عاجز ہو تو اس کا نام معجزہ ہے۔ اور اگر کسی ولی سے ایسی بات صادر ہو تو اس کا نام کرامت ہے۔ اور اگر کسی کافر سے ایسی بات ظاہر ہو تو اس کو اِستدراج (یعنی خلاف قیاس) کہتے ہیں۔

"معجزہ لغت میں عاجز کر دینے اور تھکا دینے والی چیز کو کہتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں ایسے عمل کا نام ہے جو سلسلۂ اسباب کے بغیر عالمِ وجود میں آئے۔ اس کو عام بول چال "خرق عادت" بھی کہتے ہیں (یعنی کنایہ اولیاءؒ کی کرامات سے اس لئے کہ یہ خلافِ عادت

ہوتی ہیں، اس طرح خدائے تعالیٰ اپنے سچے رسول اور پیغمبر کی صداقت و حقانیت کی تصدیق کرتا اور جھٹلانے والوں کو یہ باور کراتا ہے کہ اگر یہ مدعی رسالت اپنے دعوے میں صادق نہ ہوتا تو خدا کی تائید کبھی اُس کے ساتھ نہ ہوتی، پس عام قانون قدرت سے جدا رسول و پیغمبر کا یہ عمل ظاہر کرتا ہے کہ درحقیقت یہ اس کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا اپنا فعل ہے جو عادتِ خاص کی صورت میں نبی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتا کہ اس کی صداقت کی دلیل بن سکے۔

اور اس میں شک نہیں کہ اگر کسی نبی اور پیغمبر کو معجزہ نہ بھی دیا جاتا تب بھی عقلی دلائل و براہین کی روشنی میں اس کی صداقت کا ثبوت اظہر من الشمس ہوتا اور اس کا انکار محض بغض عناد سمجھا جاتا، اور بے دلیل انکار مانا جاتا۔ اور اگرچہ آفتابِ صبح سے زیادہ روشن دلائل و براہین خواص و عوام کو قائل کرنے کے لئے کافی و شافی ہیں مگر عوام عموماً اس وقت تک اُن کی جانب متوجہ نہیں ہوتے اور ان کا قلب و دماغ اس وقت ان سے متاثر نہیں ہوتا جب تک اُن دلائل کے ساتھ ساتھ ایسی کوئی نشانی بھی نہ ہو جو یکلخت ان کو مرعوب کر دے اور وہ یقین کر لیں کہ ایسی طاقت کا مالک وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا کی تائید حاصل ہو۔

اس لئے ہر خاص و عام کے لئے یہ اعتقاد ضروری ہے کہ انبیاء و رسل سے جو معجزات ثبوت اور دلالت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی ثابت ہو چکے ہیں ان پر ایمان لائے اور اُن کے وجود اور ان کی حقیقت کا اعتراف کرے۔ اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار درحقیقت اسلام سے انکار ہے۔

البتہ یہ حقیقت کبھی فراموش نہ ہونی چاہیئے کہ کسی شخص سے صرف اس قسم کے خارقِ عادت عمل صادر ہونے کا نام معجزہ نہیں ہے اور محض اس عمل کے بروئے کار لانے سے وہ نبی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نبی اور رسول کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس کی تمام زندگی اس طرح آزمائش و امتحان کی کسوٹی پر اُتر چکی ہو کہ اس کا کوئی شعبۂ زندگی ناقص اور قابلِ اعتراض نہ ہو بلکہ اس کی تمام تر زندگی میں اخلاق کی

بلندی، گناہوں سے معصومیت اور صداقت گفتار و کردار کا کمال ہی پایا جاتا ہو۔ پھر اگر ایسا شخص دعوائے نبوت کرتا اور اپنے دعوے کی صداقت میں علمی دلائل و براہین کے علاوہ خدا کے نشانات (معجزات) بھی پیش کرتا ہے تو بلاشبہ وہ نبی ہے اور بلا ریب اس کا یہ فعل "معجزہ" ہے۔" (قصص القرآن ج اوّل اختصار کے ساتھ ماخوذ)

۴۲۴۔ مستشرقین:۔ یورپ میں جو علماء مشرق کی تاریخ و علوم و فنون اور تمدن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اُن کے متعلق اپنے نظریات قائم کرتے ہیں اُن کو مستشرقین کہتے ہیں۔

اس دُنیا میں سب ہی قسم کے لوگ جن میں عالم و فاضل بھی ہوتے ہیں اور کم سمجھ بھی رہتے ہیں اور سب ہی اپنے اپنے شوق و ذوق کے مطابق دنیا کی دوسری اقوام اور اُن کے ملک و مذہب کے بارے میں اپنے خیالات قائم کرتے ہیں۔ لیکن جو اپنی قوم اور اپنے ملک کو دوسروں پر ترجیح دینے کے ماسوا اور کچھ نہیں دیکھتے وہ متعصب کہلاتے ہیں۔ اور اسی لئے ان میں سے بعض اگرچہ حقیقتاً دلچسپی اور مہارت رکھتے ہیں' مگر اکثر محض ظنی اور تخمینی بلکہ من گھڑت نظریئے قائم کر کے مشرق سے یا تعصب کا ثبوت دیتے ہیں یا اپنی کم مائگی علم کا۔

بس یہی بات یورپ کے مستشرقین میں پائی جاتی ہے کہ وہ عرب اور مشرق کے بارے میں اپنی دلچسپی و مہارت تاریخ کا ثبوت دیتے ہیں اور تحقیق کے نام سے غلط دعوے کرتے ہیں۔

۴۲۵۔ مہمان نوازی:۔ مُہمان معنی وہ شخص جو کسی کے گھر آئے۔ یہ لفظ مشتق ہے مہ اور مان سے۔ مہ بمعنی چاند اور مان بمعنی مانند سے مانند چاند کے۔ چونکہ مہمان کی خاطر تواضع کرتے ہیں لہٰذا مانند چاند کے ہوا۔

مسلمان مہمان نواز مشہور ہے اور یہ فضیلت اس کی فطرت میں شامل ہے۔ ہم یہاں پر اس عنوان سے مسلمان کی اسی فطری فضیلت پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

مسلمان بحمد اللہ ملتِ ابراہیمیؑ کا پابند ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کا پیش کرتے ہیں

"بعض کتابوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کے سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ منقول ہے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حسب دستور حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی مہمان کے انتظار میں جنگل میں کھڑے تھے۔ کیونکہ بغیر مہمان کے نہ ان کا دسترخوان بچھتا تھا اور نہ وہ کھانا کھاتے تھے۔ سامنے سے ایک بہت بوڑھا آدمی نظر پڑا جس کمر جھکی ہوئی تھی اور لکڑی کے سہارے بمشکل چل رہا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھے اور مسرت کے ساتھ اس کو سہارا دیتے ہوئے گھر لائے۔ دسترخوان بچھا، اور کھانا چُنا گیا۔ جب سب فارغ ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ اس خدائے یکتا کا شکر ادا کر جس نے ہم سب کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں۔

بوڑھے نے خشمناک (غصہ) ہو کر کہا۔ میں نہیں جانتا کہ تیرا خدائے واحد کون ہے۔ میں تو اپنے معبود (بُت) کا شکر ادا کرتا ہوں جو میرے گھر میں رکھا ہے۔

یہ جواب ابراہیم علیہ السلام کو بہت شَاقّ (یعنی مشکل) گذرا۔ اور اس کو فوراً گھر سے رخصت کر دیا۔ لیکن کچھ وقفہ نہ گزرا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے دل پر اپنے اس عمل سے تکدّر (یعنی گدلاپن) محسوس ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ جس خدائے واحد کا شکر میں اس سے کرانا چاہتا تھا اُس کی شان تو یہ ہے کہ اس بوڑھے کی اِس طویل عمر میں وہ برابر اپنی نعمتوں سے اس کو نوازتا رہا اور اس کی بُت پرستی، کفر، اور شرک سے ناراض ہو کر ایک وقت بھی اُس پر رزق کا دروازہ بند نہیں کیا پھر تجھ کو کیا حق تھا کہ اگر اس نے تیری بات نہ مانی اور حق کے کلمہ کو قبول نہ کیا تو خفا ہو کر اس کو گھر سے نکال دیا۔

یہ واقعہ اپنی تاریخی حیثیت میں قابل قبول تھا یا نا قابلِ قبول ہو لیکن اِس حقیقت کا ضرور اعلان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاقِ کریمانہ کی وہ بلندی جو "حقیقی مثلِ اعلیٰ" تک پہنچی ہوئی تھی ضرب المثل اور زبان زدِ خلائق

تھی۔ اور ان کا یہ فکر، پیغامِ حق اور دعوتِ اسلام کے لئے بہترین اسوہ ہے۔"
(قصص القرآن ج ۱)

۴۲۶ مرنے والے کی بُرائی کرنا:۔ بُرائی معنٰی عیب نکالنا۔

یہ دُنیا چند روزہ ہے۔ اس میں جو آیا ہے۔ وہ ایک دن اپنے اصل مقام پر جائے گا بھی۔ ہر شخص کو یہ فانی دنیا ایک دن چھوڑنی بھی ہے۔ لہٰذا یہ خیال ہر شخص کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اس پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ اُس کا اصلی مقام آخرت ہے جہاں اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہے اور اُس آخرت میں اِس کے اچھے عمل جو اس نے اس چند روزہ دنیا میں کیئے ہیں وہ ہی اس کے لئے وہاں پر چین اور راحت کی زندگی گزارنے کے ثمرات ہوں گے۔ اس لیئے انسان کو چاہیئے کہ وہ اس دنیا میں نیک کام کرے کسی کو ناحق نہ ستائے، کسی کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے کسی کی غیبت نہ کرے، ہر بُری بات کو بُری سمجھے، یہی نہیں بلکہ مرنے والے کی اگر کوئی بُری بات اُس نے دیکھی یا سُنی ہو تو اُسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے، بلکہ بھول جائے، اُس کی مغفرت کے لیئے دُعا کرے تاکہ تمہارے مرنے کے بعد بھی لوگ تمہیں بُرا نہ کہیں، تمہارے لیئے بھی تمہاری مغفرت کی دعا کیا کریں۔ مرنے والے کی بُرائی کے متعلق ایک حدیث ہے جس میں مُردوں کے بُرا کہنے کی ممانعت ثابت ہے۔

"حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مُردوں کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ جو کچھ کر چکے ہیں اُس سے ہم کنار وہم آغوش ہو چکے۔" (صحیح بخاری اردو ج ۱ ص ۲۱۴)

۴۲۷۔ مُعامِلات اور لین دین:۔ مُعامِل معنٰی معاملہ کرنے والا، بمعنی بیچنے والا، مول لینے والا + لین دین معنی خریدنا، بیچنا۔

سب سے بہتر کام دستکاری ہے جو انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔ کام کرنا ہی آدمی کے لیے سب سے بڑی بڑائی اور عزت ہے۔ بے کار لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھے

جاتے۔ پیشہ کوئی سا بھی ہو اُسے اختیار کرنا چاہیئے البتہ شرع اُس کی اجازت دیتا ہو اُس پیشہ کا کرنا جائز ہو۔ مانگنے کا پیشہ سب سے بدتر اور ذلیل ہے اور گناہ ہے۔ اس سے بہتر تو گھاس کاٹ لے اور لکڑی لاکر بیچ لے۔ اگر ایسی ہی سخت مصیبت پڑ جاتے اور بغیر سوال کئے نہ بَن پڑے تو کسی صاحبِ استطاعت، نیک بخت اور دیندار لوگوں سے طلب کرے جو راہِ خدا ایں دے کر احسان نہ جتاتے ہوں اس میں کم ذِلت ہے۔

"جو چیز حرام ہو اس میں ہیر پھیر کر کے حیلہ وتاویل مت کرو اللہ تعالیٰ دل کو دیکھتا ہے۔ مفت خوری سے بہتر ہے کہ عالی ہمتی سے کماتے اور دوسروں کی خدمت کرے، جس چیز میں عادت صاف نہ ہو اور دل کھٹکتا ہو وہ چھوڑ دینے کے قابل ہے، جس پیشہ میں ہر وقت نجاست کے ساتھ لگا رہنا پڑتا ہو ایسے پیشے اور کمائی سے بچنا چاہیئے۔ جو چیز گناہ کا آلہ بنائی جائے اس کو مت بیچو، خرید و فروخت اور اپنے حق کے مطالبہ کے وقت نرمی برتتے تنگ گیری اچھی نہیں۔ سودا بیچتے وقت بہت قسمیں نہ کھاؤ اس میں ایک آدھ جھوٹ بھی نکل جاتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ اس سے برکت مٹ جاتی ہے۔ تجارت بہت عمدہ چیز ہے، امانت وراستی اس کا جزو اعظم ہے۔ اس سے دنیا میں اعتبار ہوتا ہے اور انبیاء و صدیقین و شہدا کی ہمراہی نصیب ہوتی ہے۔ معمول رکھو کہ منافع تجارت سے کچھ خیر خیرات نکالتے رہا کرو، بعض باتیں ناہموار تجارت میں ہو ہی جاتی ہیں خیر خیرات سے کسی قدر اس کے وبال میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ اگر تمہارے سودے میں کچھ عیب ہو ہرگز اس کو پوشیدہ مت رکھو صاف کہہ دو۔ اس کے چھپانے سے برکت مِٹ جاتی ہے۔ سود کا لین دین تحریر گواہی کچھ مت کرو سب پر لعنت آئی ہے۔

جو چیزیں ناپ تول کر بکتی ہیں اُن کو ٹھیک ناپ تول کر دو اور لو۔ کسی چیز کی بیجا تعریف نہ کرو یہ منع ہے۔ کسی ایسی چیز کو بیچ کر ٹالنے کی کوشش نہ کرو جو لینے والے کے بھی کام نہ آسکے۔ ہر بیچنے والی چیز کو صاف ستھری رکھو تاکہ خریدار کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

۴۲۸۔ **میاں بیوی کی تعریف:**۔ میاں بیوی معنی شوہر و بی بی۔ + تعریف معنی

بیان کرنا، کسی کو اچھا کہنا۔

اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کا ایک ایسا جوڑا بنایا ہے جو ایک دوسرے کے تاحیات مضبوط ساتھی ہیں۔ اگر ان دونوں کے آپس میں اچھے تعلق ہیں تو دنیا میں ہی جنت کی ایک بہار ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ ساری ہی پریشانیاں یا مشکلیں یہ دونوں نہایت آسانی سے برداشت کر لیتے ہیں اگر یہ دونوں باہم ایک رائے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ (سورۂ بقرہ ع ۲۳) ترجمہ:۔ بیویاں اپنے شوہروں کے لئے اور شوہر اپنی بیویوں کے لئے لباس اپنے پہننے والے کے عیوب کو چھپاتا ہے، اسی طرح زن و شوہر کے باہمی تعلقات ہونے چاہئیں۔ وہ گرم و سرد زمانہ سے ایک دوسرے کا بچاؤ ہوں۔ ایک دوسرے کا حُسن و جمال باہمی اُلفت سے ترقی کرے۔ عورت کو دیکھ کر اس کے شوہر کی تہذیب اور شوہر کو دیکھ کر عورت کی تمیز کا اندازہ کیا جا سکے۔ ایک دوسرے کے رازدار ہوں۔

"خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔ (الروم ع ۳)

ترجمہ:۔ خدا نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں۔ تاکہ تسکین پکڑو اور میاں بیوی کے درمیان خدا نے محبت اور پیار ڈال دیا۔" (رحمۃ اللعالمین ج اول)

۴۲۹۔ موجوداتِ عالم انسان کے فائدے کے لئے ہیں:۔

موجوداتِ عالم معنی دُنیا کی ہر چیز جو اللہ تعالیٰ نے اس عالمِ جہان میں پیدا فرمائیں ہیں۔ + فائدہ معنی نفع۔

اللہ جلّ جلالہٗ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کے فائدہ کے لئے اس عالم میں ہر شے کو پیدا فرمایا تاکہ انسان ان سے نفع حاصل کر سکے۔ اس لیے انسان کو چاہیئے کہ اُس خالق مطلق کی پیدا کی ہوئی ہر شے سے اُس حد تک فائدہ و نفع اُٹھائے جس حد تک اُس کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام نے انسان کو ہدایات و تاکید فرمائی

ہے۔ اس سے زیادہ اپنے تصرف میں لانا منع ہے۔ گناہ ہے۔ اور گناہوں کے کاموں سے ہر وقت بچنا چاہیئے۔ یہی انسان کی انسانیت کا تقاضا بھی ہے اور یہی دین کی سچی تعلیم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (بقرہ)، ترجمہ:۔ خدا وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمہارے فوائد و منافع کے لئے روئے زمین کی تمام اشیاء پیدا کی ہیں۔"

۴۳۰۔ **مذہب اسلام میں اکراہ و جبر نہیں:۔** مذہب معنی دین۔+ اسلام معنی مسلمان ہونا۔ خدا کے حکم پر آمادہ بہ تعمیل ہونا۔+ اِکْرَاہٌ معنی نفرت کرنا۔ کسی سے زبر دستی کوئی کام کرانا۔+ جبر معنی زبردستی کرنا۔

"مسلمانوں نے مشرکین سے جتنی بھی لڑائیاں لڑیں کسی میں ابتدا نہیں کی۔ یہ تمام لڑائیاں صرف حملہ آوروں کے حملوں کو روکنے اور ان کے شر سے بچنے کے لیے کی گئیں تھیں۔ اور یہ وہ ناگزیر لڑائیاں تھیں جن میں اللہ کا برگزیدہ نبی صلعم اور مسلمان اضطرار (یعنی ناچاری کی حالت میں) تقریباً سات سال کے درمیانی عرصہ میں شریک ہوتے رہے۔

نبوت کے تمام زمانے میں ایک شخص بھی اس لئے قتل نہیں ہوا کہ وہ بت پرست یا عیسائی یا یہودی تھا۔ قرآن مجید میں اس مطلب کو اللہ تعالیٰ نے بخوبی واضح فرمادیا تھا کہ دنیا میں مذہب و اعتقاد کا اختلاف ہمیشہ تک رہے گا۔ اسلئے مذہب کے لیئے کسی شخص پر جبر کرنا جائز نہیں۔ مندرجہ آیاتِ ذیل اس مطلب کے لئے صاف ہیں:۔

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ (بقرہ ۳۴)	(۱) دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں۔ ہدایت اور گمراہی اچھی طرح ظاہر ہوگئی ہے+
(۲) وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا ۝	(۲) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو زمین پر سب کے سب باشندے ایمان لے آتے

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورۂ یونس)	کیا تو ان لوگوں پر جبر کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں۔
(۳) وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (سورۂ ھود ع ۱۰)	(۳) اگر تیرا پروردگار چاہتا ... تو سب لوگوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔ اور وہ تو ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے (تو بجز ان کے جن پر تیرے رب نے رحم کیا ہے) اور ان کو اسی لئے پیدا کیا ہے۔
(۴) اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔	(۴) تو اسے ہدایت نہیں دے سکتا جس سے محبت کرتا ہے۔ مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔
(۵) نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝ (سورہ ق ع ۳)	(۵) جو کچھ باتیں یہ لوگ کرتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ اور تو اُن پر جبر نہیں کر سکتا۔ ہاں قرآن کا وعظ کر پھر جو کوئی عذاب الٰہی سے ڈرتا ہے ڈرے۔" (رحمۃ اللعالمین ج ۱ ص ۱۶۶)

۴۳۱ مُباہلہ:- مُباہلہ معنی ایک دوسرے کو نفریں کرنا۔ ایک دوسرے کے حق میں دُعائے بد کرنا۔

جب کسی منکر پر حق ثابت کرنا ہوتا ہے تو مباہلہ کیا جاتا ہے۔ جس میں ہر ایک فریق اپنے عزیز، اولاد اور عورتوں کو ساتھ لے کر نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کرتا ہے کہ الٰہی جو گروہ جھوٹا ہو اُس پر تیری مار وہ غارت ہو جائے۔

یہ منکر سے حق پر بحث کرنے کے لئے ایک اچھوتا پہلو ہے یعنی خدا سے دعا مانگنا اور جھوٹے پر لعنت برسانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مباہلہ توحید کے اثبات اور استحکام کے لئے نکالا ہے۔ جب دلائل کا دروازہ بند ہو جائے۔

یہ لازم نہیں کہ ذرا ذرا سے اختلافات کو ہم مباہلہ سے طے کرنے کے خواہش مند ہوں۔

۴۳۲۔ مُردار جانور :۔ مُردار معنی ناپاک۔

لُغت میں میتہ اُس جانور کو کہتے ہیں جو بغیر ذبح مر جائے۔ جس کو مُردار کہتے ہیں، اور اسی لئے عرب مقتول اور میّت کے معنی میں فرق کرتے ہیں۔ اور شرع میں عام مُردار معنی لیے گئے ہیں یعنی جو کہ بطور معمولی ذبح نہ کیا جائے خواہ خود بخود مر جائے۔ خواہ ذبح معمولی نہ ہو، یعنی غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو یا حلقوم نہ کاٹا گیا ہو یا حلقوم بغیر نام اللہ کے کاٹا گیا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا دیوار پر سے گر کر مر گیا ہو یا اُس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو یا اُس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو، ان سب کو عرف شرع میں میتہ یعنی مُردار کہتے ہیں۔" (تفسیر حقانی ؒ صـ ۱۹ ج ۳)

۴۳۳۔ متّقی :۔ متّقی معنی پرہیزگار۔

یہود میں جو خدا ترس تھے اُن کو راہب کہتے تھے۔ اور اُمتِ محمدیہ میں خدا ترس کو متّقی کہتے ہیں۔

۴۳۴۔ مُنعِم حقیقی :۔ مُنعِم حقیقی معنی اصلی نِعمت دینے والا۔ یعنی خدائے تعالیٰ ہی بخشش کا عطا کرنے والا ہے۔

"نَعمت (جو زبر کے ساتھ لکھا جاتا ہے) لغت میں نرمی کو کہتے ہیں۔ ثوب ناعم اور جلد ناعم بولتے ہیں۔ یعنی نرم کپڑا یا نرم جلد۔ پھر اس حالتِ سرور و لذّت پر اسی مناسبت سے لفظ نِعمت بولنے لگے۔ لیکن مراد اس سے وہ چیزیں لینے لگے کہ جن سے انسان کو راحت و سرور پیدا ہوتا ہے اور انعام نِعمت کسی کو اس طرح پر دینا کہ اس سے صرف احسان مقصود ہو اپنی کوئی غرض نہ ہو۔ اور اسی لیے خدائے تعالیٰ کے سِوائے کسی کو منعم حقیقی نہیں کہہ سکتے۔"

(تفسیر حقانی ؒ ج دوم)

۴۳۵۔ مومنِ کامل:۔ جو شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہو اور زبان سے اقرار بھی اور اس کے ساتھ اعمال صالحہ بھی عمل میں لاتا ہو وہ بالاتفاق مومنِ کامل قرار دیا جائے گا کیونکہ تصدیق بالجناں اقرار باللسان عمل بالارکان سب پائے گئے ہیں۔

۴۳۶۔ مُنکر و معروف کیا ہے؟:۔ مُنکر معنی ناشائستہ۔ وہ بات جو خلافِ شرع ہو۔ + مُعْرُوْف معنی پہچانا ہوا۔ نیکی، خیر۔

"قرآنِ کریم کی یہ اصطلاح "معروف و منکر" بہت وسیع ہے۔ چونکہ ہر خیر، مفید، کارآمد اور پسندیدہ چیز خیر کے مفہوم میں اور اس کے بالمقابل ہر شر، ناپسندیدہ چیز منکر میں داخل ہے۔ امام ابو بکر حصاصؒ فرماتے ہیں:۔ والمعروف ماحسنہ الشرع والعقل:۔ یعنی معروف ہر وہ شے ہے کہ جس کو شریعت اور عقل نے حسن (یعنی عمدہ) کہا ہو۔۔۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔ والمعروف ھو ماحسن فی العقل فعلہٗ ولم یکن منکرًا عند ذوی العقول الصحیحۃ:۔ معروف وہ ہے جس کا کرنا عقل کے نزدیک پسندیدہ ہو اور عقل سلیم رکھنے والوں کی نظر میں وہ منکر میں داخل نہ ہو۔

امام ابو بکر رازیؒ اس کے مفہوم کی وسعت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔ کلمۃ جامعۃ لجمیع جھات الامر بالمعروف:۔ امر بالمعروف کی تمام جہتوں (یعنی شکلوں) کو یہ کلمہ جامع ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر ان کلمات سے بیان فرمائی ہے:۔ التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ:۔ امر بالمعروف سے مراد اللہ کے امر کی عظمت اور مخلوقِ خدا پر شفقت کرنا ہے۔"

(مشکوٰۃ الانوار شرح اُردو نور الانوار)

۴۳۷۔ مال انبیاء علیہم السلام کا وارث :۔ وَارِث معنی میراث لینے والا۔

"صحاح ستہ میں متعدد جلیل القدر صحابہؓ سے یہ روایت منقول ہے :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال نحن معاشر الانبیاء لانورثہ ماترکنا فھوصدقۃ (الحدیث)

ترجمہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ہم جماعت انبیاء کی وراثتِ مالی کا سلسلہ نہیں چلتا اور ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہو جاتا ہے۔

یہ روایت صراحت کرتی ہے کہ انبیاء علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ وہ مساکین اور فقراء کا حق اور خدا کے نام پر صدقہ ہے۔

دراصل نبی کی فطرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ مال جیسی حقیر شے پر ان کی وراثت کا اِنتِساب (یعنی نسبت) ہو اس لئے کہ جن ہستیوں کا مقصدِ حیات تبلیغ وارشاد اور راہِ خدا کی دعوت ہو وہ کب یہ گوارا کر سکتی ہیں کہ علوم وفیوضِ نبوت کے علاوہ ایک ادنیٰ شے ان کی وراثت قرار پائے بلکہ بربِنا، بشریت بقاءِ حیات کے لیئے وہ جو کچھ مال کی صورت میں رکھتے تھے پسِ مُردَن صرف خدا کی ملکیت ہو جانا چاہیئے جو فقراء اور مساکین کا حصہ ہو سکتا ہے نہ کہ اُس اولوالعزم کے نسل و خاندان کا۔"

(قصص القرآن ج ۲)

۴۳۸۔ ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا :۔ سُلوک معنی نیک چال چلنا کاموں میں نیک روی کرنا

صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کی نزدیکی ڈھونڈنا۔

اس عنوان پر ماں باپ کے متعلق برتاؤ کرنے میں جو کچھ بھی بیان کر دیا جائے وہ کم ہے۔ اس لیئے سب سے بہتر اس سلسلہ میں قولِ باری تعالیٰ کا بیان کر دینا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماں باپ سے سلوک کرنے کے بارے میں قرآن مبارک میں ارشاد فرمایا ہے :۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ

أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (بنی اسرائیل ع ۳)

ترجمہ :۔ اور تم (اپنے) ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ سو ان کو کبھی (ہاں سے) ہوں بھی مت کرنا اور نہ ان کو جھڑکنا۔ اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔ اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا۔ اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔

۴۳۹ مالِ غنیمت :۔ مالِ غنیمت معنی لوٹ کا مال۔

"لوٹ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو کافروں سے لڑ کر ہاتھ آتے۔ اور دوسرے وہ جو بلا جنگ و جدال ملے۔ اور اس میں مجاہدینِ اسلام تملیک و تقسیم کے حقدار نہ ہوں۔ پہلی صورت کو مالِ غنیمت کہتے ہیں اور دوسری صورت کا نام فئے ہے۔ مال فئے سب کا سب بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ مالِ غنیمت کے پانچ حصّے کیے جاتے ہیں۔ چار حصّے لشکرِ اسلام میں تقسیم ہوتے ہیں اور پانچواں حصّہ فی سبیل اللہ علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔

۴۴۰۔ محراب :۔

محراب کے اصلی معنی اوزار لڑنے کا۔ اصطلاح میں اس طاق کو کہتے ہیں جو بشکلِ کمان مسجد کے اندر کے درجہ میں بطرف قبلہ بناتے ہیں، چونکہ وہ ایک آلہ ہے شیطان سے لڑائی کا اس لیے اس کا نام محراب رکھا۔ ویسے صدرِ مجلس کو بھی محراب کہتے ہیں۔

۴۴۱۔ مسواک :۔ مسواک معنی وہ لکڑی جس سے دانت صاف کرتے ہیں۔

مِسواک کا کرنا سُنّت ہے جس کی طرف عام طور پر بے توجہی ہے یعنی کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز سے جو بلا مسواک پڑھی جائے ستّر درجہ افضل ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مسواک کا اہتمام کیا کرو اس میں دس فائدے ہیں۔ منہ کو صاف کرتی ہے۔ اللہ کی رضا کا سبب ہے۔ شیطان کو غصّہ دلاتی ہے۔ مسواک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ اور فرشتے محبوب رکھتے ہیں۔ مسوڑوں کو قوت دیتی ہے۔ بلغم کو قطع کرتی ہے۔ منہ میں خوشبو پیدا کرتی ہے۔ صفراء کو دور کرتی ہے۔ نگاہ کو تیز کرتی ہے۔ منہ کی بدبُو دور کرتی ہے۔ اور علماء نے لکھا ہے کہ مسواک کے اہتمام میں ستر فائدے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمۂ شہادت پڑھنا نصیب ہوتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل افیون کھانے میں ستّر مضرتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مرتے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔" (فضائل نماز)

۴۴۲۔ مَقامِ امن :- مقام امن معنی حدود کعبہ جس کو حرم کہتے ہیں۔

اس مقام کو یعنی حدود کعبہ جس کو حرم کہتے ہیں دو وجہ سے مقام امن فرمایا۔ ایک تو یہ کہ اس میں حج و عمرہ اور نماز و طواف کرنے سے عذاب دوزخ سے امن ہوتا ہے دوسرے اس وجہ سے کہ اگر کوئی خونی حدود کعبہ میں جس کو حرم کہتے ہیں جا گھسے تو وہاں اسے سزائے موت نہ دیں گے۔

۴۴۳۔ میزانِ عمل :- میزانِ عمل معنی عمل کی ترازو۔ وہ ترازو جس میں قیامت کے روز نیکیاں اور بدیاں تولی جائیں گی۔

قرآن مبارک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :- وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ (الاعراف ع۱)

ترجمہ :- اور اُس روز (یعنی قیامت میں) وزن بھی واقع ہو گا۔ پھر جس شخص کا پلّہ بھاری ہو گا سو ایسے لوگ کامیاب ہوں گے۔ اور جس شخص کا پلّہ ہلکا ہو گا، سو وہ وہ لوگ ہوں گے، جنھوں نے اپنا نقصان کر لیا۔ بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔

اِن آیات کی تفسیر میں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں :- " یعنی قیامت کے روز اس میزان میں ایمان و کُفر کا وزن کیا جائے گا اور اسی میزان میں ایک پلّہ خالی رہے گا۔ اور ایک پلّہ میں اگر وہ مومن ہے تو ایمان اور اگر وہ کافر ہے تو کُفر رکھا جائے گا۔ جب اس تول سے مومن و کافر متمیز ہو جاویں گے۔ (یعنی میزان کر لئے جاویں گے)، تو پھر خاص مومنین کے لیئے ایک پلّہ میں اُن کے حسنات (یعنی نیکیاں) اور دوسرے پلّہ میں اُن کے سیئات (یعنی بُرائیاں) رکھ کر ان اعمال کا وزن ہو گا اور جیسا کہ در منثور میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حسنات غالب ہوئے تو جنّت اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف (یعنی بہشت و دوزخ کے درمیان کی جگہ)، اس کے لئے تجویز ہو گی۔ پھر خواہ شفاعت سے قبل سزا خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی۔

۴۴۔ ماں کی فضیلت :- فضیلت معنی بزرگی، بڑائی۔

ماں کا درجہ بہت بڑا ہے۔ اس کی تعریف میں جو کچھ بھی لکھا جائے وہ کم ہے۔ اسلئے ماں کی فضیلت کے بارے میں جو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اُس سے بڑھ کر اور کوئی دلیل پیش کرنا فضول اور بے وزن ہے۔

ماں کی فضیلت کے متعلق صحیح نسائی میں حدیث ہے :-

اِنَّ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ اردت اغزو وقد جئت استشیرک فقال ھل لک من امّ قال نعم فالزمھا فَاِنَّ الجنّۃ عند رجلھا :-

ترجمہ:- جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میرا ارادہ جہاد کرنے کا ہے میں اس بارے میں حضورؐ سے مشورہ لینے آیا ہوں۔ رسول اللہؐ نے پوچھا تیری کوئی ماں ہے۔ وہ بولا ہاں۔ فرمایا: جا اس کی خدمت میں لگا رہ۔ اُس کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔

میر انیس نے خوب کہا ہے ؂ کہتے ہیں ماں کے پاؤں کے نیچے بہشت ہے۔

(رحمتہ اللعالمین ج ۲)

۴۴۵۔ مُحَبَّت اور عِشق:- مُحَبَّت معنی دوستی، اُلفت۔ یہ لفظ میم کے پیش سے غلط ہے۔+ عِشق معنی کسی شے کو نہایت دوست رکھنا۔

بعض طبیب کہتے ہیں کہ عِشق ایک مرض ہے قسم جُنون سے جو شکل حسین دیکھنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ ماخوذ ہے عشقہ سے جس کو لبلاب (ایک قسم کی بیل) اور عشق پیچاں بھی کہتے ہیں اور اس نبات کا قاعدہ ہے کہ جس درخت پر لپٹتی ہے اس کو خشک کر دیتی ہے۔ بس یہی حالت عشق کی بھی ہے کہ جس کو ہوتا ہے اس کو خشک اور زرد کر دیتا ہے۔

"قرآن کریم اور احادیث رسول کریم صلعم میں لفظ محبت کا استعمال ہوا ہے اور اس سے ثابت ہو گیا کہ محبت ہی صفت کمال انسانی ہے۔

محبت اور عشق میں یہ بھی فرق ہے کہ محبت رُوح کے میلان صحیحہ کا نام ہے اور عشق میں اس شرط کا پایا جانا ضروری نہیں۔ محبوب وہ ہے جو فی الواقع اپنے کمالات عالیہ کی وجہ سے محبت کیے جانے کے شایاں ہو۔ معشوق وہ ہے جسے کسی نے اچھا سمجھ لیا ہو۔

محبوب محبوب ہی ہے خواہ کوئی مُحِب پیدا ہو یا نہ ہو۔ مگر معشوق معشوق نہیں جب تک کوئی اس کا عاشق موجود نہ ہو۔

محبت روحِ انسانی کی وہ صفت نورانی ہے جو جسمِ انسانی میں آنے سے پیشتر بھی روح کے اندر پائی جاتی اور کارفرما تھی۔ محبت کے مدارج محبوب کے مدارج پر منحصر ہوتے ہیں۔ محبوب جتنا زیادہ ارفع و اعلیٰ ہوگا۔ محبت کا درجہ

بھی اُسی قدر ارفع ودائمی ہوگا۔ محبت کو ذات وصفات محبوب سے جس قدر زیادہ عرفان ہوگا۔ اُسی قدر زیادہ استحکام سے اُس کی جانب میلان ہوگا۔

يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ ۲۴)	مشرک لوگ شرکاء کے ساتھ اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں مگر جو ایمان والے ہیں اُن کی محبتیں خدا کے ساتھ بہت زیادہ بڑھی ہوتی ہیں۔

محبت ہی ہے جس کی صفت میں حبیب اللہ صلعم نے فرما دیا ہے:۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّهٗ ــــ ہر شخص کا حشر اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ (رحمۃ اللعالمین ج ۲)

۴۴۶۔ مسائل اور اُن کی قسمیں:۔

مسائل جمع ہے مسئلہ کی بمعنی دریافت کرنا۔ پوچھنا۔ + قسمیں جمع ہے قسم کی بمعنی طرح طرح۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ تمام مسائل کی دراصل تین قسمیں ہیں۔ (۱) احکام خدا۔ (۲) معمولِ رسول صلعم۔ (۳) مباحات یعنی عام دُنیوی اُمور۔

ان تین قسموں میں پہلی دو قسمیں دین ہیں۔ اور تیسری قسم دین نہیں ہے۔ محض دُنیوی اُمور ہیں کہ نہ اُن کا حکم ہے اور نہ ممانعت۔ نہ ان پر ثواب اور نہ ان پر عذاب۔

"پہلی دو قسمیں دین ہیں۔ رسول صلعم نے ان کا حکم اور ثواب یا ممانعت اور عذاب ارشاد فرما دیا ہے۔ اور تیسری قسم دین نہیں ہے نہ اس کا حکم ہے اور نہ ممانعت۔ نہ ان پر ثواب اور نہ عذاب۔ جب کوئی دنیوی امر پیش ہو تو شرعی اُصول وقواعد کے اندر رہ کر اُس پر عمل کرنا چاہیئے مگر اس کو دین میں داخل سمجھنا اور اس پر ثواب یا عذاب تجویز کرنا نہ چاہیئے۔ اِنہیں مباحات کو دین سمجھ لینا بدعت ہے۔

(۱) احکام خدا:۔ وہ کام جو خدا نے بندوں پر لازم کیئے ہیں۔ یہ جس طرح اُمت اور عام لوگوں پر ضروری ہیں اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی لازم تھے۔ ایسے احکام چار ہیں (اوامر میں) (۱) فرض (۲) واجب اور (نواہی میں) (۱) حرام۔

(۲) مکروہِ تحریمی۔

(۲) اعمالِ رسول صلعم:۔ وہ کام جو رسول صلعم نے پسند اور اختیار کیئے ہیں تاکہ خدائی احکام کی ادائیگی میں سہولت و اعانت ہو اور خدائی احکام کے عمل میں جو کوتاہیاں اور خرابیاں ہوگئی ہوں ان کی تلافی کر دیں۔

(۳) مباحات:۔ دنیا کے وہ تمام اُمور جن میں نہ خدا نے کوئی حکم دیا اور نہ رسول صلعم نے کوئی عملی نمونہ چھوڑا بلکہ رسول صلعم نے خدا کی اور اپنی پسند اور ناپسند کے جامع اُصول و قواعد اور حدود بھی بتا دیئے کہ دنیا کے کسی معاملے کے پیش آنے پر ان اُصول اور حدود کے اندر رہ کر عمل کر لیا کرو۔ چنانچہ اس کے دو بڑے شرعی اُصول یہ ہیں کہ

(۱) دنیوی اُمور اپنی ذات میں تو جائز اور مباح ہیں مگر بعض دیگر اُمور کے لحاظ سے ان میں عدم جواز و ممانعت پیدا ہو سکتی ہے۔

(۲) یہی جائز اور مباح دُنیوی اُمور جب عقیدہ خراب کرنے لگیں تو دین کو زوائد سے بچانا اور اس کا ترک کرنا فرض ہے۔" (معمولات نبویؐ)

❁ ن ❁

۷۴۴۔ نماز کی اَہمیت اور اُس کی تاثیر:۔

نماز معنی پرستش، عاجزی۔ نیاز۔ اَہمیت معنی جو نہایت ضروری ہو۔ تاثیر معنی اثر کرنا۔

ہم اس سے قبل کتاب ہٰذا کے حصہ اوّل میں نماز کے متعلق کافی بحث سے بیان کر چکے ہیں اس لئے یہاں پر ہم صرف نماز کی اہمیت اور اس کی تاثیر پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کتاب "اسلام کیا ہے؟" میں درج ہے کہ:۔

"اللہ اور اس کے رسول صلعم پر ایمان لانے اور توحید و رسالت کی گواہی دینے کے بعد سب سے پہلا اور سب سے بڑا فرض اسلام میں "نماز" ہے۔"

نماز اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت ہے، جو دن میں پانچ دفعہ فرض کی گئی ہے قرآن شریف کی پچاسوں آیتوں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سینکڑوں حدیثوں میں نماز کی بڑی سخت تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور اس کو دین کا ستون اور دین کی بنیاد کہا گیا ہے۔

نماز کی یہ خاص تاثیر ہے کہ اگر وہ ٹھیک طریقے سے ادا کی جائے اور اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے پورے دھیان سے خشوع وخضوع (یعنی عاجزی و گڑگڑانے) کے ساتھ پڑھی جائے تو اس سے آدمی کا دل پاک صاف ہوتا ہے، اور اس کی زندگی درست ہو جاتی ہے۔ اور برائیاں اس سے چھوٹ جاتی ہیں اور نیکی اور سچائی کی محبت اور خدا کا خوف اُس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام میں دوسرے تمام فرضوں سے زیادہ اس کی تاکید ہے۔ اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص آپؐ کے پاس آکر اسلام قبول کرتا تو آپؐ توحید کی تعلیم کے بعد پہلا عہد اس سے "نماز" ہی کا لیا کرتے تھے۔ الغرض کلمہ طیبہ کے بعد نماز ہی اسلام کی بنیاد ہے۔"

۴۴۸۔ نماز نہ پڑھنے والے :- احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہ پڑھنے کو کفر کی بات اور کافروں کا طریقہ قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے، اُس کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے کا ہی فاصلہ ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ بندہ اگر نماز چھوڑ دے گا تو کفر سے مل جائے گا، اور اس کا یہ عمل کافروں کا سا عمل ہوگا۔ نماز پڑھنا کتنی بڑی دولت اور کیسی نیک بختی ہے اور نماز چھوڑنا کتنی بڑی ہلاکت اور کیسی بدبختی ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ :-

"جو کوئی نماز کو اچھی طرح اور پابندی سے ادا کرے گا تو اُس کے واسطے قیامت میں وہ نور ہوگی اور اُس کے لئے (ایمان و اسلام کی) دلیل ہوگی، اور نجات دلانے کا

کا ذریعہ بنے گی۔ اور جو کوئی اُس کو خیال سے اور پابندی سے ادا نہیں کرے گا تو وہ اس کے لیے نور ہو گی اور نہ دلیل بنے گی، اور نہ وہ اُس کو عذاب سے نجات دلائے گی۔ اور وہ شخص قیامت میں قارونؔ، فرعونؔ، ہامانؔ اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔"

(مسند احمدؒ)

۴۹۔ نماز نہ پڑھنے والوں کی میدانِ حشر میں رُسوائی:۔

میدانِ حشر معنی میدانِ قیامت۔+ رُسوائی معنی ذِلت و خواری۔ بدنامی۔

"نماز نہ پڑھنے والوں کو قیامت کے دن سب سے پہلے سخت ذِلّت و رُسوائی اُٹھانا پڑے گی، اس کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ قلم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّیُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ خَاشِعَۃً اَبْصَارُھُمْ تَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ؕ وَقَدْ کَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ وَھُمْ سَالِمُوْنَ ۝ ان آیات کا مطلب اور خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن (جبکہ نہایت سخت گھڑی ہو گی، اور شروع دُنیا سے لے کر قیامت تک کے سارے انسان محشر میں جمع ہوں گے)، تو اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تجلّی ظاہر ہو گی، اور اُس وقت پکارا جائے گا کہ سب لوگ اللہ کے حضور سجدے میں گر جائیں تو جو خوش نصیب اہلِ ایمان دنیا میں نمازیں پڑھتے تھے اور اللہ کو سجدے کیا کرتے تھے وہ تو فوراً سجدے میں چلے جائیں گے۔ لیکن جو لوگ تندرست اور اچھے ہٹے کٹے ہونے کے باوجود نمازیں نہیں پڑھتے تھے اُن کی کمریں اس وقت تختے کی مانند سخت کر دی جائیں گی اور وہ کافروں کے ساتھ کھڑے رہ جائیں گے، سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اور اُن پر سخت ذلت و خواری کا عذاب چھا جائے گا۔ اور ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی۔ اور وہ آنکھ اٹھا کر کچھ دیکھ بھی نہ سکیں گے، دوزخ کے عذاب سے پہلے ذِلّت و خواری کا یہ عذاب اُنھیں سرِ محشر ساری دُنیا کے سامنے اُٹھانا ہو گا۔" (اسلام کیا ہے؟)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عذاب سے بچائے۔ آمین۔

۴۵۰۔ نصاریٰ :۔ نصاریٰ معنی عیسوی۔ عیسائی۔

یہود کے معنی تو ظاہر ہیں کہ بنی اسرائیل کو کہتے ہیں۔ مگر وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ قوی یہ ہے کہ یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھا کے نام سے یہ قوم نامزد ہو گئی۔ اور نصاریٰ عیسائیوں کو کہتے ہیں۔ اس لیئے کہ ناصرہ شام میں ایک گاؤں ہے وہاں آکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہے تھے۔ اور یہ لفظ عیسائیوں میں سے ایک فریق خاص کے لیئے بھی بولا جاتا ہے۔ یعنی کلیسائے عرب کے لیئے۔

۴۵۱ نفسِ ناطقہ :۔ نفسِ ناطقہ معنی حکماء کی اصطلاح میں روح و جان کو کہتے ہیں۔

"انسان دراصل روح ہے کہ جس کو نفسِ ناطقہ بھی کہتے ہیں۔ اور جو اُس جسم سے پیشتر بھی تھی اور اس کی مفارقت (یعنی جدائی) کے بعد بھی رہے گی۔ اور یہ جسم خاکی کمالات حاصل کرنے کے لیئے اُس کا آلہ یا مرکب ہے۔ جس طرح آئینہ میں ذاتی جوہر ظاہر کرنے کے لیئے راکھ یا کھریا لگا دیتے ہیں تاکہ اس کے بعد رگڑنے سے اُس کا جوہر ذاتی نکل آئے۔ اور یہ خوب صاف و شفاف ہو کر چکنے دمکنے لگے۔ اسی طرح حضرت روح کو اس جسم کے ساتھ اسی غرض سے وابستہ کیا ہے۔ یعنی بنیاد بنایا ہے۔ پس اصل و بالذات روح کی صفائی مقصود ہے تاکہ یہ اُس مبدا و نور سے تشبہ حاصل کر کے اُس سے جا ملے اور اسی کو سعادتِ عظمیٰ کہتے ہیں۔ اور اسی کو اصلی کمال اور اسی کو اتمام سلوک کہتے ہیں۔" (تفسیر حقانی ج ۲)

۴۵۲۔ نکاح روزِ اوّل میں :۔ نکاح معنی شادی کرنا۔

"حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا وہ بعد میں منسوخ ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں منسوخ ہوا۔

ہمیں ناسخ و منسوخ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ناسخ اور منسوخ اپنے اپنے وقت پر حق ہیں۔
نسخ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی امر کے لئے حکم دیں پھر اس کے بعد دوسرا حکم دیں جس
سے پہلا حکم منسوخ ہو جائے۔ اس کے بعد دوسرے حکم پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے
اور پہلے حکم پر عمل کرنا ناجائز (عقائد الاسلام ادریسی)

۴۵۲۔ نیک کام میں خرچ کرنا :- نیک معنی اچھا۔ + کام معنی مقصد۔ + خرچ کرنا معنی استعمال میں لانا۔

اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قدر عطا فرمایا ہے اُسے چاہیئے کہ وہ اس کا صحیح استعمال
کرے۔ اپنے خرچہ کے ساتھ ساتھ راہِ خدا میں بھی خرچ کرنا چاہیئے۔ اور اپنے خدا کا ہر
وقت شکر ادا کرتا رہے۔ واضح ہو کہ ہر چیز میں نیک نیت ہونا سب سے زیادہ ضروری
ہے کیونکہ جیسی نیت ہوگی اس کا ویسا ہی ثواب ہوگا۔

"نیک کام میں خرچ کرنا باعتبار نیت کے تین قسم کا ہے۔ ایک نمائش کے ساتھ۔
اس کا کچھ ثواب نہیں، دوسرے ادنیٰ درجہ کے اخلاص کے ساتھ۔ اس کا ثواب دس
حصہ ملتا ہے۔ تیسرے زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجہ کے ساتھ اس کے
لیے اس آیت میں وعدہ ہے دس سے زیادہ سات سو تک :- مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ
مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ اور آیت
مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ ۱ ۲ میں اس سات سو کے وعدہ کے بعد اور زیادہ کا بھی وعدہ
کیا گیا ہے۔" (تفسیر حضرت تھانویؒ)

۴۵۴۔ نبی صلعم کا حُسنِ سلوک ازواجِ مطہرات کے ساتھ :- سلوک معنی نیک چال چلنا۔
کاموں میں نیک روی کرنا۔ + اَزْوَاج جمع ہے زوجہ کی بمعنی بیوی۔ + مُطَهَّرات معنی
پاک۔

حدیث میں ہے : خَیْرُکُمْ مَنْ خَیْرُکُمْ بِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ بِاَهْلِیْ :- سب

لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی (کنبہ) کے ساتھ اچھا ہے۔ اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں۔

نبی صلعم ہر ایک شوہر کے لئے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ حضور علیہ الصلوۃ والسّلام کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السّلام علیکم خود فرمایا کرتے رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سُن لے اور سوگئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

کھانے پینے، مکان اور گذارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرمایا کرتے۔ عمومًا بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جاکر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے۔

۴۵۵۔ نَان نَفَقَہ یعنی روٹی کپڑے کا بیان:-

نَان - یہ فارسی کا لفظ ہے۔ معنی روٹی۔ + نَفَقَہ یہ عربی کا لفظ ہے۔ معنی کھانا کپڑا خرچ وغیرہ جو اولاد اور بیوی وغیرہ کو دیں۔

اس عنوان سے ہم شوہر اور بیوی کے تعلقات اور روٹی کپڑے کا بیان کر رہے ہیں جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں نیز حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں جو ارشادات فرمائے ہیں وہ پیش خدمت ہیں۔

بی بی کا روٹی کپڑا شوہر کے ذمہ واجب ہے۔ چاہے عورت کتنی ہی مالدار ہو مگر خرچ مرد ہی کے ذمہ ہے۔ اور رہنے کے لئے گھر دینا بھی مرد ہی کے ذمہ ہے۔ نکاح ہو گیا لیکن رخصتی نہیں ہوئی تب بھی روٹی کپڑے کی مستحق نہیں ہے۔ بی بی بہت چھوٹی ہے۔ تو اگر مرد نے کام کاج کے لئے یا اپنا دل بہلانے کے لئے اُس کو اپنے گھر رکھ لیا ہے تو اُس کا روٹی کپڑا مرد کے ذمہ ہے۔ اور اگر نہ رکھا میکے بھیج دیا تو واجب نہیں۔ جتنا مہر پہلے دینے کا دستور ہے وہ مرد نے نہیں دیا اس لیئے وہ مرد کے گھر نہیں جاتی تو اس کو روٹی کپڑا دلایا جاوے گا اور اگر یوں ہی بے وجہ مرد کے گھر نہ جاتی ہو تو روٹی کپڑا

پانے کی مستحق نہیں ہے جب سے جا دے گی تب سے ملے گا۔ (در مختار) لیکن واضح ہو کہ ہمارے ہندوستان میں مہر پہلے دن دینے کا دستور نہیں ہے۔ مہر کا لین دین طلاق کے بعد یا مر جانے کے بعد ہوتا ہے۔ جب طلاق مل جاتی ہے تب مہر کا دعویٰ کرتی ہے یا مرد مر گیا اور کچھ مال چھوڑ گیا تو اس مال میں سے لے لیتی ہے اور اگر عورت مر گئی تو اس کے وارث مہر کے دعوے دار ہوتے ہیں اور جب تک میاں بیوی ساتھ رہتے ہیں تب تک نہ کوئی دیتا ہے نہ وہ مانگتی ہے۔ تو ایسی جگہ اس دستور کی وجہ سے طلاق ملنے سے پہلے مہر کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ البتہ پہلی رات کو جتنے مہر کے پیشگی دینے کا دستور ہے اتنا مہر پہلے دینا واجب ہے۔ ہاں اگر کسی قوم میں یہ دستور نہ ہو تو اس کا یہ حکم نہ ہوگا۔ (عالمگیری ص۳۱ ج۲)

جتنے زمانے تک شوہر کی اجازت سے اپنے ماں باپ کے گھر رہے اتنے زمانے کا روٹی کپڑا بھی شوہر کے ذمے ہے۔ عورت بیمار پڑ گئی تو بیماری کے زمانے کا روٹی کپڑا پانے کی مستحق ہے۔ چاہے مرد کے گھر بیمار پڑے یا اپنے میکے میں۔ لیکن اگر بیماری کی حالت میں مرد نے بلایا پھر بھی نہیں آئی تو اب اس کے پانے کی مستحق نہیں رہی اور بیماری کی حالت میں فقط روٹی کپڑے کا خرچ ملے گا دوا، علاج، حکیم، طبیب کا خرچہ مرد کے ذمہ واجب نہیں اپنے پاس سے کرے۔ اگر مرد دیدے اس کا احسان ہے (درِ مختار) تیل کنگھی کھلی، صابن، وضو کا اور نہانے دھونے کا پانی مرد کے ذمہ ہے۔ اور سرمہ، مسّی، پان، تمباکو مرد کے ذمہ نہیں۔ دھوبی کی تنخواہ مرد کے ذمہ نہیں اپنے ہاتھ سے دھوئے اور پہنے اور اگر مرد دیدے اس کا احسان ہے۔ (در مختار ص۲۶۸ ج ۲) روٹی کپڑے کا خرچ ایک سال کا یا اس سے کچھ کم زیادہ پیشگی دے دیا۔ اب اس میں سے کچھ لوٹا نہیں سکتا (قدوری ص۱۲۹)

رہنے کے لئے گھر:۔ مرد کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ بی بی کے رہنے کے لئے کوئی ایسی جگہ دیدے جس میں شوہر کا کوئی رشتہ دار نہ رہتا ہو بلکہ خالی ہو تا کہ میاں بیوی بالکل بے تکلفی سے رہ سکیں البتہ اگر عورت خود سب کے ساتھ رہنا گوارا کرے تو ساجھے کے گھر میں بھی رکھنا درست ہے (شرح وقایہ ص۱۶۷ ج۲) گھر میں سے

ایک جگہ عورت کے لئے الگ کردو کہ وہ اپنا مال اسباب حفاظت سے رکھے اور خود اس میں رہے سہے اور اس کا قفل کنجی اپنے پاس رکھے کسی اور کو اس میں دخل نہ ہو تو بس حق ادا ہو گیا۔ عورت کو اس سے زیادہ کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ نہیں کہہ سکتی کہ پورا گھر میرے لئے علیحدہ کردو (قدوری صد ۱۸۸) جس طرح سے عورت کو اختیار ہے کہ اپنے لئے کوئی گھر الگ مانگے جس میں مرد کا کوئی رشتہ دار نہ رہنے پائے صرف عورت ہی کے قبضے میں رہے اسی طرح مرد کو اختیار ہے کہ جس گھر میں عورت رہ رہی ہے وہاں اس کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو نہ آنے دے۔ نہ ماں کو نہ باپ کو نہ بھائی کو نہ کسی اور رشتہ دار کو (شرح وقایہ صہ ۱۷۷/۲) عورت اپنے ماں باپ کو دیکھنے کے لئے ہفتہ میں ایک دفعہ جا سکتی ہے اور ماں باپ کے سوا اور رشتہ داروں کے لئے سال بھر میں ایک دفعہ اس سے زیادہ کا اختیار نہیں۔ اسی طرح اس کے ماں باپ بھی ہفتہ میں فقط ایک مرتبہ یہاں آسکتے ہیں۔ مرد کو اختیار ہے کہ اس سے زیادہ جلدی جلدی نہ آنے دے اور ماں باپ کے سوا اور رشتہ دار سال بھر میں فقط ایک دفعہ آسکتے ہیں۔ اس سے زیادہ آنے کا اختیار نہیں۔ لیکن مرد کو اختیار ہے کہ زیادہ دیر نہ ٹھہرنے دے نہ ماں باپ کو نہ کسی اور کو۔ اور جاننا چاہیئے کہ رشتہ داروں سے مطلب وہ رشتہ دار ہیں جن سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے اور جو ایسے نہ ہوں وہ شرع میں غیر ہیں (ہدایہ صہ ۴۲۱/۲) اگر باپ بہت بیمار ہے اور اس کا کوئی خبر لینے والا نہیں تو ضرورت کے موافق وہاں روز جایا کرے۔ اگر باپ بے دین کافر ہو تب بھی یہی حکم ہے۔ بلکہ اگر شوہر منع کرے تب بھی جانا چاہیئے۔ لیکن شوہر کے منع کرنے پر جانے سے روٹی کپڑے کا حق نہ رہے گا۔ (شامی صہ ۹۱۵ ج ۲) غیر لوگوں کے گھر نہ جایا کرے اگر بیاہ شادی وغیرہ کی کوئی محفل ہو اور شوہر اجازت بھی دے دے تو بھی جانا درست نہیں۔ شوہر اجازت دے گا تو وہ بھی گنہگار ہوگا بلکہ محفل کے زمانے میں اپنے محرم رشتہ داروں کے یہاں جانا بھی درست نہیں (شامی صہ ۹۱۵/۲) جس عورت کو طلاق مل گئی وہ بھی عدت تک روٹی کپڑا اور رہنے کا گھر پانے کی مستحق ہے

البتہ جس کا خاوند مرگیا اس کو روٹی کپڑا اور گھر ملنے کا حق نہیں۔ ہاں اس کو میراث سب چیزوں میں ملے گی۔ (قدوری صفحہ ۱۹۰) اگر نکاح عورت ہی کی وجہ سے ٹوٹے (یعنی عورت کوئی ایسی بد فعلی کرے، اس لئے مرد نے طلاق دیدی یا وہ بد دین کافر ہوگئی اسلام سے پھر گئی اس لیئے نکاح ٹوٹ گیا تو ان سب صورتوں میں عدت کے اندر اس کو روٹی کپڑا نہ ملے گا۔ البتہ رہنے کا گھر ملے گا۔ ہاں اگر وہ خود ہی چلی جائے تو اور بات ہے پھر نہ دیا جائے گا۔ (قدوری)

اولاد کی پرورش:۔ میاں بی بی میں جدائی ہوگئی اور طلاق مل گئی۔ گود میں بچہ ہے تو اس کی پرورش کا حق ماں کو ہے۔ باپ اس کو نہیں لے سکتا۔ لیکن لڑکے کا سارا خرچ باپ ہی کو دینا پڑے گا۔ اور اگر ماں پرورش نہ کرے باپ کے حوالے کردے تو باپ کو لینا پڑے گا۔ عورت کو زبردستی نہیں دے سکتا۔ (ہدایہ صفحہ ۴۱۴ ج ۲) اگر ماں نہ ہو یا ہے تو لیکن اس نے بچہ کے لینے سے انکار کر دیا تو پرورش کا حق نانی اور پرنانی کو ہے ان کے بعد دادی اور پردادی۔ یہ بھی نہ ہوں تو سگی بہنوں کا حق ہے کہ وہ اپنے بھائی کو پرورش کریں۔ سگی بہنیں نہ ہوں تو سوتیلی بہنیں۔ مگر جو بہنیں ایسی ہوں کہ ان کی اور اس بچہ کی ماں ایک ہو وہ پہلے ہیں اور جو بہنیں ایسی ہوں کہ ان کا اور اس بچہ کا باپ ہے وہ پیچھے ہیں۔ پھر خالہ، پھر پھوپھی (شرح وقایہ صفحہ ۱۹۹) اگر ماں نے کسی ایسے مرد سے نکاح کر لیا جو بچہ کا محرم رشتہ دار نہیں ہے یعنی اس رشتہ میں ہمیشہ کے لئے نکاح حرام نہیں ہوتا تو اب اس بچہ کی پرورش کا حق نہیں رہا۔ البتہ اگر اسی بچہ کے کسی ایسے رشتہ دار سے نکاح کیا جس سے اس بچہ کا نکاح درست نہیں ہے۔ اور وہ بچہ کا محرم ہے جیسے اس کے چچا سے نکاح کر لیا یا ایسے ہی کوئی اور رشتہ دار ہو تو ماں کا حق باقی ہے ماں کے سوا کوئی اور عورت جیسے بہن خالہ وغیرہ غیر مرد سے نکاح کرلے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اب اس بچہ کی پرورش کا حق نہیں رہا (شرح وقایہ صفحہ ۱۶۹) بچہ کے رشتہ داروں میں سے اگر کوئی عورت بچہ کی پرورش کے لئے نہ ملے تو باپ زیادہ مستحق ہے۔ پھر دادا وغیرہ لیکن اگر نامحرم رشتہ دار ہو اور لڑکے کو

اسے دینے میں آئندہ چل کر کسی خرابی کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ایسے شخص کے سپرد کر دیں گے جہاں ہر طرح اطمینان ہو (فتاویٰ ہندیہ ص۵۷۷ ج ۲) لڑکا جب تک سات برس کا نہ ہو تب تک اس کی پرورش کا حق رہتا ہے۔ جب سات برس کا ہو گیا تو اب باپ اس کو زبردستی لے سکتا ہے اور لڑکی کی پرورش کا حق نو برس تک رہتا ہے۔ جب نو برس کی ہو گئی تو باپ لے سکتا ہے اب اس کو روکنے کا حق نہیں ہے (شرح وقایہ ص۱۷۰ ج ۲) ایسے مسائل میں علمائے دین سے رجوع کرنا ضروری اور لازمی ہے۔

۴۵۶۔ نانؔ نفقہ طلاقؔ کے بعد یعنی بیمار کے طلاق دینے کا بیان: طلاق معنی قید نکاح

سے عورت کا چھوٹ جانا۔ آزاد ہو جانا۔

"بیماری کی حالت میں کسی نے اپنی عورت کو طلاق دے دی۔ پھر عورت کی عدت ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اسی بیماری میں وہ مر گیا تو شوہر کے مال میں سے بی بی کا جتنا حصہ ہوتا ہے اتنا حصہ اس عورت کو بھی ملے گا چاہے ایک طلاق دی یا دو تین اور چاہے طلاق بائنؔ دی ہو یا رجعی سب کا ایک حکم ہے۔ اگر عدت ختم ہو چکی تھی تب وہ مرا تو حصہ نہ پاوے گی۔ اسی طرح اگر مرد اسی بیماری میں نہیں مرا بلکہ اس سے اچھا ہو گیا تھا پھر بیمار ہو گیا اور مر گیا تب بھی حصہ نہ پاوے گی۔ چاہے عدت ختم ہو چکی یا نہ ختم ہوئی ہو (کنز ص۱۲۵) عورت نے طلاق مانگی تھی اس لئے مرد نے طلاق دے دی تب بھی عورت حصہ پانے کی مستحق نہیں ہے۔ چاہے عدت کے اندر مرے یا عدت کے بعد۔ دونوں کا ایک حکم ہے۔ البتہ اگر طلاق رجعی دی ہو اور عدت کے اندر مرا ہو تو حصہ پاوے گی۔ (شامی ص۱۹)

بیماری کی حالت میں عورت سے کہا اگر تو باہر جائے تو تجھ کو بائن طلاق ہے۔ پھر عورت باہر گئی تو طلاق بائن پڑ گئی تو اس صورت میں حصہ کی مستحق نہیں ہے کہ اس نے خود ایسا کام کیوں کیا کہ جس سے طلاق پڑی اور اگر یوں کہا اگر تو کھانا کھاوے تو تجھ کو طلاق بائن ہے۔ یا یوں کہا اگر تو نماز پڑھے تو تجھ کو طلاق بائن ہے ایسی صورت میں اگر

وہ بیماری کے اندر مرجائے گا تو عورت کو حصہ ملے گا کیونکہ عورت کے اختیار سے طلاق نہیں پڑی۔ کھانا کھانا اور نماز پڑھنا تو ضروری ہے اس کو کیسے چھوڑتی۔ اور اگر طلاق رجعی دی ہو تو پہلی صورت میں بھی عدت کے اندر مرنے سے حصّہ پاوے گی۔ غرضیکہ طلاق رجعی میں بہرحال حصّہ ملتا ہے بشرطیکہ عدت کے اندر مرا ہو (شرح وقایہ صہ ۱۰۹ ج ۲) کسی بھلے چنگے آدمی نے کہا جب تو گھر سے باہر نکلے تو تجھ کو طلاق بائن ہے پھر جس وقت وہ گھر سے باہر نکلی اس وقت وہ بیمار تھا اور اس بیماری میں عدت کے اندر مر گیا تب بھی حصہ نہ ملے گا۔ (عالمگیری صہ ۱۶۵ ج ۱) تندرستی کے زمانے میں کہا جب تیرا باپ پردیس سے آئے تو تجھ کو بائن طلاق، جب وہ پردیس سے آیا اس وقت مرد بیمار تھا اور اسی بیماری میں مر گیا تو حصّہ کی مستحق نہیں ہے۔ اور اگر بیماری کی حالت میں کہا ہو اور اسی بیماری میں عدت کے اندر مر گیا تو حصہ کی مستحق نہیں ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ)

طلاق کی قسمیں:۔ واضح ہو کہ طلاق تین قسم کی ہے ایک تو ایسی طلاق جس میں نکاح بالکل ٹوٹ جاتا ہے اور اب بے نکاح کئے اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں۔ اگر پھر اس کے پاس رہے یا رہنا چاہے اور مرد بھی اس کو رکھنے پر راضی ہو تو پھر سے نکاح کرنا پڑے گا۔ ایسی طلاق کو طلاق بائن کہتے ہیں۔ دوسری وہ جس میں نکاح ایسا ٹوٹا کہ دوبارہ نکاح بھی کرنا چاہیں تو کسی دوسرے سے پہلے نکاح کرنا پڑے گا اور جب وہاں سے طلاق ہو جاوے تب بعد عدت اس سے نکاح ہو سکے گا۔ ایسی طلاق کو طلاقِ مغلظہ کہتے ہیں۔ تیسری وہ جس میں نکاح ابھی نہیں ٹوٹا صاف لفظوں میں ایک یا دو طلاق دینے کے بعد اگر مرد پشیمان ہوا تو پھر نکاح کرنا ضروری نہیں بے نکاح کئے بھی اس کو رکھ سکتا ہے۔ پھر میاں بی بی کی طرح رہنے لگیں تو درست ہے۔ البتہ اگر مرد طلاق دیکر اسی پر قائم رہا اور اس سے نہیں پھرا تو جب طلاق کی عدت گذر جائے گی تب نکاح ٹوٹ جائے گا اور عورت جدا ہو جائے گی۔ اور جب تک عدت نہ گزرے تب تک رکھنے نہ رکھنے دونوں باتوں کا

اختیار ہے۔ ایسی طلاق کو طلاقِ رجعی کہتے ہیں۔ البتہ اگر تین طلاقیں دے دیں تو اب اختیار نہیں۔ (ہدایہ صفحہ ۳۷۴ ج ۲)

طلاق دینے کی قسمیں:۔ طلاق دینے کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دیدی یا یوں کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی غرضکہ ایسی صاف بات کہہ دی جس میں طلاق دینے کے سوا اور کوئی معنی نہیں نکل سکتے ایسی طلاق کو صریح طلاق کہتے ہیں۔ دوسری قسم یہ کہ صاف صاف لفظ نہیں کہے بلکہ ایسے گول مول لفظ کہے جس میں طلاق کا مطلب بھی بن سکتا ہے اور طلاق کے سوا دوسرے معنی بھی نکل سکتے ہیں جیسے کوئی کہے میں نے تجھ کو دور کر دیا تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ میں نے تجھ کو طلاق دے دی۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ طلاق تو نہیں دی لیکن اب تجھ کو اپنے پاس نہ رکھوں گا۔ ہمیشہ اپنے میکے میں پڑی رہ۔ تیری خبر نہ لوں گا یا یوں کہے مجھ سے تجھے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھ کو تجھ سے کوئی مطلب نہیں تو مجھ سے جدا ہو گئی۔ میں نے تجھ کو علیحدہ کر دیا۔ جدا کر دیا۔ یا میرے گھر سے چلی جا۔ نکل جا۔ ہٹ دور ہو، اپنے ماں باپ کے سر جا کے بیٹھ، اسی طرح کے اور الفاظ جن میں دونوں مطلب نکل سکتے ہیں ایسی طلاق کو طلاق کنایہ کہتے ہیں (قدوری ص ۱۴٦) ایسے مسائل میں علمائے دین سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

موت کی عدت:۔ کسی کا شوہر مر گیا تو وہ چار مہینے دس دن تک عدت بیٹھے شوہر کے مرتے وقت جس گھر میں رہا کرتی تھی اس گھر میں رہنا چاہیئے۔ باہر نکلنا درست نہیں ہے۔ البتہ کوئی غریب عورت ہے جس کے پاس گذارے کے موافق خرچ نہیں ہے۔ اس نے کھانے پکانے کی نوکری کر لی اس کو جانا اور نکلنا درست ہے لیکن رات کو اپنے گھر ہی میں رہا کرے چاہے صحبت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو اور چاہے کسی قسم کی تنہائی و یکجائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور چاہے حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو سب کا ایک حکم ہے کہ چار مہینے دس دن عدت بیٹھنا چاہیئے۔ البتہ اگر وہ عورت حمل سے تھی اس حالت میں شوہر مرا تو بچہ پیدا ہونے تک عدت بیٹھے اب مہینوں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اگر

مرنے سے دو چار گھڑی بعد بچہ پیدا ہو گیا تب بھی عدت ختم ہو گئی (شرح وقایہ ص۱۵۳ ج۲)
اگر کسی کا میاں چاند کی پہلی تاریخ کو مرا اور عورت کو حمل نہیں تو چاند کے حساب سے چار مہینے دس دن پورے کرے اور اگر پہلی تاریخ کو نہیں مرا ہے تو ہر مہینہ تیس ۳۰ تیس دن لگا کر چار مہینے دس دن پورے کرنے چاہئیں۔ اور طلاق کی عدت کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر حیض نہیں آتا نہ حمل ہے اور چاند کی پہلی تاریخ کو طلاق مل گئی تو چاند کے حساب سے تین مہینے پورے کرے چاہے اُنتیس ۲۹ کا چاند ہو یا تیس ۳۰ کا اور اگر پہلی تاریخ کو طلاق نہیں ملی ہے تو ہر مہینہ تیس ۳۰ تیس دن لگا کر تین مہینے پورے کرے۔ (عالمگیری ص۵۲۷ ج۱)

سُوگ کرنا:۔ جس عورت کو طلاقِ رجعی ملی ہے اس کی عدت تو فقط یہی ہے کہ اتنی مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے نہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔ اس کو بناؤ سنگار وغیرہ سب درست ہے۔ اور جس کو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاق بائن ملی یا اور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا یا مرد مر گیا ان سب صورتوں کا حکم یہ ہے کہ جب عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے نہ اپنا دوسرا نکاح کرے۔ نہ کچھ بناؤ سنگار کرے۔ یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں۔ اس سنگار نہ کرنے اور میلے کچیلے رہنے کو سوگ کہتے ہیں۔ (شرح وقایہ ص۱۵۳ ج۲) جب تک عدت ختم نہ ہو تب تک خوشبو لگانا کپڑے بسانا، زیور گہنا پہننا، پھول پہننا، سرمہ لگانا۔ پان کھا کر منہ لال کرنا، مسّی ملنا، سر میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، مہندی لگانا، اچھے کپڑے پہننا، ریشمی اور رنگے ہوئے بہار دار پہننا یہ سب باتیں حرام ہیں۔ البتہ اگر بہار دار نہ ہوں تو درست ہے چاہے جیسا رنگ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ زینت کا کپڑا نہ ہو۔ (در مختار ج۱) شوہر کے علاوہ کسی اور کے مرنے پر سوگ کرنا درست نہیں۔ البتہ اگر شوہر منع نہ کرے تو اپنے عزیز اور رشتہ دار کے مرنے پر بھی تین دن تک بناؤ سنگار چھوڑ دینا درست ہے اس سے زیادہ بالکل حرام ہے اور اگر منع کرے تو تین دن بھی نہ چھوڑے (مشکوٰۃ ص۲۸۹)

۵۷۴ **نرم مزاجی:۔** نرم معنی ملائم۔ گدگدا۔ + مزاج معنی آمیزش۔ ملنا۔ طبیوں کی اصطلاح میں وہ کیفیت جو چند چیزوں کے ملنے سے پیدا ہو۔

انسان کی طبیعت کو اسی وجہ سے مزاج کہتے ہیں کہ ایک کیفیت اربعہ عناصر کے ملنے سے پیدا ہوتی ہے۔ عادت۔ خاصیت، خُو۔ یعنی ایسی عادت جس میں ملائمیت و ہمدردی اور شیریں کلامی ہو۔

آدمی کو چاہیئے کہ جب کسی سے ملے تو نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ گفتگو میں نرمی اور برتاؤ میں ہمدردی کا خیال رکھے۔ انسانیت کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کی قدرومنزلت کرے گو وہ مسلمان نہ ہو۔ بے خطا کسی کو جان و مال کی تکلیف نہ دے، کسی کے ساتھ بدزبانی سے پیش نہ آئے۔ اگر کسی کو پریشان یا مصیبت میں مبتلا دیکھے تو اس کی مدد کرے۔ اگر کوئی کھانے پینے کے سلسلہ میں تنگ ہو تو اس کی تنگی دور کرنے میں مدد کرے، بیمار کی تیمارداری کرے، اپنے میں جہاں تک استطاعت ہو اُس کے علاج و معالجہ میں طبیب اور دوا کے لیئے انتظام کردے، کسی پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے، یتیم و مسکین بچوں کی دیکھ ریکھ کرتا رہے۔ بیواؤں کا خیال رکھے، اُن کی مالی مدد کرتا رہے۔ خوفِ خدا کا ہر وقت خیال رکھے۔ کسی میں اگر کوئی رنجش ہو جائے، اُن کی صلاح کرانے میں پہل کرے۔ یہی وہ حقوق ہیں جو آدمی پر صرف آدمی ہونے کی وجہ سے عائد ہوتے ہیں جن کی دینِ اسلام نے تعلیم دی ہے اور تاکید فرماتی ہے۔

۴۵۸۔ ناسمجھ اور سمجھدار آدمی میں فرق:-

سمجھ معنی عقل، دانائی، ہوش۔ + فرق معنی کسی چیز کو آپس سے جدا کرنا۔

آدمی کی سمجھ کا اصل اندازہ اس کے قول سے نہیں اُس کے عمل سے ہوتا ہے۔

آدمی کو ہمیشہ اپنا ذہن کھلا رکھنا چاہیئے تاکہ جب مزید حقائق اس کے یقین کو غلط ثابت کردیں تو وہ بات کی ہیچ میں خواہ مخواہ پچھلی بات سے لپٹا نہ رہے۔

آدمی کے اندر اگر احساس زندہ ہے تو وہ کام کی اہمیت اور اُس کی اچھائی بُرائی کو محسوس کرے گا۔ اور اگر احساس مُردہ ہو گیا ہے تو پھر اس کے لیئے سب کچھ برابر ہے۔ مثلاً ایک ناسمجھ جاہل آدمی عام طور پر گھروں میں اور اسٹیشنوں وغیرہ پر اِدھر اُدھر تھوکتا رہتا ہے اور اسے دھیان بھی نہیں آتا کہ وہ کیا کر رہا ہے مگر اس کے مقابلہ

میں ایک دوسرا سمجھ دار پڑھا لکھا آدمی جس کا احساس اس بارے میں تیز ہو چکا ہے اس کے لئے اس طرح فرش پر تھوکنا ایسا ہی ہے جیسا اپنے کپڑوں پر تھوکنا۔ وہ کسی کو اس طرح تھوکتے دیکھ کر تلملا اُٹھتا ہے۔ بس یہی فرق ہے ایک ناسمجھ اور سمجھدار آدمی میں۔

و

۴۵۹۔ وہ نبی صلعم :- ۱۱ء نبوت کے موسم حج کا ذکر ہے۔ جب یثرب سے (یعنی مدینہ منورہ سے) چھ آدمی مقام عقبہ پر جو شہر مکہ سے چند میل پر واقع ہے۔ یہاں آکر قیام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر نبی صلعم نے اُن کے سامنے خدا کی عظمت و جلال کا بیان شروع کیا اُن کی محبت کو خدا کے ساتھ گرمایا۔ بتوں سے ان کو نفرت دلائی، نیکی و پاکیزگی کی تعلیم دے کر گناہوں اور بُرائیوں سے منع فرمایا۔ قرآن مجید کی تلاوت فرما کر ان کے دلوں کو روشن فرمایا۔ یہ لوگ اگرچہ بُت پرست تھے لیکن اُنہوں نے اپنے شہر کے یہودیوں کو بار بار یہ ذکر کرتے سُنا تھا کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے۔ اس تعلیم سے وہ اُسی وقت ایمان لے آئے اور جب اپنے وطن کو لوٹ کر گئے تو دین حق کے سچے مناد بن گئے۔

وہ ہر ایک کو یہ خوشخبری سُناتے تھے کہ "وہ نبیؐ" جس کا تمام عالم کو انتظار تھا آگیا۔ ہمارے کانوں نے اس کے کلام کو سُنا۔ ہماری آنکھوں نے اُس کا دیدار کیا۔ اور اُس نے ہم کو ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا سے ملا دیا ہے۔ کہ دنیا کی زندگی اور موت اب ہمارے سامنے ہیچ ہے۔

ہم اپنے معزز ناظرین سے یہ عرض کریں گے کہ یہاں پر لفظ "وہ نبیؐ" کو سمجھنے کے لئے انجیل یوحنا باب اوّل کو ۱۹ سے ۲۸ درس تک پڑھیں۔ یوحنا (یحیٰؑ) نے اقرار کیا کہ میں مسیحؑ نہیں ہوں۔ انہوں نے پوچھا کیا تو الیاس ہے۔ اُس نے کہا۔ مَیں نہیں ہوں۔ پس آیا تُو "وہ نبیؐ" ہے۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ اس سے

مطلب نکلا کہ علمائے یہود اس زمانے میں تین انبیاء کی آمد و ظہور کے منتظر تھے۔ (۱) الیاسؑ۔ (۲) مسیحؑ۔ (۳) "وہ نبیؐ" انجیل سے ثابت ہے کہ یوحنا نے یسوع کو مسیحؑ بتایا۔ اور مسیحؑ نے یوحنا کو الیاس کہا۔ اب تیسرے کا ظہور باقی تھا۔ جو کتب سابقہ میں "وہ نبیؐ" اور مسلمانوں کی زبان پر آنحضرت کے خطاب سے یاد کیئے گئے ہیں۔ اگر آنحضرت صلعم "وہ نبیؐ" نہیں تو پادری بتلائیں کہ مسیحؑ کے بعد "وہ نبیؐ" کہلانے والا کون ہوا"۔ (رحمۃ اللعٰلمین ج ۱)

۴۶۰۔ وعدہ کی زمین اور بنی اسرائیل :- وعدہ معنی اقرار کرنا۔+ بنی اسرائیل معنی اولاد حضرت یعقوب علیہ السلام

اس لیئے کہ اسرائیل عبری لقب یعقوبؑ کا ہے، اسرائیل بمعنی بندۂ خدا۔

وادیٔ سینا میں جسے تیہ بھی کہتے ہیں بنی اسرائیل موجود تھے۔ یہ میدان سرزمین فلسطین سے قریب تھا۔ ان کے باپ دادا حضرت ابراہیمؑ، اسحاق اور یعقوب علیہ السلام سے خدا کا وعدہ تھا کہ تمہاری اولاد کو پھر اس سرزمین کا مالک بنائیں گے اور وہ یہاں پھولے پھلے گی۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت خدا کا حکم ہوا کہ اپنی قوم سے کہو کہ ارضِ مقدس میں داخل ہوں اور وہاں کے جابر و ظالم حکمرانوں کو نکال کر عدل و انصاف کی زندگی بسر کریں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ فتح تمہاری ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس بستی اریحا میں داخل ہو۔ (اریحا، فلسطین کے قریبی شہر کا نام ہے) اور دشمن کا مقابلہ کر کے اس پر قابض ہو جاؤ۔ خدا تمہارے ساتھ ہے۔ بنی اسرائیل نے یہ سن کر جواب دیا کہ موسیٰؑ! وہاں تو بڑے ظالم لوگ رہتے ہیں ہم تو اس وقت تک اس بستی میں داخل نہ ہوں گے جب تک وہاں سے وہ نکل نہ جائیں۔

بنی اسرائیل کو بہت کچھ سمجھایا لیکن اُن پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ بدستور اپنے انکار پر قائم رہے۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ زور دیا تو اپنے انکار پر اصرار کرتے ہوئے کہنے لگے:۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ (سورۂ مائدہ ع ۴) ترجمہ:۔ تو اور تیرا خدا جاؤ اور دونوں جنگ کرو۔ ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ ذلیل اور بیہودہ جواب سُنا تو بہت افسردہ خاطر ہوئے اور نہایت رنج و ملال کے ساتھ درگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ "بار الٰہا! میں اپنے اور ہارونؑ کے سوا کسی پر قابو نہیں رکھتا۔ سو ہم دونوں حاضر ہیں۔ اب تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کر دے۔ یہ تو سخت نا اہل ہیں" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر وحی نازل فرمائی۔ "موسیٰ! تم غمگین نہ ہو۔ ان کی نافرمانی کا تم پر کوئی بار نہیں۔ اب ہم نے ان کے لیئے یہ سزا مقرر کر دی ہے کہ یہ چالیسؔ سال اسی میدان میں بھٹکتے پھریں گے اور ان کو ارض مقدس میں جانا نصیب نہ ہوگا، ہم نے اُن پر ارضِ مقدس کو حرام کر دیا ہے۔

وادیِ سینا کو "تیہ" اسی لئے کہتے ہیں کہ قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کے لیئے کہا ہے:۔ يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ (یہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔)

توراۃ میں اس واقعہ کی تفصیلات اگرچہ اس انداز سے مذکور نہیں ہیں تاہم "گنتی باب ۱۴ میں بنی اسرائیل کے ارض مقدس میں داخلہ سے انکار، اس پر حضرت موسیٰؑ کی ناراضی اور پھر چالیسؔ سال تک اُن پر ارضِ مقدس کے داخلہ کا حرام ہو جانا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس مدت کے اندر اندر بنی اسرائیل کے وہ تمام افراد مر جائیں گے جنھوں نے خدا کے حکم کے خلاف ارض مقدس کے داخلہ سے انکار کیا ہے اور اُن کے بعد نئی نسل کو داخلہ کی اجازت ہوگی۔ نیز یہ کہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا بھی اس وقت انتقال ہو جائے گا۔

اس جگہ یہ شبہ پیدا ہونا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو بھی اسی میدان میں رہنا پڑا اور وہ بھی ارض مقدس میں نہ داخل ہو سکے، اس لئے کہ بنی اسرائیل کے پورے قافلہ پر ارضِ مقدس کو حرام کر دیا گیا تو اب ضروری تھا کہ اُن کے رُشد و ہدایت کے لیئے خدا کا پیغمبر اُن میں موجود رہے تاکہ کچھ یہ بوڑھے بھی راہِ حق پر قائم رہیں، اور نئی نسل میں وہ استعداد پیدا ہو جس کے ذریعہ وہ ارضِ مقدس میں داخل ہو کر خدا کے حکم کو پورا کریں"۔ (قصص القرآن ج ۱)

۴۶۱۔ وِلَاؔ :۔ وِلا معنی آزاد۔ غلام کی میراث۔

یہ گذشتہ زمانہ کی بات ہے جبکہ اُس زمانہ میں لوگ اپنی خدمت کے لیئے غریب غُربا، کو خرید کر اپنے یہاں رکھا کرتے تھے اور اُس سے جس طرح کا کام چاہتے تھے اُس زر خرید غلام کو کرنا پڑتا تھا۔ آج نوکر وہ کام نہیں کر سکتا جو گزشتہ دَور میں ایک زر خرید غلام کیا کرتا تھا۔ گزشتہ دَور میں غلاموں کی خرید و فروخت کی منڈیاں لگا کرتی تھیں اور غریبوں کو خریدنے کے لیئے اُن منڈیوں میں بڑے بڑے مال دار لوگ جایا کرتے تھے۔ بولی بولی جاتی تھی غریبوں کو نیلام کیا کرتے تھے۔ کتنے شرم کی بات تھی۔ آدمی آدمی کو جانوروں کی طرح بیچتا تھا اور دوسرا اس کو خرید کرتا تھا۔ لیکن آج خدا کا بڑا افضل و کرم ہے یہ بُری اور نہایت بُری رَسم ختم ہے۔ اب ایسا نہیں ہوتا ہے۔ یہ اِسلام کی تعلیم کا دَین ہے۔

اُوپر غلامی، اور غلاموں کی خرید و فروخت سے متعلق اسلام سے پہلے زمانہ کا ذکر ہے۔ دُنیا میں اسلام کی آمد کے بعد صرف وہ لوگ غلام بنا لیئے گئے جو جہاد کے نتیجہ میں گرفتار ہوتے تھے اور اسلام کے خلاف جنگ کرتے تھے اگرچہ پھر یہ غلامی قبولِ اسلام کے بعد بھی باقی رہتی تھی۔ مگر اس موقع پر مسلمانوں کو تعلیم دی گئی اور ترغیب دی گئی کہ وہ غلاموں کو آزاد کریں۔

بہر حال ہم چونکہ وِلا کا ذکر کر رہے ہیں وہ اس غلامی ہی سے تعلق رکھتا ہے اس لیئے اس پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وِلا کس چیز کو کہتے ہیں۔ وِلا کا دستور تھا کہ جب کوئی اپنے غلام کو آزاد کرتا ہے اور وہ آزاد کردہ غلام کچھ مال چھوڑ کر مرتا ہے۔ نیز اُس کا کوئی وارث نہیں ہوتا، تو ایسی حالت میں وِرثہ کا مال اُس آزاد کرنے والے کو ملتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو وِلا کہتے ہیں۔

۴۶۲۔ ویرآن گھر :۔ ویران گھر معنی غیر آباد گھر۔ اُجڑا ہوا گھر۔

جس شخص نے قرآن شریف پڑھا اور اُس کی خبر گیری کی، راتوں کو نماز میں تلاوت کی

اس کی مثال اس مشک دان کی سی ہے کہ جو کھلا ہوا ہو کہ اس کی خوشبو سے تمام مکان مہکتا ہے۔ اسی طرح اس حافظ کی تلاوت سے تمام مکان انوار و برکات سے معمور رہتا ہے۔ اور اگر وہ حافظ سو جاوے یا غفلت کی وجہ سے نہ پڑھ سکے تب بھی اس کے قلب میں جو کلام پاک ہے وہ تو بہر حال مشک ہے ہی۔ اس غفلت سے اتنا نقصان ہوا کہ دوسرے لوگ اس کی برکات سے محروم رہے۔ لیکن اس کا قلب تو بہر حال اس مشک کو اپنے اندر لیئے ہوئے ہے۔

ایک حدیث ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔

اسی طرح جو قلب کلام پاک سے خالی ہوتا ہے، شیاطین کا اس پر تسلط زیادہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں حفظ کی کس قدر تاکید فرمائی ہے کہ اس دل کو ویران گھر ارشاد ہوا ہے۔ جس میں کلام پاک محفوظ نہیں۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں کلام مجید پڑھا جاتا ہے اس کے اہل و عیال کثیر ہو جاتے ہیں اس میں خیر و برکت بڑھ جاتی ہے۔ ملائکہ اس میں نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے نکل جاتے ہیں اور جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی اس میں تنگی اور بے برکتی ہوتی ہے، ملائکہ اس گھر سے چلے جاتے ہیں، شیاطین اس گھر میں گھس جاتے ہیں۔

ابن مسعودؓ سے منقول ہے اور بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ خالی گھر وہی ہے جس میں تلاوتِ قرآن شریف نہ ہوتی ہو۔" (فضائل قرآن)

۴۶۳۔ والدین کی خدمت:۔

وَالدَین معنی ماں باپ + خِدمَت معنی چاکری کرنا۔

یہ عنوان ہم نے اپنی عزیز بیٹیوں کے لیئے قائم کیا ہے۔ اس لیے اس طرف توجہ دیں اور اس پر عمل کریں۔ سب سے اچھی بیٹی وہی ہے جو اپنے بزرگوں کی نصیحت پر عمل کرے۔ جو بیٹیاں اپنے بزرگوں کا ادب و احترام کرتی ہیں وہ ہمیشہ اپنی زندگی میں خوش وخرم

رہتی ہیں۔ خدا اُن سے خوش رہتا ہے۔ جب آگے چل کر وہ خود بزرگ ہوجائیں گی تو اُن کی اولاد انشاء اللہ اُن کا ادب واحترام کرے گی۔ اُن کی خدمت کرے گی۔ اس لئے خود کو چاہیئے کہ:۔

"ماں باپ کی خدمت کرو، انھیں کسی وقت تکلیف نہ دو، کھانا خواہش کے موافق اور وقت پر حاضر کرو، جو کچھ کہیں اُسے دل سے سُنو، اگر وہ کسی کام میں مشغول ہوں تو انھیں پریشان نہ کرو، اور وقت پر جس کھانے پینے کے عادی ہوں تو انھیں لاکے دو، ایک بات بار بار نہ کہو، اُن کے کپڑے صاف رکھو، ٹھیک رکھو، اگر بدلنے کی ضرورت ہو تو فوراً کپڑے لاکر بدل دو۔ پانی، صابون، تولیہ، یہ سب مہیا کردو، ان کی جگہ اور بستر صاف رکھو، ان سے کبھی تنگ دل نہ ہو، ہر وقت حاضر رہو، کسی وقت اگر خفا ہوں تو آنکھیں چار نہ کرو، ان کی وہ محنتیں جو تمہارے ساتھ کی ہیں یاد رکھو، اپنی دستکاری سے پیدا کر کے ان کی خواہش پوری کرو، اُن پر احسان نہ رکھو، اپنی ضرورتیں خود پوری کرو۔"

(حُسنِ معاشرت)

۸

۴۶۴۔ ہشت بہشت:۔ ہشت بہشت معنی آٹھ بہشت۔

ان کے نام یہ ہیں:۔ (۱) خلد (۲) دارالسّلام (۳) دارالقرار (۴) جنت عدن (۵) جنت المأوی (۶) جنت النعیم (۷) دارالمقام (۸) فردوس۔

"جنت عالم عقبیٰ کا دارالخیر و دارالسرور ہے جو قابل مغفرت بندوں کا مسکن ہے اور دوزخ دارالشر اور دارالحزن ہے جو ناقابلِ مغفرت بندوں کا ٹھکانہ ہے۔ ہر نیکی یہاں جنت کا ایک دروازہ ہے اور ہر بدی جہنم کا دہانہ۔ جو راحت یہاں نیکی میں انسان محسوس کرتا ہے اور جو مصیبت اور کلفت یہاں وہ بدی میں دیکھتا ہے۔ عالم عقبیٰ و دار آخرت میں یہ

یہ سب امور ایک شکل وصورت کے مالک ہوں گے۔

جنت ہر قسم کی نیکیوں کی ایک پُر حلاوت وجودی تصویر ہے اور جہنم ہر قسم کی بُرائیوں کی ایک مصیبت دہ عملی شکل ہے۔ خیر کا مرکز جنت ہے اور شر کا مرکز جہنم۔ عالم عقبیٰ میں پہونچ کر ہر ذی شعور مخلوق بلحاظ اپنے اعمال خیر وشر کے دو قسموں پر بٹ جائے گی۔ اہلِ ایمان جنت میں جائیں گے اور اہلِ کفر جہنم میں۔" (عقائد الاسلام قاسمی)

۴۶۵۔ ہشت صفات:۔

صِفات جمع ہے صِفت کی بمعنی بیان کرنا کسی کے حال کا۔
تعریف = یعنی آٹھ صفات۔

واضح ہو کہ صفت اور وَصف میں بموجب اصطلاح کے فرق یہ ہے کہ جو کوئی کسی کی تعریف کرے وہ وَصف ہے۔ اور جو اس شخص کی ذات میں نیک خصلتیں ہوں وہ صفت ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ کاملہ سے اشرف المخلوقات کا شرف عطا فرمایا ہے۔ اور مسلمان کو اُس خالق مطلق نے اُمت محمدیہ میں پیدا فرما کر ایک عظیم نعمت مرحمت فرمائی ہے۔

انسان اگر ان آٹھ صفات پر عمل نہیں کرتا ہے تو وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔ اور بڑے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ انسان ان صفات کا عامل نہ ہو۔ یہ ہیں وہ صفات جو ایک انسان کے لیئے ضروری اور لازمی ہیں:۔

(۱) خدا کی معرفت:۔ یعنی خدا کو پہچاننا۔ خدا کو واحد ولاشریک جاننا اور اُسی کی صرف اُسی کی عبادت کرنا۔ (۲) علم:۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و دانش عطا فرمائی ہے۔ اسلئے انسانیت سے کام لے۔ یہی انسان کا زیور ہے۔ (۳) ہر حال میں شکر کرنا:۔ ہر کمی اور زیادتی خدا کی طرف سے ہے۔ اور اس میں خدا کی بندوں کے لیئے مصلحت ہے اس لئے بندہ کا فرض ہے کہ وہ ہر وقت ہر حال میں اپنے خدا کا شکر کرتا رہے۔

(۴) قسمتِ ازلی پر راضی رہنا:۔ اللہ تعالیٰ نے جو جس کے لئے بہتر سمجھا وہ اُسے عطا فرما دیا۔ اور اللہ سے زیادہ بہتر جاننے والا کون ہو سکتا ہے اس لئے ہر وقت اللہ کا شکر ادا کیا جانا چاہیئے۔ اور خوش رہنا چاہیئے۔

(۵) بلا پر اور رزق کی کمی پر صبر کرنا۔ صبر انسان کی بہت بڑی صفت ہے۔ کسی

پریشانی پر یا کسی کمی پر خواہ وہ رزق ہی کیوں نہ ہو صبر سے کام لینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے۔ جب وہ عطا کرتا ہے تو ایسے راستوں سے دیتا ہے جن کا انسان کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے۔ اور جب پریشانیاں دُور کرتا ہے تو یاد بھی نہیں رہتا کہ ہم کبھی پریشان تھے۔

(۶) خدا کے حکم کی تعظیم کرنا:۔ خدا کے حکم کی تعظیم یہ ہے کہ جو حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دیا ہے وہ اُن کے لئے فرض ہے۔ اُسے ہر حال میں پورا کرو۔ یہی خدا کے حکم کی تعظیم ہے۔

(۷) خلق اللہ کی محبت کرنا اور ان کے ساتھ شفقت کرنا:۔ اس کائنات کی ہر شے خدا کی مخلوق ہے اور یہ ساری کائنات ہی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے اس لئے ہمیں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے محبت کرنا چاہیئے۔ اچھا برتاؤ کرنا چاہیئے حتیٰ کہ جو جانور اس موجودات میں شامل ہیں اُن سے رحم دلی کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ مہربانی ہی کو شفقت کہتے ہیں۔ مہربان انسان دشمنوں کو بھی اپنا دوست بنا لیتا ہے۔

(۸) عِفت یعنی گناہوں سے بچنا:۔ یاد رکھیئے پرہیز گاری اور پارسائی سب سے بڑی صفت ہے جو انسان کو اصل معنی میں انسان کہلاتی ہے۔ اگر آدمی پرہیز گار اور پارسا ہو تو سب لوگ اُس کا اعتبار کریں گے۔ اپنا سچا دوست اور ہمدرد سمجھیں گے۔ گناہوں سے بچنے کے لئے پرہیز گاری اور پارسائی سب سے بڑی روک ہے۔ پرہیز گار اور پارسا لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور ڈر ہوتا ہے۔ اور جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں وہی اپنی آخرت سنوار لیتے ہیں۔

۴۶۶۔ ہر ناکامی کامیابی لیئے ہوتی ہے:۔

ناکامی معنی مطلب براری نہ ہونا۔ کامیابی معنی مطلب براری ہونا۔ فتحیابی۔

انسان کی ہر ناکامی اپنے اندر کامیابی کا ایک نیا پیغام لئے ہوتی ہے۔ ہر شکست کے اندر ایک نئی فتح کے شرارے دبے ہوئے ہوتے ہیں، ہر گرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ

دوبارہ اُبھرنے کی تمہید بن سکے۔

کوئی آدمی اس لئے ناکام نہیں ہوتا کہ وہ زندگی کے مقابلہ میں ایک بار گِر گیا تھا۔ جب بھی کسی آدمی کے حصّہ میں مستقل ناکامی آتی ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اس نے سابقہ تجربات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دوبارہ اُٹھنے کی صحیح جدوجہد نہیں کی تھی۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر چیز میں کامیابی اور ناکامیابی منجانب اللہ ہے۔ لیکن اسلام نے یہ نہیں کیا ہے کہ آپ کسی ناکامیابی پر ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ جاؤ بلکہ یہ تاکید فرمائی ہے کہ ہر کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے جدوجہد کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ سے امید رکھتے ہوئے آگے بڑھو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو دینے کا وعدہ فرمایا ہے لیکن ہم ہیں کہ ہم سے مانگنا بھی نہیں آتا ہے۔

۴۶۷ ہر دعا کے اوّل وآخر درود شریف کا پڑھنا:- دُعا معنی مانگنا، خواہش کرنا

دُرود معنی اگر حق تعالیٰ کی طرف سے ہو تو رحمت۔ اور اگر فرشتوں کی جانب سے ہو تو استغفار اور اگر مومنوں کی طرف سے ہو تو دعا، اور اگر جانور چرند و پرند کی جانب سے ہو تو تسبیح مراد ہوتی ہے۔

رب العٰلمین کل اہلِ عالم سے فرماتا ہے اور اُن کو رحمتِ عالم (حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان بتاتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ (النساء۔ ۹)

ترجمہ:- جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اگر یہ تیرے پاس آئیں اور خدا سے بخشش چاہیں اور رسول بھی اُن کے لئے بخشش چاہے تب وہ دیکھیں گے کہ خدا تعالیٰ بہت التفات اور رحم فرمانے والا ہے۔

نبی صلعم کی شانِ بلند کو معلوم کرنے کے لیے وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ پر غور کرنا چاہیئے۔ یہی راز ہے کہ ہر دعا کے اوّل وآخر درود شریف پڑھنے کی تاکید کی جایا کرتی ہے۔ کیونکہ عہدِ نبوی صلعم کے لوگوں کو یہ مبارک موقع حاصل تھا کہ دربارِ حضورِ پُرنور میں حاضر ہو کر

اپنے لئے دعا کرائیں۔ اُس عہدِ ہمایوں کے ختم ہونے کے بعد اہلِ عالم کے واسطے صرف یہی طریقہ رکھا گیا ہے کہ حضور صلعم پر درود بھیج کر اللہ تعالیٰ رحمت و برکت کا مستحق خود کو ٹھہرائیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَفِی مَلَاِ الْاَعْلٰی اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ + (رحمۃ اللعالمین ج ۲)

پی

۴۶۸ ـ یاد اللہ تعالیٰ اور اُس کا خوف:-

یاد اللہ معنی خدائے تعالیٰ کو یاد کرنا۔
یعنی اللہ جلّ شانہٗ کی عبادت کرنا +

یاد کے لغوی معنی خاطر اور حفظ کے ہیں۔ + خوف معنی ڈر۔

جو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اُن سے اس کائنات کی ہر چیز خوف کھاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے اس لیئے اسے سمجھنا چاہیئے کہ جب اس دنیا کی ہر شے تجھ سے خوف کھاتی ہے تو تجھے بھی کسی سے خوف کھانا اور ڈرنا چاہیئے اور وہ کون ہے جس کا ڈرنا اور خوف کھانا تجھ پر اتنا ہی ضروری ہے۔ اگر آدمی اس پر غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ ایک دن اُسے اپنے خالق مطلق اور مالک یوم الدین کے سامنے پیش ہونا ہے جہاں اسے ہر چیز کا حساب دینا ہوگا۔ کیا کبھی اس بات پر غور کرتے ہو کہ حساب دینا کیا مطلب رکھتا ہے۔ آؤ ذرا دیکھو اللہ سے ڈرنے والوں اور خوف کھانے والوں کی حالت کیا تھی۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قلب نماز کی حالت میں خوف کے سبب ایسا جوش مارتا تھا جیسے چولھے پر ہانڈی کھولتی ہے اور اس جوش و خروش کی آواز بہت دور سے سُنائی دیتی تھی۔

(۲) حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن کامل سربسجود گریہ کرتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے آس پاس کی زمین پر گھاس اُگ آئی۔

(۳) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے ایک پرند کو مخاطب بنا کر یوں فرمایا۔

"اے کاش کہ میں بھی تجھ جیسا پرندہ ہی ہوتا تاکہ شریعت واحکامِ خداوندی کا مُکلّف نہ ہوتا یا کاش پیدا ہی نہ ہوتا۔"

(۴) حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ "کاش میں درخت ہوتا کہ کاٹ لیا جاتا۔"

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ "کاش میں تو بھولی بسری ہو جاتی۔"

(تبلیغ دین محشی از حضرت امام غزالیؒ)

الحاصل حق تعالیٰ کا خوف جملہ نیک کاموں میں رغبت کرنے اور تمام گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ خوف کرنے والوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم اور رضا کی محمود خصلتیں جمع فرمائی ہیں۔ جو بندہ دنیا میں خدا کا خوف رکھے گا وہ آخرت میں بے خوف ہو گا۔ لیکن خوف کو اسی وقت معتبر سمجھو جبکہ وہ تم کو معصیت (گناہوں) سے روکے اور گناہ کی جرأت نہ ہونے دے۔ اور اگر یہ حاصل نہ ہو تو وہ خوف نہیں ہے۔

۴۶۹ - یا بُشریٰ :- یا بُشریٰ۔ اس میں حرف یا۔ حرفِ ندا ہے۔ بُشریٰ معنی خوشخبری اچھی خبر۔ ایک شخص کا نام جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو آپ کے بھائیوں نے کنویں میں گرا دیا تھا۔ جب آپ کو تین روز اس کنویں میں گزر گئے تو تیسرے روز اتفاق سے اس طرف سے ایک قافلہ کا گذر ہوا۔ اس قافلہ کا سردار ایک شخص مالک بن زعر تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دو غلام بھی تھے۔ ان میں ایک کا نام بُشریٰ اور دوسرے کا بشیر تھا۔ چنانچہ قافلہ کے سردار نے ان دونوں غلاموں کو پانی لانے کے لئے بھیجا۔ دونوں اتفاق سے اسی کنویں پر پانی لینے کے لئے آئے۔ بشیر نے اس کنویں میں ڈول ڈالا اور بشریٰ قضائے حاجت کے لئے چلا گیا۔

جب ڈول کُنویں میں پہنچا تو بحکمِ خدا حضرت یوسف علیہ السلام اُس ڈول میں تشریف لائے۔ اس ڈول میں آپ کے بیٹھنے سے بوجھ ہو گیا یعنی ڈول بھاری ہو گیا تو بشیر سے کھینچ نہ سکا۔ اس وقت بشیر نے پکارا کہ "یا بُشریٰ! ھٰذا غلام" یعنی اے بُشریٰ

دوڑا اس ڈول کو ایک لڑکے نے بیٹھ کر بھاری کر دیا ہے۔ جب وہ آیا دونوں نے مل کر ڈول اُوپر کھینچ لیا۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے باہر آ گئے۔

۴۷۰۔ **یازدہ در:۔** یازدہ در:۔ یہ لفظ فارسی کا ہے۔ کنایہ ہے گیارہ سوراخوں سے جو انسان کے جسم میں ہوتے ہیں۔ وہ گیارہ سوراخ اس طرح شمار کئے گئے ہیں:۔

نمبر ۱ اور ۲۔ دونوں کان کے سوراخ۔ ۳ اور ۴ ناک کے دونوں سوراخ یعنی نتھنے۔ ۵ اور ۶ دونوں آنکھیں۔ ۷ اور ۸ دہن (منہ) جو مشتمل ہے دو راہ پر یعنی ایک رستہ آب و طعام کا اور دوسرا راستہ سانس کی آمد و رفت کا۔ ۹ اور ۱۰ راہ بُول یعنی پیشاب کی راہ۔ یہ بھی مشتمل ہے دو راہ پر یعنی ایک رستہ پیشاب کے آنے کا اور دوسرا راستہ منی کے نکلنے کا۔ اور عورتوں میں ایک راہ پیشاب اور دوسری راہ حیض کی۔ ۱۱۔ یہ رستہ پاخانہ کا ہے۔ اور بعضوں نے چار راہیں اور زیادہ کر کے ان کو پندرہ شمار کیے ہیں۔ جیسے ایک رستہ تالُو کا جہاں کوا لٹکتا ہے اور یہ وہ راہ ہے جو دماغ سے حلق میں گئی ہے۔ دوسری راہ ناف کا اضافہ کیا ہے جس کے ذریعہ بچہ ماں کے پیٹ میں غذا حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح تیسری اور چوتھی راہیں عورتوں کے پستان جس سے بچہ پیدا ہونے کے بعد اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔

۴۷۱۔ **یَوم مَوعُود، یَومِ شَاہِد اور یَومِ مشہود:۔** یوم موعود معنی وعدہ کا دن یعنی قیامت کا دن۔

حدیث ترمذی میں مرفوعاً ہے (یعنی ایسی حدیث جس کی سَند کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو)، کہ یومِ موعُود قیامت کا دن ہے۔ اور شاہد جمعہ کا دن ہے اور مشہود عرفہ کا دن ہے۔ جس میں حجاج اپنے اپنے مقامات سے سفر کر کے عرفات میں اس یوم کے قصد سے جمع ہوتے ہیں تو گویا وہ دن مقصود اور دوسرے لوگ حاضری کا قصد کرنے والے ہیں۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ ہماری خطاؤں سے درگزر فرما کر اپنے نیک بندوں میں محض اپنے

لطف و کرم سے شامل فرمالیں تو اس کی شانِ کریمی سے کچھ بعید نہیں، اپنے معزز ناظرین حضرات سے نہایت ادب سے استدعا ہے کہ دعائے خیر سے احقر کی بھی دستگیری فرماویں۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ۔

طالب دُعا

احقر محمد یامین قریشی سہارن پوری غفرلہٗ

حبیب منزل۔ قدسیہ مسکن

پُل رینج۔ قطب شیر سہارنپور۔

جمعۃ المبارک